160

اسلامی وکالت کا تحقیقی جائزہ

مقالہ برائے

پی ایچ ڈی (اسلامک کلچر)

نگران تحقیق

محترمہ پروفیسر ڈاکٹر ممتاز بھٹو صاحبہ

ڈین فیکلٹی آف اسلامک اسٹڈیز

سندھ یونیورسٹی، جامشورو

تحقیق وتقدیم

محفوظ احمد

شعبہ تقابل ادیان و ثقافت اسلامی

سندھ یونیورسٹی، جام شورو (پاکستان)

2000ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم
شروع اللہ تعالیٰ کے پاک نام سے جو نہایت مہربان اور رحم کرنے والا ہے
In The Name Of Allah
The Merciful
The Compassionate

بسم اللہ الرحمن الرحیم
اللھم انی اسئلک علما نافعا
وعملا متقبلا ورزقا طیبا
(حدیث نبوی)
اے اللہ! میں آپ سے فائدہ مند علم اور مقبول ہونے والا عمل اور پاک روزی کی درخواست کرتا ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حسبنا اللہ ونعم الوکیل

ہدیہ تشکر و امتنان

بعض اوقات کسی شخص سے ہونے والی ملاقات آنے والے وقت میں کسی بڑے کام کرنے کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ یہی بات ۱۹۹۶ء میں راقم الحروف سے ہوئی۔ میرے ایک دوست جناب حافظ مسعود الحسن (لیکچرر اسلامیات گورنمنٹ پولی ٹیکنیک انسٹی ٹیوٹ سیالکوٹ) لاہور میں مجھے ملے۔ ان کے ہاتھ میں سندھ یونیورسٹی جامشورو حیدر آباد کے شعبہ تقابل ادیان و ثقافت اسلامی کا تعارفی کتابچہ تھا جس میں پی' ایچ' ڈی کی سطح پر تحقیقی کام سے متعلق معلومات مندرج تھیں۔

بندہ اس سے قبل اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور' پنجاب یونیورسٹی لاہور اور علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد سے اپنا تعلیمی تعلق قائم کر چکا تھا۔ اب باب الاسلام سندھ کی کسی جامعہ سے علمی نسبت قائم کرنے کی خواہش تھی۔ یہ تعارفی کتابچہ اس خواہش کو پورا کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوا۔

اس مقالے کی تیاری میں جن محترم احباب نے میری معاونت کی ان میں سب سے پہلے محترمہ پروفیسر ڈاکٹر ممتاز بھٹو صاحبہ ڈین فیکلٹی آف اسلامک سٹڈیز جامعہ سندھ کا تہہ دل سے ممنون ہوں جنہوں نے عنوان مقالہ کے ابتدائی مراحل کی تکمیل میں نہ صرف معاونت کی بلکہ اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود بطور نگران تحقیق ذمہ داری بھی قبول کی۔ دوران تحقیق میرے تحریر کردہ مواد کو توجہ سے پڑھ کر اپنی قیمتی آرا سے مستفید فرمایا اور مقالے کو جامع و مانع بنانے میں قدم قدم پر میری اصلاح فرمائی۔ آپ کی مشفقانہ راہنمائی نے منزل تحقیق کو مجھ پر آسان کر دیا اور آپ ہی کی راہنمائی اور حوصلہ افزائی سے یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا۔

میمن' محترمہ پروفیسر کلثوم پٹھان صاحبہ' محترم جناب پروفیسر ڈاکٹر ثناء اللہ بھٹو اور جناب محترم ڈاکٹر محمد انور خاں اور شعبہ ہذا کے جملہ اساتذہ کرام کا بھی بے حد شکر گزار ہوں کہ دوران تحقیق مجھے ان کا بھرپور تعاون حاصل رہا۔

اس مقام پر جناب میاں محمد صلاح الدین صدف ایڈووکیٹ ہائی کورٹ لاہور کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے جدید نظام وکالت کی تحقیق سے متعلق میری راہنمائی فرمائی۔

اس مقالے کی تیاری میں جن لائبریریوں سے استفادہ کیا گیا ان میں لائبریری جامعہ صدیقیہ مجددیہ سانگلہ ہل ضلع شیخوپورہ' پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور' قائداعظم لائبریری لاہور' پنجاب پبلک لائبریری لاہور' دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور' لاہور ہائی کورٹ لائبریری لاہور اور خلافت لائبریری چناب نگر (ربوہ) ضلع جھنگ زیادہ اہم ہیں۔ میں ان جملہ لائبریریوں کے عملے کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے دوران تحقیق فراہمی کتب میں میرے ساتھ تعاون کیا۔

میں جناب محمد اقبال گل فراز کمپوزنگ سنٹر اردو بازار لاہور کا بھی شکرگزار ہوں جنہوں نے اپنی معروفیات سے وقت نکال کر مقالے کو کمپوزنگ سے مزین کیا۔

علاوہ ازیں میں ان تمام دوست و احباب کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے کسی نہ کسی حوالے سے مقالہ کی تیاری میں ہاتھ بٹایا۔

مقالہ کو حتی المقدور اغلاط سے پاک رکھنے کی کوشش کی گئی لیکن پھر بھی محترم اساتذہ کرام اور مکرم قارئین سے گزارش ہے کہ انہیں جہاں کہیں لغزش و کمی اور فروگذاشت کا احساس ہو تو اسے معاف فرمائیں اور اس کے متعلق آگاہ کریں کیونکہ انسانی تحقیق کبھی حتمی اور آخری نہیں ہوتی۔ اس میں ہمیشہ اصلاح اور بہتر سے بہتر کی گنجائش ہوتی ہے۔

میں ان تمام معاونین کی شفقت' ہمدردی اور ایثار کا شکریہ ان الفاظ میں ادا کرتا ہوں:

"فجزاء اللّٰہ تعالیٰ احسن الجزاء فی الدنیا والاخرۃ"

آخر میں خدائے بزرگ و برتر اور بعد از خدا بزرگ و برتر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہایت عجز و انکساری سے شکر بجالاتا ہوں کہ جنہوں نے اپنی توفیق و رحمت سے اس ناچیز کو اس مقالے کی تکمیل کے تمام مراحل سے گذار کر سرخرو فرمایا۔

"وما توفیقی الا باللّٰہ علیہ توکلت والیہ انیب"

محفوظ احمد
Dr. Mahfooz Ahmad
Associate Professor, (Islamiat)
G. C. University, Faisalabad.

تقدیم

دنیا میں دو طرح کے ادیان موجود ہیں۔

اول: وہ جو منزل من اللہ ہیں جیسے یہودیت، عیسائیت اور اسلام

دوم: وہ جو بعض مصلحین نے خود وضع کیے ہیں جیسے ہندومت، بدھ مت، جین مت، تاؤ ازم، کنفیوشس ازم اور زرتشت ومانوی مذہب وغیرہ ان تمام ادیان و نظام ہائے زندگی میں خواہ وہ الہامی ہوں یا غیر الہامی، اسلام کو کئی پہلوؤں سے انفرادیت حاصل ہے جن میں سے دو کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ (i) جامعیت و عالمگیریت (ii) سماحت ویسرت۔

جامعیت و عالمگیریت سے مراد یہ ہے کہ اسلام قیامت تک تمام لوگوں کے لیے مرکز ہدایت ہے خواہ وہ دنیا کے کسی خطے میں مقیم ہوں یا وہ کسی قوم سے متعلق ہوں۔ جامع اس لحاظ سے کہ اس کے احکام زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہیں۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر اس طرح کیا گیا۔

"الیوم اکملت لکم د ینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا"(۱)

آج (خطبہ حجۃ الوداع کے دن) میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے اور میں نے تمہارے لیے اپنی نعمت پوری کر دی ہے اور تمہارا دین (نظام حیات) اسلام ٹھہرا کر راضی ہوا ہوں۔ دوسرے مقام پر فرمایا گیا:

"ان الدین عند اللہ الاسلام"(۲)

بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے۔

سماحت ویسرت سے مراد یہ ہے کہ اس دین کے احکامات پر عمل کرنا لوگوں کے لیے سہل اور آسان ہے۔ اسلام کی اس خصوصیت کو قرآن مجید میں متعدد مقامات پر واضح اور صریح انداز میں اس

"یرید اللّٰہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر" (۳)

اللہ تعالیٰ تمہارے لیے (احکام میں) آسانی چاہتا ہے دشواری نہیں چاہتا۔

"یرید اللّٰہ ان یخفف عنکم وخلق الانسان ضعیفا" (۴)

اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ تخفیف چاہتا ہے اور انسان کو کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

"مایرید اللّٰہ لیجعل علیکم من حرج" (۵)

اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں کہ تم پر کوئی تنگی ڈالیں۔

"وما جعل علیکم فی الدین من حرج" (۶)

اللہ تعالیٰ نے دین کے معاملے میں تمہارے لیے کسی قسم کی تنگی نہیں رکھی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی احادیث مبارکہ میں بھی دین اسلام میں رحمت' تیسیر' تخفیف' عدم ضرر اور اعتدال کا ذکر اس طرح فرمایا:

"انی ارسلت بحنیفیة سمحة" (۷)

بے شک میں تسامح (نرمی) خصوصیت رکھنے والے دین کے ساتھ بھیجا گیا ہوں۔"

"ما خیر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی امرین قطا الا اخذ ایسرھما مالم یکن اثما" (۸)

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب دنیا کے دو کاموں میں اختیار ہوا تو آپ نے ان میں سے آسان کام کو اختیار فرمایا بشرطیکہ اس میں گناہ نہ ہو۔

"ان اللّٰہ یحب ان توتی رخصه کما یکرہ ان توتی معصیته" (۹)

بے شک اللہ تعالیٰ رخصت دینے کو بھی اسی طرح پسند کرتا ہے جیسے نافرمانی اختیار کرنے کو ناپسند کرتا ہے۔

"ان الدین یسرولن یشاد الدین احد الا غلبه فسددوا وقاربوا وابشروا" (۱۰)

بے شک یہ دین (اسلام) آسان ہے۔ اور جو شخص دین میں سختی کرے گا۔ یہ اس پر ضرور غالب آ جائے گا۔ تم لوگ میانہ روی اختیار کرو' اعتدال کے قریب رہو اور خوش ہو جاؤ۔ (اس لیے کہ تمہیں آسان دین ملا ہے)۔

"یسروا ولا تعسروا وبشروا ولا تنفروا" (۱۱)

"انما بعثتم میسرین ولم تبعثوا معسرین"(۱۲)

بے شک تم آسانی پیدا کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو۔ سختی کرنے والے نہیں۔

ان آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ علیہ الصلوۃ والسلام سے یہ واضح ہوتا ہے کہ دین اسلام کی بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ دین اپنے متبعین کے لیے آسانی پیدا کرتا ہے۔ اسلام میں وکالت کا جواز بھی اسی بنیاد پر قائم کیا گیا ہے۔

موضوع کی اہمیت و افادیت

وکالت انسانی زندگی میں بہت اہمیت رکھتی ہے اس لیے کہ دنیا میں بہت سے امور و معاملات ایسے ہیں جن کو انسان خود انجام دینے سے عاجز ہوتا ہے۔ یہ عجز کبھی طبعی بنیاد پر ہوتا ہے اور کبھی غیر طبعی بنیاد پر، کبھی دینی مصروفیات کی وجہ سے اور کبھی دنیاوی مشاغل کے باعث، کبھی جنسی تفریق کی وجہ سے اور کبھی جغرافیائی بنا پر، کبھی معاشرتی وجوہ سے اور کبھی معاشی اسباب سے، کبھی غربت کی وجہ سے اور کبھی آسائش و امارت کی وجہ سے۔

اسلامی نظام وکالت بڑی وسعت کا حامل ہے جو چند مستثنیات (ایمانیات، بدنی عبادات، ظہار، لعان، ایلاء، شہادت، حلف اور غنیمت وغیرہ) کے علاوہ انسانی زندگی کے تمام شعبہ جات جیسے عبادات مالیہ، معاملات، مبایعات، مناکحات اور خصومات پر محیط ہے۔ ان تمام پہلوؤں پر بڑی جامعیت کے ساتھ اسلامی وکالت کے احکامات موجود ہیں۔ جب کہ جدید وکالت کا تصور صرف خصومات اور مبایعات تک محدود ہے اس لیے اگر یہ کہا جائے کہ جدید وکالت کا تصور اسلامی نظام وکالت کے صرف دو پہلوؤں کی عملی شکل ہے تو بے جا نہیں ہو گا۔

اسلام کے تصور وکالت کی اس اہمیت کے باوجود ابھی تک اس موضوع پر باقاعدہ تحریری کوئی کام نہیں کیا گیا البتہ جزوی طور پر اس عنوان کے مختلف پہلوؤں کا ذکر مختلف کتب میں ملتا ہے۔ کتب احادیث کے علاوہ امام سرخسی کی المبسوط، فتاوی عالمگیری اور عبدالرزاق احمد السنہوری کی الوسیط فی القانون میں قدرے تفصیل سے اور باقی کتب فقہ میں اختصار اور جامعیت کے ساتھ اس کے احکام مسائل ملتے ہیں۔ تحقیق کے مطابق مقالہ ہذا کو سات ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

باب اول

یہ باب وکالت کے مفہوم اور مشروعیت پر قائم کیا گیا ہے۔ یہ باب پانچ فصلوں پر مشتمل ہے۔ فصل اول میں وکالت کا لغوی و اصطلاحی مفہوم بیان کیا گیا ہے، فصل دوم میں وکالت کا قرآن اور حدیث سے مفہوم بیان کیا گیا ہے جب کہ فصل سوم میں قبل از اسلام وکالت پر روشنی ڈالی گئی ہیں۔ فصل چہارم میں قرآن مجید، حدیث نبوی و آثار صحابہ سے وکالت کی مشروعیت بیان کی گئی ہیں۔ پانچویں فصل میں اجماع اور وکالت کا بیان ہے۔

باب دوم

یہ باب انواع و صور وکالت کے عنوان سے قائم کیا گیا ہے یہ باب چار فصلوں پر محیط ہے۔ فصل اول میں انواع وکالت کا بیان ہے فصل دوم میں وکالت کی صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ فصل سوم میں وکالت اور وصیت، تفویض، مقاولہ و رسالہ میں فرق اور مماثلت کا ذکر کیا ہے اور فصل چہارم میں وکالت بطور ذریعہ معاش اختیار کرنے کا بیان ہے۔

باب سوم

یہ باب اسباب، عناصر، ارکان، شرائط اور حکم وکالت کے بیان سے متعلق ہے۔ اس باب کو تین فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ فصل اول میں اسباب وکالت کا ذکر ہے فصل دوم میں عناصر و ارکان وکالت کا بیان ہے اور فصل سوم شرائط و حکم وکالت کے بیان سے متعلق ہے۔

باب چہارم

یہ باب احکام وکالت پر مشتمل ہے۔ اس باب کی سات فصلیں ہیں۔ فصل اول میں اسلامی وکالت کے عمومی اصولوں کو بیان کیا گیا ہے۔ فصل دوم وکالت عقود تملیکات (نکاح، بیع و شرا، اجارہ، ہبہ اور تقاضا وصولی قرض کے احکام پر مشتمل ہے)۔
فصل سوم میں عقود الاسقاطات (طلاق، خلع اور ادائیگی قرض) کے احکام کا بیان ہے۔ فصل چہارم میں عقود المشارکت (شراکت، مضاربت و مزارعت)، فصل پنجم میں عقود التوثیق والتامین والحفظ (کفالہ، حوالہ، رہن، ودیعت، عاریت) فصل ششم میں عبادات، منذورات، کفارات (صدقات، اضحیہ، حج) اور فصل ہفتم میں خصومات و جنایات (قصاص، حدود و تعزیرات) سے متعلق احکام وکالت پر بحث کی گئی ہے۔

باب پنجم

اس باب میں مستثنیات وکالت کا بیان ہے اس باب کی چھ فصلیں ہیں۔ فصل اول میں عقائد و ایمانیات اور فصل دوم میں عبادات (عبادات بدنیہ' طہارت) کے استثناء کا ذکر ہے۔ فصل سوم میں معاملات (غنیمت' شہادت' قسامت' یمین) اور فصل چہارم میں مناکحات (لعان' ایلاء' ظہار' رجعت' قسم بین الزوجات' رضاعت) کی مستثنیات کا بیان ہے۔ فصل پنجم میں جنایات و عقوبات' (قصاص و حدود) اور فصل ششم میں امور محرمہ اور اموال مباحہ کی مستثنیات وکالت کو بیان کیا گیا ہے۔

باب ششم

یہ باب حقوق وکیل' وکیل کا وکیل ثانی مقرر کرنا' موکل کی طرف سے دو وکیل مقرر کرنے اور دو موکلوں کی جانب سے ایک وکیل مقرر کرنا' موکل اور وکیل کے درمیان اختلاف ہونے اور معزولی وکالت کے عنوانات سے متعلق ہے۔ اس باب کی چار فصلیں ہیں۔

فصل اول میں وکیل کے حقوق اور وکیل کا وکیل ثانی مقرر کرنے کے متعلق بحث کی گئی ہی ہے۔ فصل دوم میں موکل کی طرف سے دو وکیل مقرر کرنے اور دو موکلوں کی جانب سے ایک وکیل مقرر ہونے پر وکیل کے کردار کو واضح کیا گیا ہے فصل سوم میں موکل اور وکیل کے درمیان ہونے والے اختلافات کی صورتوں کو بیان کیا گیا ہے اور فصل چہارم میں معزولی وکیل کی اقسام و اسباب پر بحث کی گئی ہے۔

باب ہفتم

اس باب میں عصر جدید میں وکالت اور تحقیق سے حاصل ہونے والے نتائج اور اسلامی تصور وکالت سے بہتر طور پر مستفید ہونے کے لیے تجاویز پیش کی گئی ہیں۔ اس باب کی چھ فصلیں قائم کی گئی ہیں۔ فصل اول میں عصر جدید میں وکالت کی تاریخ اور وکیل خصومت کی اقسام اور ان کے فرائض و اختیارات کو بیان کیا گیا ہے۔ فصل دوم میں خرید و فروخت کے لیے مقرر کردہ وکیل کے کردار کا بیان ہے۔ فصل سوم میں اسلامی تصور وکالت اور جدید تصور وکالت کا تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ فصل چہارم میں مروجہ عدالتی نظام میں وکلاء کے کردار کو بیان کیا گیا ہے اور فصل پنجم میں اسلامی اصول وکالت کا بیان ہے۔ فصل ششم میں مقالہ کی تحقیق سے حاصل ہونے والے نتائج کا بیان ہیں نیز اسلامی

[illegible] اسلامی نظام وثقافت و جدید نظام وثقافت میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے تجاویز پیش کی گئی ہیں۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ میری اس ادنیٰ سے علمی و تحقیقی کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرف و قبولیت بخشے۔

گر قبول افتد زہے عزو شرف

محفوظ احمد

ایسوسی ایٹ پروفیسر (اسلامیات)

گورنمنٹ تعلیم الاسلام کالج چناب نگر (ربوہ)

ضلع جھنگ

3-11-2000

Dr. Mahfooz Ahmad
Associate Professor, (Islamiat)
G. C. University, Faisalabad

۱۔ سورۃ المائدہ، ۵/۳۔
۲۔ سورۃ آل عمران، ۳/۱۹۔
۳۔ سورۃ البقرہ، ۲/۱۸۵۔
۴۔ سورۃ النساء، ۴/۲۸۔
۵۔ سورۃ المائدہ، ۵/۶۔
۶۔ سورۃ الحج، ۲۲/۷۸۔
۷۔ امام احمد، مسند، دار صادر، بیروت، (ت۔ن)، ۶/۱۱۶۔
۸۔ امام مالک، موطا، (کتاب الجامع، فصل ماجاء فی حسن الخلق)، میر محمد کتب خانہ، کراچی، (ت۔ن)، ص ۷۰۴۔
۹۔ امام احمد، ۲/۱۰۸۔
۱۰۔ البخاری، الصحیح، (کتاب الایمان، باب الدین یسر)، نور محمد، کراچی، ۱۳۵۷، ۱/۱۰۔
نسائی، سنن، (کتاب الایمان، باب الدین یسر)، قدیمی کتب خانہ، کراچی، (ت۔ن)، ۲/۲۷۲۔
۱۱۔ البخاری، (کتاب العلم، باب ماکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتخولهم)، ۱/۱۶۔
ابوداؤد، سنن، (کتاب الادب، باب فی کراھیۃ المراء)، ولی محمد، کراچی، ۱۳۶۹ھ، ۲/۶۶۵۔
۱۲۔ البخاری، (کتاب الوضوء، باب صب الماء علی البول فی المسجد)، ۱/۳۵۔
ترمذی، جامع (ابواب الطهارة باب ماجاء فی البول یصیب الارض) مکتبہ رحیمیہ، دیوبند، ۱۹۵۲، ۱/۳۱۔

طریق تحقیق / منہج التحقیق

مقالہ کی تحقیق کے دوران اس طریق کو اپنایا گیا ہے۔

۱۔ تحقیق کے دوران اپنی گائیڈ محترمہ پروفیسر ڈاکٹر ممتاز بھٹو صاحبہ کی ہدایات کو ملحوظ نظر رکھا گیا۔

۲۔ مقالے میں موضوع کی نسبت سے کسی بھی پہلو سے عمداً" اغماض نہیں برتا گیا اور ممکنہ کوشش کی گئی ہے کہ اسلام کے تصور وکالت کے تحقیقی جائزہ میں کوئی تشنگی اور ابہام باقی نہ رہے۔

۳۔ مقالے کی تیاری میں حتی المقدور بنیادی ماخذ سے استفادہ کیا گیا ہے البتہ بنیادی ماخذ کی عدم دستیابی پر ثانوی ماخذ کا بھی سہارا لیا گیا ہے۔

۴۔ اسلامی تصور وکالت کی تحقیق کے لیے زیادہ تر قرآن مجید' معتبر تفاسیر' کتب احادیث اور مذاہب اربعہ کی بنیادی عربی کتب کو مرجع تحقیق بنایا گیا ہے جب کہ جدید تصور وکالت کے لیے مختلف انسائیکلوپیڈیا اور قانونی ایکٹس / رولز سے مدد لی گئی ہے۔

کتب تفاسیر میں احکام القرآن لجصاص' الجامع لاحکام القرآن لقرطبی' تفسیر بیضاوی' تفسیر کبیر لامام رازی' تفسیر الکشاف لزمخشری اور تنویر المقیاس لفیروز آبادی' کتب احادیث میں سے صحاح ستہ' مسند احمد' المصنف لابن ابی شیبہ اور دار قطنی وغیرہ' کتب فقہ میں المبسوط لسرخسی' بدائع الصنائع لکاسانی' الدر المختار لحنفی' ردالمختار لابن عابدین' البحرالرائق لابن نجیم' تبیین الحقائق لزیلعی' کتاب الفقہ لجزیری' المغنی لابن قدامہ' مغنی المحتاج لشربینی اور المہذب لابی اسحاق شیرازی' کتب فتاوی میں' فتاوی نوازل لسمرقندی' فتاوی قاضی خاں اور فتاوی ہندیہ اور کتب لغت میں لسان العرب لابن منظور' تاج العروس لزبیدی' القاموس المحیط لفیروز آبادی وہ کتب ہیں جن سے تحقیق مقالہ کے دوران زیادہ مدد لی گئی ہے۔

۵۔ کتب کے علاوہ بعض رسائل و جرائد سے بھی مدد لی گئی ہے۔ ان میں مجلہ الاحکام العدلیہ' نقوش رسول نمبر' سہ ماہی منہاج اور پی ایل ڈی زیادہ اہم ہیں۔

۶۔ کتب و رسائل کے علاوہ بعض نامور علماء اور وکلاء سے بھی مشاورت کی گئی ہے۔

۷۔ طویل ناموں کی کتب کے حوالہ جات میں مختصر نام تحریر کیے گئے ہیں ان کے رموز و اختصارات کی فہرست بھی مقالہ کے ابتداء میں دی گئی ہے۔

جنھوں نے تحقیق کے ابتدائی مراحل سے لے کر تکمیل کے مراحل تک کسی نہ کسی طرح معاونت کی۔ اس کے علاوہ تقدیم کے عنوان سے ایک تعارفی مقدمہ بھی شامل ہے۔ جس میں تمہیدی کلمات کے علاوہ مقالہ کا تعارف، موضوع کی اہمیت و افادیت اور مقالہ کی ابوابی تقسیم پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۹۔ مقالہ کے آغاز میں موضوعات اور مضامین کی عنواناتی فہرست "فہرست مندرجات" کے عنوان سے قائم کی گئی ہے جس میں ہر باب کے عنوان کے علاوہ ذیلی موضوعات کی ترتیب سے نشاندہی کی گئی ہے۔

۱۰۔ ہر باب کے آخر میں اس باب کے حوالہ جات دیئے گئے ہیں۔ کتاب کے پہلے حوالہ میں جملہ کوائف بیان کئے گئے ہیں اس کے بعد صرف مصنف، کتاب کا نام، جلد نمبر اور صفحہ نمبر دیے گئے ہیں۔ حوالہ جات کے علاوہ جہاں ضروری سمجھا گیا حواشی بھی دیے گئے ہیں۔

۱۱۔ مراجع و ماخذ تک رسائی کے لیے مختلف لائبریریوں سے استفادہ کیا گیا ہے جن کی فہرست مقالہ کی ابتدا میں تحریر کئے گئے ہدیہ تشکر و امتنان میں دی گئی ہیں۔

رموز و اختصارات

مقالہ ہذا میں حواشی و حوالہ جات کے لیے حسب ذیل حکمت عملی اختیار کی گئی ہے۔

۱۔ آیات قرآنیہ کے حوالوں میں سورتوں کے نام کے ساتھ ان کا شمار ترتیب تلاوت دینے کے بعد آیت نمبر دیا گیا ہے۔

۲۔ حاشیہ میں مصنف/مولف کے نام کا معروف جزء دیا گیا ہے کتابیات کے ضمن میں مکمل نام درج کیا گیا ہے۔

۳۔ پہلی مرتبہ حوالے کے ضمن میں مکمل تفصیل (نام مصنف و مولف، نام کتاب، ناشر و مقام اشاعت، سال اشاعت، شمار جلد اور شمار صفحہ) دی گئی ہے۔ جب کہ اس کے بعد صرف نام مصنف، نام کتاب، شمار جلد اور شمار صفحہ دیا گیا ہے۔

۴۔ کسی علمی و تحقیقی مجلس کی طرف سے کوئی کتاب تالیف کی گئی ہو تو حاشیہ میں مجلس کے معروف رکن کا نام دیا گیا ہے۔ اگر کوئی معروف نام نہ ہو تو صرف کتاب کا نام دیا گیا ہے جب کہ کتابیات میں مولفین کی تفصیل بھی دی گئی ہے۔

۵۔ کتب احادیث کے لیے مندرجہ ذیل رموز و اختصارات استعمال کیے گئے ہیں جب کہ تفصیل کتابیات کے ضمن میں دی گئی ہے:

الجامع الصحیح البخاری	کے لیے	البخاری
الجامع الصحیح لمسلم	"	مسلم
الجامع الترمذی	"	ترمذی
سنن ابن ماجہ	"	ابن ماجہ
سنن ابی داؤد	"	ابوداؤد

سنن نسائی	کے لیے	نسائی
السنن الکبریٰ للبیہقی	"	بیہقی
السنن الدار قطنی	"	دار قطنی
السنن الدارمی	"	دارمی
شرح السنہ لحسین بن مسعود		بغوی
مستدرک لحاکم	"	حاکم
مسند امام احمد بن حنبل	"	امام احمد
مصنف ابن ابی شیبہ	"	ابن ابی شیبہ
مصنف عبدالرزاق	"	عبدالرزاق
موطا امام مالک	"	امام مالک

احادیث میں حوالہ جات کے لیے مندرجہ بالا رموز کے ساتھ شمار جلد اور شمار صفحہ دینے کے علاوہ حدیث کی تلاش میں آسانی کے لیے قوسین میں باب اور فصل کا نام بھی دیا گیا ہے۔

۶۔ کتب لغت میں ان رموز کو استعمال کیا گیا ہے۔

تاج العروس لزبیدی	کے لیے	تاج العروس
تاج اللغته وصحاح العربیہ لجوہری		الصحاح
القاموس المحیط لفیروز آبادی	"	القاموس
لسان العرب لابن منظور	"	لسان العرب
المفردات فی غریب القرآن لامام راغب الاصفہانی	"	المفردات

۷۔ کتب فقہ میں مندرجہ ذیل رموز استعمال کیے گئے ہیں۔

خلاصہ الفتاوی لطاہر بن عبدالرشید	کے لیے	خلاصہ الفتاوی
فتاوی ابن بزار لابن بزاز	"	ابن بزاز
فتاوی قاضی خاں	"	قاضی خاں

فہرست مندرجات

فصل پنجم

فصل ششم

فصل ہفتم

فصل پنجم

فصل ششم

باب ششم

فصل اول

فصل دوم

فصل سوم

فصل چہارم

مقالہ ہذا کے عنوان کی منظوری سندھ یونیورسٹی جامشورو کے ڈائریکٹر گریجویٹ سٹڈیز کی طرف سے جاری کردہ لیٹر نمبر AC-1/657 Dated 9-9-98 کے تحت مورخہ 5-11-1996 سے دی گئی۔

مقالہ نگار

محفوظ احمد

باب اول

وکالت کا مفہوم اور مشروعیت

۱۔ ۵۸

باب اول

وکالت کا مفہوم اور مشروعیت

فصل اول

وکالت کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

وکالت کا لغوی مفہوم

وکالت کا لفظ۔ و۔ ک۔ ل سے مشتق ہے۔ علماء لغت نے اس کے مندرجہ ذیل معانی بیان کیے ہیں۔

۱۔ خلیل بن احمد الفراہیدی (م ۱۷۵ھ) نے وکل کا معنی "التفویض"(۱) (کسی کو کوئی امر یا چیز سونپنا) "To Delegate" بیان کیا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے

"**وکلته الیک اکله کلة ای فوضته**" یعنی میں نے اسے تجھے سونپا۔

۲۔ اسماعیل بن حماد جوہری (م ۳۹۳ھ) نے الصحاح میں اس کے معنی "الاعتماد والوثوق"(۲) کسی پر اعتماد و وثوق کرنا "Depend upon to entrust" بیان کیا ہے۔ جیسے عربی کے ایک شاعر ابن ابی بیری نے کہا ہے:

لما رایت اننی راعی غنم
وانما وکل علی بعض الخدم
عجز و تعذیر اذا الامر ازم (۳)

جب میں نے دیکھا کہ میں ریوڑ کا چرواہا ہوں اور بعض اوقات نوکروں پر اعتماد کرنا عاجزی اور

دھوکہ وہی ہے۔ جب معاملہ قابل تنفیذ ہو۔

اس معنی کے ضمن میں یہ بھی کہا جاتا ہے "**ولا تکونن کھلوف وکل**"(۴) یعنی تو اپاہج اور دوسروں پر اعتماد کرنے والا نہ بن۔ قرآن مجید میں بھی ارشاد ربانی ہے:

"**انی توکلت علی اللّٰہ**"(۵)

بے شک میں نے اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد و بھروسہ کیا۔

سعید لبنانی نے بھی وکل کا معنی "**اعتمد علیه ووثق به**"(۶) تحریر کیا ہے۔

۳۔ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور الافریقی (م ۷۱۱ھ)، مجد الدین محمد فیروز آبادی (م ۸۱۷ھ) اور علامہ محمد مرتضیٰ زبیدی (م ۱۲۰۵ھ) نے وکل کا معنی "**استسلم علیه**"(۷) یعنی تصرف معاملہ کسی دوسرے کے سپرد کرنا "To Consign" تحریر کیا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے۔

"**قد اوکلت علی اخیک العمل**"(۸) میں نے یہ کام تیرے بھائی کے سپرد کیا۔

۴۔ ابن منظور نے وکیل کا معنی "کفیل" یعنی ضامن(۹) "Guarantor" بھی بتایا ہے۔

۵۔ ابوبکر محمد بن حسن ازدی ابن درید (م ۳۲۱ھ) اور بطرس بستانی نے اس سے لفظ وکل کا معنی عاجز بھی تحریر کیا ہے۔ کتاب الجمہرہ میں ہے۔

"**رجل وکل اذا کان یکل امره الی الناس فلا یکفی نفسه**"(۱۰)

"رجل وکل" اس شخص کو کہا جاتا ہے جب وہ اپنا کام لوگوں کے سپرد کر دے اور خود کو اس کام کے لیے کافی نہ سمجھے۔

محیط المحیط میں ہے "**الذی یکل امره الی غیره ویتکل علیه**"(۱۱)

یعنی وہ شخص جو عاجزی کے باعث اپنا معاملہ کسی غیر کے سپرد کر دے اور اس پر بھروسہ کرے۔

چونکہ توکل میں عجز کا اظہار ہوتا ہے اس لیے اس لفظ کو دوسرے پر اعتماد کرنے کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔(۱۲)

وکل کے مادے ہی سے "وکیل" کا لفظ فعیل کے وزن پر مفعول کے معنی میں استعمال ہوتا ہے "**ای موکول الیه الامر**"(۱۳) یعنی وہ شخص جس کے سپرد کام کیا جائے۔

وکیل کا معنی علامہ جوہری نے یہ نقل کیا ہے۔

الوکیل الذی یسعی فی عمل غیره وینوب عنه فیه"(۱۴) وکیل وہ شخص ہے جو کسی غیر کا کام کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس معاملے میں اپنے موکل کی نیابت کرتا ہے۔ تاج العروس میں ہے

"الوکیل هو الذی یقوم بامر الانسان"(۱۵)

یعنی وکیل سے مراد وہ شخص ہے جسے دوسرا انسان کوئی معاملہ سونپتا ہے۔

ابن منظور کے نزدیک وکیل "رب"(۱۶) بمعنی مالک بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے عربی کے ایک معروف شاعر ابو الهیثم نے کہا:

ود اخلة غورا و بالغور اخرجت
و بالماء سیقت حین حان دخولها
ثوت فیه حولا مظلما جاریا لها
فسرت به حقا و سر وکیلها (۱۷)

ترجمہ = اونٹنی کے بچے نے اونٹنی کے رحم میں لوٹ ماری اور پھر وہ پانی کے ساتھ باہر نکلا۔ جب اس کے داخل ہونے کا وقت آیا۔ اس جگہ اس نے ایک سال مکمل اندھیرے میں گذارا۔ بچہ باہر نکلنے پر ماں بھی خوش ہوگئی اور اس کا وکیل (یعنی اس کا مالک) بھی مسرور ہوا۔

وکیل صفت مشبہ ہے اور یہ فاعل اور مفعول دونوں معانی میں استعمال ہوتا ہے جیسے قرآن مجید میں ہے۔

"والذین اتخذوا من دونه اولیاء اللّٰه حفیظ علیهم وما انت علیهم بوکیل"(۱۸)

اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے سوا اور دوست بنا رکھے ہیں ان کے حالات سے اللہ تعالیٰ آگاہ ہے اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ اس آیت میں لفظ وکیل فاعل کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

قرآن مجید کی اس آیت میں "وکیلا" مفعول کے معنی میں استعمال ہوا ہے

"لا اله الا هو فاتخذه وکیلا"(۱۹)

اس (اللہ) کے سوا کوئی معبود نہیں پس اس کو اپنا کارساز بنا رکھیے۔

وکیل کی جمع وکلاء آتی ہے۔ وکیل کو عربی میں "جری" بھی کہتے ہیں۔ جیسے سنن ابی داود میں ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چند لوگ حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کی "انت سیدنا"(۲۰) آپ ہمارے سردار ہیں تو آپ نے فرمایا سید تو اللہ تعالیٰ ہے پھر انہوں نے کہا آپ ہم میں سب سے افضل ہیں تو آپ نے فرمایا تم جو پہلے کہا کرتے تھے وہ کہو یعنی رسول اللہ یا اس میں سے کہو(۲۱) یعنی نبی اللہ پھر آپ نے فرمایا: "ولا یستجرینکم الشیطان"(۲۲)

اور شیطان تمہیں وکیل نہ کرے۔ یعنی ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہاری زبان سے ایسے کلمات کہلوا

دے جو میری شان کے لائق نہ ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہوں۔

وکیل کو جری اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ موکل کے کام کے لیے بہت تیز ہوتا ہے اس کی جمع اجریاء آتی ہے۔(۲۳)

وکیل کو عربی میں محامی اور نائب بھی کہا جاتا ہے(۲۴)

حام کا معنی ہے پیاسا ہونا ہے اور اپنے مقصد کو طلب کرنا چونکہ وکیل ایک مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کوشاں ہوتا ہے لہذا اسے محامی کہا جاتا ہے۔ جدید عربی لغت میں محامی بالخصوص وکیل خصومت کو کہا جاتا ہے۔ اور نائب اس لیے کہ نائب کا معنی بھی قائم مقام ہوتا ہے۔ وکیل بھی اپنے موکل کا قائم مقام ہوتا ہے۔ وکیل کا عربی مفہوم انگریزی میں

Lawyer, Attorney, Advocate, Envoy, Agent, Substitute, Manager, Deputy Curator, Proxy, Representative, Lieutenant, Protector

کے الفاظ میں ادا کیا جاتا ہے۔(۲۵)

وکالت کا لفظ بھی اسی مادے سے ہے۔

ابن سیدہ (م ۴۵۸ھ) کے نزدیک وکالت کی دو قراتیں ہیں۔

اول: ایک قرات بفتح الواؤ ہے یعنی **وَکالۃ**

دوم: دوسری قرات بکسر الواؤ ہے یعنی **وِکالۃ** (۲۶)

بقول زبیدی موخرالذکر قرات (**وَکالۃ**) کو جوہری نے شاذ قرار دیا ہے۔(۲۷)

لفظ وکالت کا استعمال دو طرح سے ہوتا ہے۔

اول: لام کے صلہ کے ساتھ جیسے کہا جاتا ہے:

"**توکلت لفلان**" میں فلاں کی ذمہ داری میں ہوں۔ یا کہا جاتا ہے۔

"**وکلتہ فتوکل لی**" میں نے اسے وکیل مقرر کیا اور اس نے میری وکالت قبول کی۔

دوم: علی کے صلہ کے ساتھ (۲۸) جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"**وعلی اللہ فلیتوکل المومنون**"(۲۹) اور مسلمانوں کو (ہر امر میں) اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

سورہ طلاق میں ہے۔ "**ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ**"(۳۰)

اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہے۔

وکالت کا اصطلاحی مفہوم

اگرچہ وکالت کا لغوی مفہوم اپنے اصطلاحی مفہوم سے ملتا جلتا ہے لیکن پھر بھی فقہاء کرام نے کتب فقہ اور دیگر کتب میں وکالت کا اصطلاحی مفہوم بیان کیا ہے۔ چند فقہاء کے بیان کردہ وکیل اور وکالت کے اصطلاحی مفہوم یہ ہیں۔

۱۔ علامہ شمس الدین سرخسی (م ۴۸۳ھ) نے وکالت کا اصطلاحی مفہوم یہ بیان کیا ہے۔

"التوکیل تفویض التصرف الی الغیر و تسلیم المال الیہ لیتصرف فیہ" (۳۶)

کسی کو کسی امر کا تصرف یا اختیار سونپنا اور اسے اس لیے مال سپرد کرنا تاکہ وہ اس میں اختیارات استعمال کرے وکالت کہلاتا ہے۔

۲۔ علامہ ابوبکر کاسانی (م ۵۸۷ھ) نے بدائع الصنائع میں یہ تعریف بیان کی ہے۔

"وھو تفویض التصرف والحفظ الی الوکیل" (۳۷)

وکیل کو اختیار اور حفاظت سونپنا وکالت شرعی کہلاتا ہے۔

۳۔ امام فخرالدین رازی (م ۶۰۶ھ) نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے۔

"الوکیل ھو الذی وکل الیہ الامر فی الحفظ والحمایۃ" (۳۸)

وکیل سے مراد وہ شخص ہے جس کو حفاظت و حمایت کے لیے کوئی کام سپرد کیا جائے۔

۴۔ سید شریف علی بن محمد جرجانی (م ۸۱۶ھ) نے لکھا ہے۔

"الوکیل ھو الذی یتصرف لغیرہ لعجز موکلہ" (۳۹)

وکیل سے مراد وہ شخص ہے جو موکل کی عاجزی کے باعث اس کے اختیار استعمال کرتا ہے۔

۵۔ علامہ کمال الدین محمد ابن ہمام (م ۸۶۱ھ) اور علامہ ابن نجیم (م ۹۷۰ھ) کے نزدیک وکالت یہ ہے۔

"اقامة الانسان غیرہ مقامه (۴۰) فی تصرف معلوم" (۴۱)

کسی انسان کا دوسرے شخص کو معلوم مقصد کے لیے اپنا قائم مقام مقرر کرنا۔

۶۔ حنبلی فقیہ امام شرف الدین ابوالنجا موسی الحجاوی المقدسی (م ۹۶۸ھ) نے وکالت کے بارے میں لکھا ہے۔

"وهی استنابة جائز التصرف مثله فیما تدخله النیابة" (۴۲)

ایک شخص جسے کسی کام کا انجام دینا جائز ہو وہ ایک دوسرے شخص کو جسے وہی کام کرنا جائز ہو اپنا نائب بنائے اور اس کام میں نائب بنانے کی گنجائش ہو۔

۷۔ شافعی فقیہ شیخ محمد الخطیب الشربینی (م ۹۷۷ھ) نے مغنی المحتاج میں وکالت کی یہ تعریف نقل کی ہے۔

"تفویض شخص ماله' فعله مما یقبل النیابة الی غیرہ لیفعله فی حیاته" (۴۳)

کسی شخص کو اپنا مال اور قابل نیابت فعل سپرد کرنا تاکہ وہ اس کی زندگی میں اس کی مرضی کے مطابق اسے انجام دے۔

۸۔ علامہ شمس الدین محمد بن ابوالعباس احمد بن حمزہ الشافعی (م ۱۰۰۴ھ) جنہیں شافعی صغیر بھی کہا جاتا ہے نے وکالت کے متعلق لکھا ہے۔

"تفویض شخص لغیرہ مایفعله عنه حال حیاته مما یقبل النیابة" (۴۴)

ایک شخص کا دوسرے شخص کو قابل نیابت فعل سپرد کرنا تاکہ وہ اس کی زندگی میں اسے انجام دے۔

۹۔ علامہ علاؤ الدین حنفی (م ۱۰۸۸ھ) نے چند شرائط کے ساتھ وکالت کی یہ تعریف کی ہے۔

"اقامة الغیر مقام نفسه ترفها او عجزا فی تصرف جائز معلوم" (۴۵)

غیر شخص کا جائز اور معلوم مقصد کے لیے وکیل مقرر کرنا خواہ آسائش کی بنا پر ہو یا عاجزی کی بنا پر وکالت کہلاتا ہے۔

۱۰۔ محمد اعلیٰ تھانوی (م ۱۱۹۱ھ) نے معلوم تصرف کے ساتھ شرعی ہونے کی شرط بھی عائد کی ہے۔

"اقامة احد غیرہ مقام نفسه فی تصرف شرعی معلوم" (۴۶)

کسی انسان کا دوسرے انسان کو شرعی امور وانی تصرف میں اپنا نائب بنانا وکالت کہلاتا ہے۔

۱۱۔ علامہ محمد بن شوکانی (م ۱۲۵۰ھ) کے نزدیک وکالت کی تعریف یہ ہے۔

"اقامة الشخص غيره مقام نفسه مطلقا او مقيدا" (۴۷)

کسی شخص کو اپنی جگہ عام طور پر یا خاص طور پر قائم مقام بنانا وکالت کہلاتا ہے۔

۱۲۔ جدید مفکر ابراهیم انیس کے نزدیک وکالت یہ ہے۔

"ان يعهد الى غيره ان يعمل له عملا" (۴۸)

کسی دوسرے سے اس طرح معاہدہ کرنا کہ وہ اس کے لیے کام کرے گا وکالت کہلاتا ہے۔

۱۳۔ عبد الرزاق احمد السنہوری نے بھی وکالت کی جدید انداز میں یہ تعریف کی ہے۔

"الوكالة عقد بمقتضاه يلتزم الوكيل بان يقوم بعمل قانوني لحساب الموكل" (۴۹)

وکالت وہ معاہدہ ہے جسے موکل کے حساب کے مطابق قانونی طریقے سے وکیل کو پورا کرنا ضروری ہو۔

۱۴۔ علامہ عبد الرحمٰن الجزیری (م ۱۹۴۱ء) نے مالکیوں کے نزدیک وکالت کی یہ تعریف بیان کی ہے۔

"الوكالة هى ان ينيب (يقيم) شخص غيره فى حق له يتصرف فيه كتصرف بدون ان يقيد الانابة مما بعد الموت (۵۰)

ایک شخص کا دوسرے شخص کو اپنا حق استعمال کرنے کے بارے میں اپنا نائب یا قائم مقام بنانا اور اس میں اس دوسرے شخص کا حق تصرف اس شخص کے حق تصرف کے برابر ہونا لیکن یہ قائم مقامی ایسے امور کی بابت نہ ہو جن کا تعلق اس کی وفات کے بعد سے ہو۔

۱۵۔ ڈاکٹر وھبہ الزحیلی نے فقہاء احناف کی تعریفات کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"هى اقامة الشخص غيره مقام نفسه فى تصرف جائز' معلوم اوهى تفويض التصرف والحفظ الى الوكيل" (۵۱)

کسی شخص کا دوسرے شخص کو جائز اور معلوم مقصد کے لیے' حفاظت اور اختیار سونپنے کے لیے اپنا قائم مقام قرار دینا وکالت ہے۔

اسی مصنف نے مالکی' شافعی اور حنبلی فقہی مذاہب کی کتب میں موجود وکالت کی تعریفوں کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"هو تفويض شخص ماله فعله ما يقبل النيابة الى غيره ليفعله فى حياته و ضابط مايقبل النيابة"(۵۲)

کسی شخص کو جو کسی کی نیابت کو قبول کرے اپنا قابل نیابت مال یا معاملہ سپرد کرنا تاکہ وہ اس کی زندگی میں اس کی رضامندی کے مطابق کام کرے وکالت کہلاتا ہے۔

ان تمام تعریفات کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام میں وکالت سے مراد وہ معاہدہ ہے جس میں ایک اہل شخص دوسرے اہل شخص کو یا ایک اہل فریق دوسرے اہل فریق کو حفاظت و اختیار سونپنے کے لیے معلوم، جائز اور قابل نیابت امر کو اپنی عاجزی یا آسائش کے پیش نظر عمومی یا خصوصی طور پر اپنی زندگی میں قائم مقام قرار دیتا ہے۔

وکالت کا قرآن اور حدیث سے مفہوم

وکالت کا قرآن سے مفہوم

وکل کے مادے سے قرآن مجید میں تیرہ مختلف الفاظ ستر مرتبہ استعمال ہوئے ہیں۔

۱۔ وکل۔ (سپرد کیا گیا)۔ ایک بار۔ ماضی مجہول از باب تفعیل(۵۳)

۲۔ وکلنا۔ (ہم نے سپرد کیا)۔ ایک بار۔ جمع متکلم از باب تفعیل(۵۴)

۳۔ توکل۔ (اس نے اعتماد کیا) نو بار۔ ماضی معلوم از باب تفعل(۵۵)

۴۔ توکلوا۔ (انہوں نے بھروسہ کیا) دو بار۔ ماضی معلوم از باب تفعل(۵۶)

۵۔ توکلت۔ (میں نے بھروسہ کیا) سات بار۔ واحد متکلم از باب تفعل(۵۷)

۶۔ توکلنا۔ (ہم نے بھروسہ کیا) چار بار۔ جمع متکلم از باب تفعل(۵۸)

۷۔ یتوکل۔ (وہ بھروسہ کرتا ہے) بارہ بار۔ مضارع معلوم از باب تفعل(۵۹)

۸۔ یتوکلون۔ (وہ بھروسہ کرتے ہیں) پانچ بار۔ جمع مذکر غائب از باب تفعل(۶۰)

۹۔ نتوکل۔ (ہم بھروسہ کرتے ہیں) ایک بار۔ جمع متکلم از باب تفعل(۶۱)

۱۰۔ وکیل۔ (کفیل و ضامن) گیارہ بار۔ مصدر از باب تفعل(۶۲)

۱۱۔ وکیلا۔ (کفیل و ضامن) تیرہ بار۔ مصدر از باب تفعل(۶۳)

۱۲۔ متوکلون۔ (بھروسہ کرنے والے) تین بار اسم فاعل(۶۴)

۱۳۔ متوکلین(بھروسہ کرنے والے) ایک بار اسم فاعل(۶۵)

قرآن مجید میں وکل سے مشتق یہ الفاظ اپنے لغوی مفہوم کے ساتھ ساتھ ان معانی میں استعمال ہوئے ہیں۔

۱۔ مانع: (روکنے والا و دفاع کرنے والا)

سورۃ نساء میں ارشاد ہوتا ہے:

"فمن یجادل اللہ عنهم یوم القیمة ام من یکون علیهم وکیلا"(۶۶) پس قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے ان کی طرف سے کون جواب دہی کرے گا یا وہ کون شخص ہو گا جو ان کا کام بنانے والا ہو گا۔

علامہ فخرالدین رازی (م ۶۰۶ھ) نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"من الذی یکون محافظا و محامیا من عذاب اللّٰہ"(۶۷) ان کی حفاظت کرنے والا اور ان کو اللہ کے عذاب سے روکنے والا کون ہے۔

اس آیت میں "وکیلا" کا لفظ مانع اور محافظ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

۲۔ رب: (پالنے والا)

قرآن مجید میں وکیل کا لفظ رب اور مالک کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ سورۃ انعام میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وھو علی کل شئی وکیل"(۶۸) اور وہ (اللہ) ہر چیز پر نگہبان ہے۔

مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ (م ۶۸ھ) نے وکیل کا معنی بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"کفیل بارزاقھم"(۶۹) یعنی ان کے رزق کا ضامن اللہ تعالیٰ ہے۔

اس طرح سورۃ مزمل میں ہے۔ **"لا الٰہ الا ھو فاتخذہ وکیلا"**(۷۰)

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں پس اسی کو اپنا رب قرار دو۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔

"فاعبدہ ربا"(۷۱) یعنی اپنے رب کی عبادت کرو۔

مسیطر: (مسلط)

وکیل کا لفظ قرآن مجید میں مسلط کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

"وما جعلنک علیھم حفیظا و ما انت علیھم بوکیل"(۷۲)

اور ہم نے آپ کو ان پر نگہبان نہیں بنایا اور نہ ہی آپ ان پر (اسلام قبول کرانے کے لیے) مسلط ہیں۔

تفسیر خازن میں یہاں وکیل کا معنی یہ بیان کیا گیا ہے۔

"وما انت علیھم بمسیطر"(۷۳) یعنی قبولیت اسلام کے لیے آپ ان پر مسلط نہیں کیے گئے۔

سورۃ الزمر میں بھی لفظ وکیل مسلط کے معنی میں اس طرح استعمال کیا گیا۔

"ومن ضل فانما یضل علیھا وما انت علیھم بوکیل"(۷۴)

اور جو گمراہ ہوا وہ خود کو گمراہ کرنے کے لیے گمراہ ہوا اور آپ ان (کفار) کے ذمہ دار نہیں

ہیں۔

قاضی بیضاوی نے یہاں وکیل کا معنی یہ کیا ہے کہ آپ کو ہدایت پر جبر کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا۔(۷۵)

۴۔ شہید: (گواہ)

عیسائیوں کو دین میں غلو کرنے کی ممانعت اور عقیدہ تثلیث سے روکنے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صفات بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"سبحنه ان یکون له ولد له ما فی السموت وما فی الارض وکفی باللّٰه وکیلا"(۷۶)

اللہ تعالیٰ پاک ہے اس بات سے کہ اس کا کوئی لڑکا ہو۔ اس کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ تعالیٰ گواہ کافی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہاں وکیل کا معنی شہید یعنی گواہ بیان کیا ہے۔(۷۷)

اس طرح سورۃ ہود میں فرمان خداوندی ہے۔

فلعلک تارک بعض مایوحی الیک وضائق به صدرک ان یقولوا لولا انزل علیه کنز اوجاء معه ملک انما انت نذیر واللّٰه علی کل شئی وکیل"(۷۸)

پس کیا یہ ہو سکتا ہے کہ آپ کی طرف جو وحی کی جاتی ہے اس کا کچھ حصہ چھوڑ دیں اور اس کے ساتھ آپ کا سینہ تنگ ہو جائے۔ اس طرح کفار یہ کہیں گے کہ کیوں نہ اس پر خزانہ اتارا گیا یا کیوں نہ اس کے ساتھ کوئی فرشتہ آیا آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا نگہبان ہے۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ محمد بن احمد القرطبی (م ۶۷۱ھ) نے وکیل کا معنی یہ بیان کیا ہے۔

"ای حافظ و شهید"(۷۹) یعنی وہ ہر چیز کا محافظ اور گواہ ہے۔

۵۔ حافظ: (محافظ)

سورۃ فرقان کی اس آیت میں لفظ وکیل حافظ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

"ارایت من اتخذ الٰهه هواه افانت تکون علیه وکیلا"(۸۰)

کیا آپ نے دیکھا اس (احمق) کو جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا بنایا کیا آپ اس کے محافظ (ذمہ دار) ہیں۔

علامہ بیضاوی (م ۶۹۱ھ) فرماتے ہیں کہ یہاں وکیل کا معنی ہے۔

"حفیظا تمنعه عن الشرک والمعاصی" (۸۱) یعنی محافظ' شرک اور گناہ سے روکنے والا۔

سورۃ انعام میں اللہ تعالٰی ارشاد فرماتا ہے:

"وکذب به قومک وهو الحق قل لست علیکم بوکیل" (۸۲)

اور آپ کی قوم نے ہی اسے جھٹلایا حالانکہ یہ حق ہے فرمایئے کہ میں تمہارا محافظ نہیں ہوں۔

علامہ عبداللہ نسفی (م ۷۱۰ھ) نے تفسیر نسفی المعروف تفسیر مدارک میں یہاں وکیل کا معنی " حفیظ " (۸۳) یعنی حفاظت کرنے والا تحریر کیا ہے۔

۶۔ رقیب: (نگہبان)

علامہ محمود بن عمر الزمخشری (م ۵۲۸ھ) نے سورۃ یوسف کی اس آیت میں وکیل کا معنی رقیب یعنی نگہبان بیان کیا ہے۔(۸۴)

"فلما اتوه موثقهم قال الله علی ما نقول وکیل" (۸۵)

پس جب وہ اپنے پاس اپنا پختہ وعدہ لے آئے تو آپ نے فرمایا کہ ہم جو گفتگو کر رہے ہیں اس پر اللہ نگہبان ہے۔

۷۔ کفیل: (ضامن)

قرآن مجید میں وکیل کا لفظ کفیل کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

"فمن اهتدی فانما یهتدی لنفسه ومن ضل فانما یضل علیها وما انا علیکم بوکیل"
(۸۶)

پس جو کوئی شخص ہدایت قبول کرتا ہے وہ اپنے فائدے کے لیے ہدایت قبول کرتا ہے۔ اور جو گمراہ ہوتا ہے تو وہ اپنی تباہی کے لیے گمراہ ہوتا ہے اور آپ ان پر (ایمان قبول کرنے کے لیے) کفیل یعنی ضامن نہیں ہیں۔

صاحب تفسیر ابن عباسؓ اور علامہ امین الدین شافعی (م ۸۹۴ھ) نے یہاں وکیل کا معنی کفیل بیان کیا ہے۔(۸۷)

۸۔ محامی: (بچانے والا)

سورۃ بنی اسرائیل میں لفظ وکیل محامی کے معنی میں اس طرح استعمال ہوا ہے۔

"افا منتم ان یخسف بکم جانب البر اویرسل علیکم حاصبا ثم لاتجدوا لکم وکیلا"

(۸۸)

کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ خشکی کے کنارے کو دھنسا دے یا تم پر اولے برسانے والا بھیج دے پھر تم اس وقت کوئی بچانے والا نہ پاؤ گے۔

علامہ سید امین الدین نے یہاں وکیلا کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

"یحمیکم من العذاب"(۸۹) یعنی (قیامت کے دن) عذاب سے بچانے والا کون ہو گا۔

۹۔ متصرف: (مالک)

سورۃ الزمر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ **"اللہ خالق کل شئی و ھو علی کل شئی وکیل"** (۹۰) اللہ تعالیٰ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز کا مالک ہے۔

اس آیت میں لفظ وکیل کا معنی علامہ امین الدین نے لکھا ہے: **"فھو المتصرف فیہ"**(۹۱) یعنی وہ ہر چیز میں ملکیت رکھنے والا ہے۔

۱۰۔ ارسال: (بھیجنا)

قرآن مجید میں وکالت ہی کے مادہ سے لفظ "وکل" ارسل کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ سورۃ السجدہ میں ہے۔

"قل یتوفکم ملک الموت الذی وکل بکم ثم الی ربکم ترجعون"(۹۲)

فرما دیجئے تمہاری روح وہ موت کا فرشتہ قبض کرے گا جو تم پر مقرر کر دیا گیا ہے پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔(۹۳)

۱۱۔ اعتماد وثوق:

قرآن مجید میں وکل کے مادہ سے یتوکل کا لفظ اپنے حقیقی معنی میں بھی استعمال کیا گیا ہے۔ سورۃ الطلاق میں ہے۔

"ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ"(۹۴) اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر اعتماد و بھروسہ کرتا ہے تو اس کے لیے وہ کافی ہے۔

اس آیت میں لفظ توکل اعتماد اور وثوق کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔(۹۵)

۱۲۔ تفویض و تسلیم:

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔ **"وسع ربنا کل شئی علما علی اللہ توکلنا"**(۹۶)

[illegible]

ہیں۔

ان آیات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں وکل کے مادے سے مشتق مختلف الفاظ مانع' پالنے والا مسلط' گواہ' محافظ' نگہبان' ضامن' بچانے والا' مالک' بھیجنا' اعتماد و وثوق اور تفویض و تسلیم کے معانی میں استعمال ہوئے ہیں۔

وکالت کا حدیث سے مفہوم

قرآن حکیم کے علاوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں بھی لفظ وکالت' وکیل اور اس مادے کے دیگر الفاظ بکثرت استعمال ہوئے ہیں امام بخاری (م ۲۵۶ھ)' امام ابوداود (م ۲۷۵ھ)' امام دار قطنی (م ۳۸۵ھ)' امام بیہقی (م ۴۵۸ھ)' امام بغوی (م ۵۱۶ھ) اور مولانا ظفر احمد تھانوی (م ۱۳۲۹ھ) نے اپنے اپنے مجموعہ حدیث میں وکالت کے ابواب قائم کیے ہیں۔

کتب احادیث میں وکل سے مشتق الفاظ ان معانی میں استعمال ہوئے ہیں۔

۱۔ تفویض: (سونپنا)

صحیح بخاری میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا منقول ہے۔

"اللھم لک اسلمت وبک امنت وعلیک توکلت والیک انبت"(۹۷)

اے اللہ میں تیرے لیے اسلام لایا' تجھ پر ایمان لایا اور اپنا کام تجھے تفویض کیا اور تیری ہی طرف رجوع کیا۔

علامہ بدرالدین عینی (م ۸۵۵ھ) نے عمدۃ القاری میں "توکلت" کا معنی "فوضت امری الیک"(۹۸) یعنی میں نے اپنا معاملہ تجھے سونپا تحریر کیا ہے۔

علامہ شہاب الدین احمد قسطلانی (م ۹۲۳ھ) نے بھی یہی ترجمہ کیا ہے(۹۹)

۲۔ استسلام: (سپرد کرنا)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ میں وکل کا لفظ سپرد کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوا۔ چنانچہ جامع ترمذی میں حضرت ابوھریرۃؓ سے روایت ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز جہنم کے لیے دیکھنے کو دو آنکھیں' سننے کو دو کان اور بولنے کے لیے ایک زبان ہوگی اور یہ کہے گی۔

"انی وکلت بثلاثۃ لکل جبار عنید وبکل من دعا مع اللہ الھا آخر وبالمصورین"(۱۰۰)

میں تین اشخاص کے سپرد کی گئی ہوں اول ہر جبار و سرکش کے لیے دوم۔ ہر وہ شخص جس نے اللہ تعالٰی کے ساتھ کسی معبود کو پکارا۔ سوم۔ مصوروں کے لیے

تحفۃ الاحوذی میں "وکلت" کا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان تینوں (جابر، مشرک اور مصور) کو مجھے سپرد کیا ہے تاکہ میں انہیں جہنم میں داخل کر دوں اور انہیں عذاب دوں۔

اسی طرح ایک اور روایت میں ہے جس میں حضرت فضل بن عباسؓ اور حضرت عبدالمطلب بن ربیعہؓ نے خود کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور عامل زکاۃ مقرر کرنے کی پیش کش کی۔

"فاخذ باذنی واذن الفضل ثم قال اخرجا ماتصرران ثم دخل فاذن لی وللفضل فدخلنا فتواکلنا الکلام"(۱۰۲)

یعنی آپ نے میرا اور فضل کا (پیار سے) کان پکڑا اس کے بعد فرمایا جو تمہارے دل میں ہے کہو اس کے بعد آپ گھر تشریف لے گئے اور ہمیں اندر آنے کی اجازت دی۔ ہم اندر آ گئے اور ہم میں سے ہر ایک نے دوسرے کو کہنے کے لیے کہا۔

اس حدیث میں مذکور لفظ "تواکلنا" کا معنی علامہ زمخشری (م ۵۲۸ھ) اور علامہ ابن اثیر (م ۶۰۶ھ) نے یہ بیان کیا ہے۔

"ان یکل کل واحد امرہ الی صاحبہ ویتکل علیہ فیہ"(۱۰۳)

یعنی ایک آدمی کا اپنا معاملہ اپنے ساتھی کے سپرد کرنا "تواکلا" کہلاتا ہے۔

۳۔ کفالت: (ضمانت)

احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں وکل کا لفظ کفالت اور ضمانت کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ سنن ابی داود کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"فان اللّٰہ توکل لی بالشام واھلہ"(۱۰۴) پس بے شک اللہ تعالیٰ نے ملک شام اور شہریان شام کو میری ذمہ داری میں کر دیا۔

صاحب عون المعبود نے یہاں توکل کا معنی **"تکفل وتضمن"** بیان کیا ہے۔(۱۰۵)

صحیح بخاری میں بھی ایک روایت ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"توکل اللّٰہ للمجاہد فی سبیلہ بان یتوفاہ ان یدخلہ الجنۃ او یرجعہ سالما مع اجر و غنیمۃ"(۱۰۶)

اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں جہاد کرنے والے کی یہ ذمہ داری لی ہے کہ اگر اسے موت دے گا تو

وہ اسے جنت میں داخل کرے گا یا اسے ثواب اور مال غنیمت کے ساتھ زندہ لوٹائے گا۔

یہاں پر بھی "توکل اللہ" کا معنی امام قسطلانی نے "**تکفل اللہ**" کیا ہے۔(۱۰۷) یعنی مجاہد کی کفالت اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔

۴۔ تقرر: (ارسال کرنا و مقرر کرنا)

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"ان اللّٰہ تبارک و تعالیٰ وکل بالرحم ملکا یقول یارب نطفة یارب علقة"(۱۰۸)

بے شک اللہ تعالیٰ نے عورت کے رحم پر ایک فرشتہ مقرر کیا ہے جو کہتا ہے۔ اے میرے پروردگار یہ نطفہ ہے اے میرے پروردگار اب یہ جما ہوا خون ہو گیا۔

اس حدیث میں مذکورہ لفظ "وکل" کے متعلق علامہ عینی (م ۸۵۵ھ) فرماتے ہیں۔

"ان بعثه الیه عند وقوع النطفة فی الرحم"(۱۰۹)

شکم مادر میں جب نطفہ قرار پاتا ہے تو اس کی طرف اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ رحم میں بھیجتا ہے۔

۵۔ وکیل: (نائب)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض احادیث میں لفظ وکیل "نائب" کے معنی میں بھی استعمال فرمایا ہے۔ سنن ابی داود میں ایک روایت ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے یہ الفاظ اس وقت فرمائے جب آپ خیبر جانے کے لیے تیار تھے۔

"اذا اتیت وکیلی فخذ منه خمسة عشر وسقا"(۱۱۰)

جب تم میرے وکیل (نائب) کے پاس پہنچو تو اس سے پندرہ وسق(۱۱۱) کھجوریں لے لینا

بہرحال احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں وکل سے بننے والے الفاظ تفویض، سپرد کرنا ضمانت، ارسال کرنا، مقرر کرنا اور نائب کے معانی میں استعمال ہوئے ہیں۔

فصل سوم

قبل از اسلام وکالت

وکالت اور اس کے تفصیلی احکام اگرچہ اسلام میں پہلی مرتبہ وضع کیے گئے لیکن بعض روایات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلام سے قبل بھی وکالت کا تصور کسی نہ کسی صورت میں موجود تھا چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"**من استطاع منكم ان يكون مثل صاحب فرق الارز فليكن مثله**"(۱۱۲) تم میں سے جو شخص صاحب فرق الارز (چاول چھانٹنے والا) جیسا ہو سکتا ہے اسے ہونا چاہیے۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ یہ چاول چھانٹنے والا کون ہے اس پر آپ نے حدیث غار(۱۱۳) کا ذکر کر کے فرمایا کہ ان میں سے ہر شخص نے غار کا منہ کھل جانے کے لیے کہا کہ اپنے اپنے نیک اعمال کا ذکر کرو اس پر تیسرے شخص نے کہا اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں نے ایک بار چاول چھانٹنے کے لیے ایک مزدور اجرت پر رکھا جب شام ہو گئی تو میں نے اسے مزدوری دینا چاہی مگر اس نے لینے سے انکار کر دیا اور وہ چلا گیا پھر میں نے اس سرمائے کو تجارت میں لگا دیا اور منافع سے گائیں اور ان کے چرانے والے خریدے پھر وہ کافی عرصہ بعد ملا اور مجھ سے کہا:

"**اعطني حقي فقلت اذهب الى تلك البقر ورعاءها فخذها فذهب**"

میرا حق مجھے دو میں نے کہا یہ گائیں اور ان کے چرواہے لے جاؤ اس پر وہ انہیں لے کر چلا گیا۔

اس روایت میں تجارت کے لیے جس وکیل کا ذکر ہے اگرچہ اس کا تقرر باقاعدہ نہیں ہوا البتہ صاحب الارز یعنی چاول چھانٹنے والے نے بطور وکیل ہی اس سے تجارتی فوائد حاصل کیے۔ یہی وجہ ہے کہ اس مزدور کی واپسی پر اس نے تمام اس کے سپرد کر دیا۔

ایک اور روایت جس میں وکالت کا ذکر ملتا ہے یہ ہے۔ ۲۴۸ء کے اواخر میں جب بت پرست بادشاہ دقیانوس روم کے تخت پر متمکن ہوا تو اس نے ایک قانون کے ذریعہ مسیحی دین پر پابندی لگا دی

(Decius) کہتے ہیں) کا گذر ایشیا کوچک کی بستی فیسس (Ephesus) پر ہوا یہ وہ جگہ ہے جہاں ڈائنا دیوی کا مندر تھا اور جس کی پوجا بڑی دھوم دھام سے ہوتی تھی۔ یہاں جب دقیانوس نے عیسائیوں کی پکڑ دھکڑ شروع کی تو چند نوجوان جن کی تعداد تقریباً" سات تھی۔ اپنی دولت ایمان بچانے کے لیے وہاں سے چل نکلے اور قریب ہی ایک پہاڑ کی وسیع غار میں چھپ گئے اللہ تعالیٰ نے ان پر طویل نیند مسلط کر دی۔

تقریباً" تین سو سال کے بعد ان کی آنکھیں کھلیں تو انہوں نے اپنے ایک ساتھی جس کا نام یملیخاہ(۱۱۴) بتایا جاتا ہے کو بستی کی طرف بھیجا تاکہ ان کے لیے کھانا خرید لائے۔(۱۱۵)

اس واقعہ میں چھ نوجوانوں کا یملیخاہ کو کھانا خریدنے کے لیے بھیجنا توکیل شراء ہی کی صورت میں تھا۔(۱۱۶)

قبل از اسلام وکالت کی ترویج کا ذکر کعبہ معظمہ کی تعمیر سے بھی ہوتا ہے۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پندرہ برس تھی اور خانہ کعبہ کی تعمیر نو کے وقت قریش مکہ کے مابین حجر اسود کی تنصیب کے معاملہ میں معرکہ آرائی کی کیفیت پیدا ہونے لگی تو ابوامیہ بن مغیرہ مخزومی(۱۱۷) نے یہ رائے دی کہ کل صبح جو شخص اس مسجد کے باب بنی شیبہ(۱۱۸) سے حرم میں داخل ہو وہ ثالث قرار دیا جائے۔ سب نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ دوسرے روز سب سے پہلے اس دروازے سے داخل ہونے والے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے۔ آپ کو دیکھ کر تمام سردار ان قریش نے آپ کے فیصلے کو قبول کرنے پر آمادگی ظاہر کی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وکالت ہی کے تصور سے اس مسئلہ کا حل پیش کیا۔ جس کی صورت یہ تھی کہ آپ نے حجر اسود کو ایک چادر میں ڈالنے کا حکم فرمایا اور تمام روساء قریش سے فرمایا کہ وہ اسے چاروں کونوں سے پکڑ کر اٹھائیں۔ جب حجر اسود مقام تنصیب تک پہنچا تو آپ نے تمام زعماء قریش کی اجازت سے اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اس کے مقام پر نصب فرمایا۔(۱۱۹)

یہاں پر بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش و روساء مکہ کی وکالت یعنی نیابت اور نمائندگی کرتے ہوئے حجر اسود کو اس کی جگہ پر نصب فرمایا جس سے نہ صرف ایک بہت بڑا خطرہ ٹل گیا بلکہ تمام قریشی سرداروں نے حجر اسود کی تنصیب میں خود کو حصہ دار تصور کیا۔

مصری محقق محمد حسین ہیکل حیات محمد میں لکھتے ہیں۔

[illegible]
سوداگری کے لیے باہر کے ملکوں میں بھجواتیں۔ آپ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بطور وکیل تجارت شام کی طرف بھیجا۔ اس سفر میں آپ کے ہمراہ آپ کے چچا ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کا غلام میسرہ تھا۔ اس سفر تجارت میں مالی منفعت اس قدر زیادہ ہوئی کہ بی بی خدیجہؓ کے سابقہ اور اس سال کے وکلاء تجارت میں کسی نے اس قدر نفع نہیں کمایا۔(۱۲۰)

ان روایات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے بھی وکالت کا تصور کسی نہ کسی صورت میں موجود اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور وکیل تجارت کے خود بھی کام کیا۔

فصل چہارم

قرآن مجید' احادیث نبوی و آثار صحابہ سے وکالت کی مشروعیت

قرآن مجید اور وکالت

قرآن مجید اسلامی شریعت میں اول ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔ قرآن مجید کی جامعیت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"ما فرطنا فی الکتاب من شیء" (۱۲۱)

ہم نے کتاب (قرآن مجید) میں بیان کرنے سے کوئی چیز نہیں چھوڑی۔

ایک اور مقام پر فرمایا گیا۔

"نزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شئی" (۱۲۲)

ہم نے آپ پر وہ کتاب اتاری ہے جس میں ہر چیز کا تفصیلی بیان ہے۔

قرآن مجید کی اس جامعیت کے پیش نظر مفسرین کرام نے متعدد آیات مقدسہ سے وکالت کی مشروعیت کو ثابت کیا ہے۔

وہ آیات جو وکالت کی مشروعیت کے لیے پیش کی جاتی ہیں یہ ہیں۔

۱۔ **وان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکما من اھلہ و حکما من اھلھا ان یرید اصلاحا یوفق اللہ بینھما ان اللہ کان علیما خبیرا (۱۲۳)**

اگر تمہیں میاں بیوی کے درمیان مخالفت کا خوف ہو تو ایک منصف یا وکیل مرد کے خاندان کی طرف سے اور دوسرا منصف یا وکیل عورت کے خاندان کی طرف سے مقرر کرو اگر وہ صلح کرنا چاہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے درمیان موافقت پیدا کرے گا بے شک اللہ تعالیٰ علم رکھنے اور خبر رکھنے والا ہے۔

اس آیت میں میاں بیوی کی جانب سے حکم مقرر کرنے کا جو ذکر ہے اس کے متعلق مفسرین کرام کے دو قول ہیں۔

دوسرے قول کے مطابق حکم کا معنی وکیل ہے۔

امام ابوبکر جصاص (م ۳۷۰ھ) نے اس آیت کی تفسیر میں حکم کا معنی وکیل کیا ہے۔(۱۲۵)

امام قرطبی (م ۶۷۱ھ) نے بھی "حکما من اهله وحکما من اهلها" کا ترجمہ "یعنی دو وکیل کیا ہے"(۱۲۶)

امام سبکی نے اس آیت کو وکالت کی مشروعیت کے ضمن میں پیش کیا ہے۔(۱۲۷)

۲۔ دوسری آیت جس سے وکالت کی مشروعیت ملتی ہے یہ ہے:

"قل یاایها الناس انی رسول اللّٰه الیکم جمیعا"(۱۲۸)

اے پیارے رسول کہہ دیجئے۔ بے شک میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

اس آیت کے ضمن میں علامہ ابوبکر محمد بن ابن العربی (م ۵۴۳ھ) نے لکھا۔

"انها نیابة عن اللّٰه تعالیٰ ووکالة فی تبلیغ رسالته"(۱۲۹)

اس آیت سے نیابت الہی اور تبلیغ رسالت میں وکالت کا اثبات ہوتا ہے۔

۳۔ وکالت کی مشروعیت کے لیے تیسری آیت یہ پیش کی جاتی ہے۔

"انما الصدقات للفقرا والمساکین والعاملین علیها و المؤلفة قلوبهم و فی الرقاب والغارمین و فی سبیل اللّٰه وابن السبیل فریضة من اللّٰه واللّٰه علیم حکیم"(۱۳۰)

(ترجمہ) بے شک صدقات (زکوۃ) غریبوں، محتاجوں، صدقات پر متعین کارکنوں، نومسلموں کی دلجوئی، غلاموں کو آزاد کرنے، قرضداروں کے قرضہ، فی سبیل اللہ (جہاد و رفاہ عامہ کے کام) اور مسافروں کے لیے ہیں یہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے اور اللہ تعالیٰ علم والا اور حکمت والا ہے۔

ان مصارف زکوۃ میں سے عاملین بطور نائب اور وکیل کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر وهبة الزحیلی نے لکھا ہے۔

"الذین یبعثهم الامام لتحصیل الزکاة بالتوکیل علی ذلک"(۱۳۱)

وہ لوگ جنہیں حاکم وقت وصولی زکوۃ کے لیے بھیجتا ہے وہ وکالتاً زکاۃ وصول کرتے ہیں کیونکہ وہ خود زکاۃ لینے کے مستحق نہیں ہوتے۔

ابن قدامہ نے بھی اس آیت کو وکالت کی مشروعیت کی ضمن میں پیش کیا ہے۔(۱۳۲)

۴۔ سورۃ یوسف میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ قول نقل فرمایا ہے۔

قال اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم (۱۳۳)

(ترجمہ) آپ نے کہا کہ مجھے ملکی خزانوں پر مامور کر دو میں ان کی حفاظت کروں گا اور بے شک میں علم بھی رکھتا ہوں۔

علامہ محمد بن علی شوکانی فرماتے ہیں کہ اس آیت سے وکالت کے جواز پر استدلال کیا جاتا ہے۔(۱۳۴)

فقہ السنہ میں ہے کہ اس آیت سے وکالت کا جواز ملتا ہے۔(۱۳۵)

۵۔ اسی سورت میں دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ ارشاد بیان فرمایا ہے۔

"اذھبوا بقمیصی ھذا فالقوہ علی وجہ ابی یات بصیرا واتونی باھلکم اجمعین"(۱۳۶)

(ترجمہ) آپ نے فرمایا تم میری قمیض لے جاؤ اور اس کو میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو اس سے ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی اور باقی تمام گھروالوں کو بھی میرے پاس لے آؤ۔

اس آیت میں حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنی قمیض دے کر اپنے بھائیوں کو اپنے والد گرامی کے پاس بھیجنا بھی وکالت کے جواز کو پیش کرتا ہے۔ اسی لیے علامہ ابوبکر ابن العربی اور ڈاکٹر وھبہ الزحیلی نے اس آیت کو بھی جواز وکالت کی دلیل ٹھہرایا ہے اور اس ضمن میں متعدد دیگر مسائل وکالت بیان کیے ہیں۔(۱۳۷)

۶۔ چھٹی آیت جسے تمام فقہاء نے جواز وکالت کے لیے اساس قرار دیا ہے یہ ہے۔

"قالوا ربکم اعلم بما لبثتم فابعثوا احدکم بورقکم ھذہ الی المدینۃ فلینظر ایھا ازکی طعاما فالیاء تکم برزق منہ ولیتلطف ولا یشعرن بکم احدا"(۱۳۸)

(ترجمہ) انہوں نے کہا یہ تمہارے رب کو ہی خبر ہے کہ تم کس قدر (اس حالت میں) رہے ہو اب ان میں سے کسی کو یہ روپیہ دے کر شہر کی طرف بھیجو پھر وہ شخص تحقیق کرے کہ کون سا کھانا حلال ہے سو اس میں تمہارے لیے کچھ کھانا لے آئے اور تمام کام خوش تدبیری سے کرے اور کسی ایک کو تمہاری خبر نہ ہونے دے۔

اس آیت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اصحاب کہف نے اپنا ایک وکیل مختار کھانے کی خریداری کے لیے بھیجا جسے تمام ساتھیوں کی طرف سے ان کی رقم سے کھانا خرید کرلانے کا کام سونپا گیا۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابوبکر محمد بن ابن العربی فرماتے ہیں۔

جواز المؤمنين فى المعذر (۱۳۹) اس آیت سے [illegible] کا جواز ملتا ہے۔

علامہ ابوبکر جصاص فرماتے ہیں۔

"فی هذه الاية دلالة على جواز الوكالة بالشرى لان الذى بعثوا به كان وكيلا لهم"

(۱۴۰)

یہ آیت وکالت بیع کے جواز پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اصحاب کہف نے اپنے ساتھی کو بطور وکیل ہی خریداری کے لیے شہر بھیجا تھا۔

ڈاکٹر وھبہ الزحیلی نے بھی لکھا ہے۔

"هذه الاية على مشروعية الوكالة"(۱۴۱)

اس آیت سے وکالت کی مشروعیت اور جواز کا اثبات ہوتا ہے۔

۷۔ ساتویں آیت جس سے فقہاء وکرام وکالت کا جواز پیش کرتے ہیں یہ ہے

"قل يتوفكم ملك الموت الذى وكل بكم ثم الى ربكم ترجعون"(۱۴۲)

(ترجمہ) کہہ دیجئے ملک الموت تمہیں فوت کرے گا جو تمہارے لیے مقرر کیا گیا۔ پھر تمہیں اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے۔

اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے علامہ قرطبی نے لکھا ہے۔

"استدل بهذه الاية بعض العلماء على جواز الوكالة من قوله وكل بكم"(۱۴۳)

"وکل بکم" کے الفاظ سے بعض علماء جواز وکالت کا استدلال پیش کرتے ہیں۔

۸۔ آٹھویں آیت جس کے مفہوم مخالف سے وکالت کا جواز پیش کیا جاتا ہے یہ ہے۔

"ولاتكن للخائنين خصيما"(۱۴۴)

(ترجمہ) خیانت کرنے والوں کی طرف سے نہ جھگڑیے۔

جسٹس تنزیل الرحمٰن نے اس آیت کا مفہوم مخالف لیتے ہوئے لکھا ہے کہ دیانتدار اور سچے لوگوں کی وکالت کی ممانعت نہیں ہے۔ لہٰذا وکالت شرعاً ناجائز نہیں بلکہ کسی حد تک مظلوم کی اعانت و امداد ہے۔(۱۴۵)

۹۔ ولاتجادل عن الذين يختانون انفسهم ان الله لا يحب من كان خوانا اثيما۔ يستخفون من الناس ولايستخفون من الله وهو معهم اذ يبيتون ما لا يرضى من القول وكان الله بما يعملون محيطا۔ ها انتم هولاء جادلتم عنهم فى الحياة الدنيا فمن يجادل الله عنهم يوم القيمة ام من

یکون علیهم وکیلا۔(١٣٦)

اور آپ ان لوگوں کی طرف سے کوئی جوابدہی کی بات نہ کیجئے جو اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں بے شک اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والے اور بڑا گناہ کرنے والے سے محبت نہیں کرتا۔ جن لوگوں کی یہ کیفیت ہے کہ آدمیوں سے تو چھپاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے نہیں شرماتے حالانکہ وہ اس وقت ان کے پاس ہے جب کہ وہ اللہ کی مرضی کے خلاف گفتگو کے متعلق تدبیریں کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سب کے اعمال کو اپنے احاطہ میں لیے ہوئے ہے۔ ہاں تم ایسے ہو کہ تم نے دنیوی زندگی میں تو ان کی طرف سے جوابدہی کی باتیں کرلیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے روبرو قیامت کے دن ان کی طرف سے کون جوابدہی کرے گا یا ان کا کام بنانے والا کون ہوگا۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں۔ **فی هذا دلیل علی ان النیابة علی المبطل والمتهم فی الخصومة لاتجوز فلایجوز لاحدان یخاصم عن احدالا بعدان یعلم انه محق(١٣٧)**

ان آیات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وکالت باطل اور جھوٹ سے متہم معاملات میں جائز نہیں اور کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے فریق کی طرف سے وکالت کرے لیکن پہلے یہ یقین کرلے کہ وہ حق پر ہے۔

یہ وہ آیات ہیں جن سے فقہاء کرام نے وکالت کا جواز اور ان کی مختصر حدود کو متعین کیا ہے۔

احادیث نبوی اور وکالت

قرآن مجید کے علاوہ بہت سی احادیث میں بھی وکالت کا اثبات اور جواز ملنے کے علاوہ وکیل اور وکالت کا تصور بھی ملتا ہے۔ اسی بنا پر بعض محدثین نے اپنے مجموعہ حدیث میں کتاب الوکالتہ کے تحت کئی احادیث نقل کی ہیں۔

امام بخاری (۲۵۶ھ) نے الجامع الصحیح میں کتاب الوکالتہ کے تحت سولہ ابواب میں چھبیس احادیث روایت کی ہیں۔(۱۴۸)

امام ابوداود (م ۲۷۵ھ) نے اپنی سنن میں باب فی الوکالتہ کے تحت ایک حدیث (حدیث عروہ بن جعدؓ) نقل کی ہے۔(۱۴۹)

امام دار قطنی (م ۳۸۵ھ) نے اپنی سنن میں باب الوکالتہ کے تحت ایک حدیث (حدیث جابر بن عبداللہ) نقل کی ہے۔(۱۵۰)

امام بیہقی (م ۴۵۸ھ) نے السنن الکبری میں کتاب الوکالتہ کے ضمن میں پانچ ابواب قائم کر کے تیرہ احادیث روایت کی ہیں۔(۱۵۱)

امام حسین بن مسعود بغوی (م ۵۱۶ھ) نے شرح السنہ میں باب التوکیل کے تحت ایک حدیث (حدیث عروہؓ) بیان کی ہے۔(۱۵۲)

امام ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) نے المنتقی الاخبار میں کتاب الوکالتہ کے تحت پندرہ احادیث روایت کی ہیں۔(۱۵۳)

مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی (م ۱۳۲۹ھ) نے اعلاء السنن کے کتاب الوکالتہ میں پندرہ ابواب قائم کیے ہیں اور ان میں پینتیس احادیث و آثار نقل کی ہیں۔(۱۵۴)

امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب الوکالتہ کے تحت درج ذیل سولہ ابواب قائم کیے ہیں۔

۱۔ **وكالة الشريك الشريك فى القسمة وغيرها**

ایک حصہ دار کی دوسرے حصہ دار کی طرف سے تقسیم وغیرہ میں وکالت۔

۲۔ **اذا وكل المسلم حربيا" فى دار الحرب او دار الاسلام جاز**

اگر کوئی مسلمان دار الحرب یا دار الاسلام میں کسی حربی کافر کو اپنا وکیل بنا دے تو جائز ہے۔

۳۔ الوكالة فى الصرف والميزان

معاملات صرف (سونے چاندی اور نقدی کے باہمی تبادلے) اور وزن میں وکیل بنانا۔

۴۔ اذا ابصر الراعى او الوكيل شاة تموت اوشيئا يفسد ذبح او اصلح مايخاف عليه الفساد

اگر چرواہا یا وکیل کسی بکری کو مرتے ہوئے یا کسی شے کو خراب ہوتے ہوئے دیکھے تو وہ بکری کو ذبح کر دے یا اس شے کی اصلاح کر دے۔

۵۔ وكالة الشاهد والغائب جائزة

حاضر اور غائب شخص کی وکالت جائز ہے۔

۶۔ الوكالة فى قضاء الديون

قرضہ جات کی وصولی میں وکالت۔

۷۔ اذا وهب شيئا لوكيل اوشفيع قوم جاز

اگر کوئی شے کسی قوم کے وکیل یا سفارشی (شفیع) کو دے دی جائے تو جائز ہے۔

۸۔ اذا وكل رجل ان يعطى شيئا ولم يبين كم يعطى فاعطى مايتعارفه الناس

اگر کوئی شخص کسی کو کچھ دینے کے لیے وکیل بنائے اور یہ بیان نہ کرے کہ وہ کتنا دے پھر وہ لوگوں کے مابین متعارف مقدار میں دے دے۔

۹۔ وكالة المرأة الامام فى النكاح

کسی عورت کے نکاح کے معاملے میں امام کی وکالت۔

۱۰۔ اذا وكل رجلا فترك الوكيل شيئا فاجازه الموكل فهو جائز وان اقرضه الى اجل مسمى جاز

اگر کوئی شخص کسی کو اپنا وکیل بنائے اور وکیل کوئی شے چھوڑ دے پھر موکل اس کی اجازت دے دے تو جائز ہے اگر اس نے ایک وقت مقرر تک کسی کو قرضہ دیا تو وہ بھی جائز ہے۔

۱۱۔ اذا باع الوكيل شياء فاسدا فبيعه مردود

اگر وکیل کسی شے کو فاسد طریقے سے فروخت کر دے تو اس کی بیع رد کر دی جاتی ہے۔

۱۲۔ الوكالة فى الوقف ونفقته وان يطعم صديقاله وياكل بالمعروف

وقف اور اس کے نفقہ میں وکالت اور یہ کہ وہ اپنے دوست کو بھی کھلائے۔ اور خود بھی "معروف" طریقے پر کھائے۔

۱۳- **الوکالة فی الحدود**

حدود شرع میں وکالت۔

۱۴- **الوکالة فی البدن و تعاهدها**

قربانی کے اونٹ اور اس کے معاملے میں وکالت۔

۱۵- **اذا قال الرجل لوکیله ضعه حیث اراک اللّٰه قال الوکیل قد سمعت ماقلت**

جب کوئی شخص اپنے وکیل سے کہے۔ اس کو وہاں خرچ کر، جہاں تو مناسب سمجھے اور وکیل کہے کہ میں نے تمہاری بات سن لی۔

۱۶- **وکالة الامین فی الخزانة و نحوها۔(۱۵۵)**

خزانہ وغیرہ میں کسی امانتدار شخص کی وکالت۔

بہرحال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد ایسی احادیث ہیں جنہیں وکالت کی مشروعیت کے لیے بطور حجت پیش کیا جاتا ہے۔ چند احادیث جن سے فقہاء کرام نے جواز وکالت کا استدلال لیا ہے یہ ہیں۔

۱- سنن ابی داود اور سنن ابن ماجہ میں روایت ہے کہ حضرت عروۃ بن جعد البارقیؓ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دینار دیا اور اس کے عوض قربانی کا جانور(۱۵۶) خریدنے کا حکم دیا۔ انہوں نے اس دینار کے عوض دو بکریاں خریدیں پھر ان میں سے ایک بکری کو ایک دینار کے عوض فروخت کر دیا۔ اس کے بعد ایک بکری اور ایک دینار لے کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

"فدعا له رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم بالبرکة قال فکان لو اشتری التراب لربح فیه"(۱۵۷)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے بیع میں برکت کی دعا دی اس کے بعد اگر وہ مٹی کو بھی خریدتے تو اس میں بھی انہیں نفع ملتا۔

اس حدیث کے ضمن میں امام بغوی فرماتے ہیں۔

یہ حدیث معاملات (یعنی خرید و فروخت) میں وکالت کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔(۱۵۸)

۲- دوسری حدیث حضرت حکیم بن حزامؓ سے مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک دینار سے قربانی کا جانور خریدنے کے لیے بھیجا۔ آپ نے ایک دینار کے عوض ایک جانور خریدا پھر

اسے دو دینار میں فروخت کر دیا۔ ان میں سے ایک دینار سے قربانی کا اور جانور خریدا۔ جب آپ ایک دینار اور ایک جانور لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دینار کو صدقہ کر دیا اور حضرت حکیم بن حزامؓ کے لیے خیر و برکت کی دعا دی۔(۱۵۹)

۳۔ اس حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر اپنے وکیل کا ذکر فرمایا۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے خیبر جانے کا ارادہ کیا اور بغرض اجازت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سلام کے بعد میں نے عرض کیا کہ میں خیبر جانے کا ارادہ رکھتا ہوں یہ سن کر آپ نے فرمایا۔

"اذا اتیت وکیلی فخذ منہ خمسة عشر وسقا فان ابتغی منک ایة فضع یدک ترقوته"

(۱۶۰)

خیبر میں تم میرے وکیل سے ملو اور پندرہ وسق کھجوریں لیتے آنا اگر وہ تجھ سے نشانی مانگے تو اس کے حلق پر ہاتھ رکھ دینا۔

۴۔ چوتھی حدیث بھی اسی حدیث کی طرح ہے جسے حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت ابوہریرہؓ نے روایت کیا ہے۔ ایک شخص کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کا عامل مقرر کیا۔ ایک بار وہ آپ کے پاس عمدہ قسم کی کھجوریں لے آیا آپ نے اس سے پوچھا۔

"اکل تمر خیبر ھذا؟ فقال انا لنا خذ الصاع بالصاعین"(۱۶۱)

کیا خیبر کی تمام کھجوریں ایسی ہی ہوتی ہیں اس شخص نے جواب دیا کہ دوسری قسم کی دو صاع کھجوروں کے بدلے اس قسم کی ایک صاع اور تین صاع کھجوروں کے بدلے اس قسم کی دو صاع خریدتے ہیں آپ نے فرمایا ایسا مت کرو پہلے سب کھجوریں درہم کے عوض فروخت کرو پھر درہم سے جنیب کھجور خرید لو۔

ان احادیث سے خرید و فروخت میں وکالت کا جواز ملتا ہے۔

۵۔ پانچویں حدیث میں نفاذ حدود کی وکالت کا ذکر ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے کہ آپ کے پاس دو آدمی جھگڑتے ہوئے آئے۔ ان میں سے ایک نے کہا یا رسول اللہ ہمارے درمیان اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کیجئے۔ دوسرا جو اس سے زیادہ سمجھدار تھا اس نے بھی یہی کہا لیکن اس نے کچھ عرض کرنے کی اجازت طلب کی آپ نے فرمایا کہو تو اس نے

میرا بیٹا اس شخص کے پاس مزدور تھا اس نے اس کی بیوی کے ساتھ زنا کیا۔ میں نے سو بکریاں اور ایک لونڈی اس کی طرف سے صدقہ کیا۔ پھر میں نے اہل علم سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ میرے بیٹے کو ایک سو درے لگیں گے اور ایک سال کے لیے شہربدر کیا جائے گا اور اس کی عورت کو رجم کیا جائے گا۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق تمہارا فیصلہ کروں گا۔ اے شخص تیری لونڈی اور سو بکریاں تجھے واپس ملیں گی اور تیرے بیٹے کو سو کوڑے لگیں گے اور سال بھر کے لیے شہربدر ہو گا پھر آپ نے حضرت انیس بن ضحاکؓ سے فرمایا:

"واغد یا انیس علی امراۃ ھذا فان اعترفت فارجمھا" (۱۶۲)

اے انیس بن ضحاک تم صبح اس شخص کی بیوی کے پاس جاؤ۔ اگر وہ زنا کا اقرار کرے تو اسے سنگسار کر دو۔

چنانچہ انیسؓ اس کے پاس گئے اور اس سے پوچھا جس پر عورت نے زنا کا اقرار کیا پھر حضرت انیسؓ نے اسے سنگسار کر دیا۔

اس حدیث کی تشریح میں علامہ ظفر احمد عثمانی فرماتے ہیں۔

"فیہ الدلالۃ علی جواز توکیل الامام فی استیفاء الحدود" (۱۶۳)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حدود کے نفاذ میں امام کی وکالت جائز ہے۔

۶۔ توکیل فی النکاح کے متعلق حضرت محمد ابن سعد (م ۲۸۹ھ) روایت نقل کرتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام حبیبہ بنت ابوسفیانؓ سے نکاح کے سلسلے میں جو اپنے خاوند عبیداللہ بن جحش کے ساتھ ہجرت کر گئی تھیں۔ لیکن خاوند کے مرتد ہونے کی وجہ سے ان سے الگ ہو چکی تھیں۔ حضرت عمرو بن امیہ الضمریؓ کو پیغام نکاح دے کر نجاشی کے دربار میں بھیجا اور انہیں اپنی جانب سے وکیل مقرر فرمایا۔ اسی طرح حضرت ام حبیبہؓ نے حضرت خالد بن سعید بن العاص کو نجاشی کے پاس اپنا وکیل بنا کر بھیجا۔

اس طرح یہ نکاح ۴۰۰ درھم حق مہر میں جانبین کے مختار وکلاء کے ذریعہ طے پایا چنانچہ نجاشی نے حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کو بلا کر رسم نکاح انجام دی اور حاضرین کو اپنی جانب سے کھانا کھلایا۔ (۱۶۴)

۷۔ سنن النسائی میں روایت ہے کہ حضرت ام المومنین ام سلمہ فرماتی ہیں کہ جب میرے شوہر عبد بن الاسد (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی برہ بنت عبدالمطلب کے فرزند) کا انتقال ہوا تو عدت گزرنے کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ایک آدمی آپ کے پاس پیغام نکاح دینے آیا تو میں نے آپ کے اس پیغام کو قبول نہ کیا۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت عمر فاروقؓ نکاح کا پیغام دینے آئے تو میں نے ان سے کہا میں ایک غیرت مند اور بچوں والی عورت ہوں نیز میرے سرپرست بھی یہاں موجود نہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے میری ان باتوں کا ذکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا آپ نے فرمایا اے عمر پھر ان کے پاس جاؤ اور ان سے کہو!

آپ جو کہتی ہیں کہ میں ایک غیرت مند عورت ہوں اس کا جواب یہ ہے کہ میں اپنے اللہ سے دعا کروں گا کہ وہ تمہاری جلن باقی نہ رکھے۔ آپ جو کہتی ہیں کہ میں بچوں والی عورت ہوں تو عنقریب تو خود کفیل ہو جائے گی تیسری بات یہ کہ آپ کا سرپرست یہاں موجود نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ تیرے سرپرست خواہ غائب ہوں یا موجود وہ اس بات کو برا نہیں مانیں گے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے یہ باتیں جا کر آپ کو بتائیں آپ نے یہ سن کر اپنے بیٹے سے کہا

"قم فزوج رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فزوجہ" (۱۶۵)

اے عمرو آیئے اور میرا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیجئے پھر حضرت عمرو بن سلمہؓ نے اپنی والدہ کا نکاح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا۔

۸۔ ام المومنین حضرت میمونہؓ سے نکاح کے لیے بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو رافعؓ اور انصار میں سے ایک آدمی کو اپنا وکیل مقرر کیا۔ (۱۶۶)

۹۔ انعقاد نکاح ہی کی وکالت کے ضمن میں صحیح بخاری میں ایک روایت ہے۔

حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ ایک عورت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میں اپنی ذات کو آپ کے لیے ھبہ کرتی ہوں آپ جیسے چاہیں کریں تو ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ اس کا نکاح میرے ساتھ کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا۔

"قد زوجنکھا بما معک من القرآن" (۱۶۷)

میں نے اس کا نکاح اس کے بدلے جو تیرے پاس کچھ قرآن ہے تو اس کو پڑھائے تیرے ساتھ کر دیا۔ (۱۶۸)

یہ چاروں روایات نکاح میں وکیل بنانے کے جواز کو پیش کرتی ہیں۔

فرائض سونپے۔ حضرت ابوھریرہؓ فرماتے ہیں۔

"وکلنی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم بحفظ زکاۃ رمضان" (۱۶۹)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے رمضان المبارک میں زکاۃ کی حفاظت پر وکیل بنایا۔

۱۱۔ حضرت علی مرتضیٰؓ فرماتے ہیں۔

"امرنی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان اتصدق بجلال البدن التی نحرت وبجلودھا" (۱۷۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ جن اونٹوں کی قربانی دی گئی ہو میں ان کے جھولوں (پالان) اور ان کی کھالوں کا صدقہ کردوں۔

اس حدیث میں تقسیم صدقات کی وکالت کا ذکر موجود ہے۔

۱۲۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریاں دیں تاکہ میں انہیں صحابہ میں تقسیم کردوں تقسیم کے بعد بکری کا ایک بچہ باقی رہ گیا میں نے اس کا ذکر آپؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا۔ تو آپ نے فرمایا:

"ضح بہ انت" یعنی اس کی تم قربانی کرلو۔ (۱۷۱)

اس حدیث کے ضمن میں علامہ شوکانی فرماتے ہیں۔

"فیہ دلیل علی جواز التوکیل فی قسمۃ الضحایا" (۱۷۲)

اس حدیث میں قربانی کی تقسیم میں وکالت کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

یہ تینوں احادیث حفاظت و تقسیم قربانی و صدقات میں وکالت کا جواز پیش کرتی ہیں۔

۱۳۔ ادائیگی قرض میں وکالت کا جواز بھی حدیث سے ملتا ہے صحیح بخاری میں ایک روایت ہے جو حضرت ابوھریرہؓ سے مروی ہے۔

ایک شخص کا ایک خاص عمر کا اونٹ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ قرض تھا۔ وہ شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وہ قرض مانگنے آیا تو آپ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا اس کو وہ اونٹ دے دو۔ صحابہ کرامؓ نے اس عمر کا اونٹ تلاش کیا تو انہیں اس عمر سے زیادہ کا اونٹ ملا تو آپ نے فرمایا وہی اسے دے دو تو اس نے کہا آپ نے مجھے پورا پورا دے دیا اللہ آپ کو اجر دے اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

کرے۔

اس حدیث کے ضمن میں سید سابق نے امام قرطبی کا یہ قول نقل کیا ہے۔

فدل هذا الحديث مع صحته على جواز التوكيل الصحيح البدن فان النبی صلی اللّٰه عليه وسلم امر اصحابه ان يعطوا عنه اسن التی كانت عليه فذلک التوكيل منه لهم علی ذلک و لم يكن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم مريضاً ولا مسافراً(١٧٤)

یہ حدیث موکل کے صحت مند ہونے کے باوجود وکالت کا جواز پیش کرتی ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو اتنی عمر کا اونٹ دینے کا حکم فرمایا تھا جتنا آپ کے ذمہ تھا۔ صحابہ کا اپنا اونٹ دینا بطور وکالت تھا حالانکہ اس وقت آپ نہ بیمار تھے اور نہ ہی مسافر۔

۱۴۔ ادائیگی قرض میں توکیل سے متعلق ایک اور روایت ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اونٹ کے بارے حضرت جابرؓ سے فرمایا:

"بل بعنيه قد اخذته باربعة دنانير ولک ظهره الی المدينة"

اس اونٹ کو میرے ہاتھ فروخت کردو اور میں نے اسے چار دینار میں خریدا تھا۔ تم مدینہ تک اس پر سواری کرو پھر جب ہم مدینہ پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ سے فرمایا اے بلال:

"اقضه وزاده فاعطاه اربعة دنانير وزاد قيراطا"(١٧٥)

ان کو اونٹ کی قیمت ادا کرو اور کچھ زیادہ قیمت دو۔ حضرت بلالؓ نے انہیں چار دینار اور ایک قیراط دیا(١٧٦)

۱۵۔ ادائیگی قرض کے علاوہ وصولی قرض میں وکالت بھی جائز ہے اس ضمن میں حضرت یعلی بن امیہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اذا اتتک رسلی فاعطهم ثلاثين درعاً وثلاثين بعيراً او اقل من ذلک"(١٧٧)

جب تمہارے پاس میرے وکیل آئیں تو انہیں تیس زرہیں اور تیس اونٹ یا اس سے کم دے دینا۔

پوچھا گیا یا رسول اللہ کیا مانگی ہوئی چیز ادا کی جاتی ہے فرمایا ہاں۔

۱۶۔ ایک روایت سے وکالت خصومت کا جواز بھی ملتا ہے۔

قصہ میں آپ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسیلمہ کذاب کے پاس آئے اس وقت آپ کے ساتھ آپ کے خطیب ثابت بن قیس بن شماسؓ(۱۷۹) تھے اور آپ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسیلمہ کے پاس آئے اور اس کے ساتھیوں میں کھڑے ہو کر اس سے فرمایا۔

"لوسالتنی ھذہ القطعۃ ما اعطیتکھا ولن تعدوا امر اللّٰہ فیک ولئن ادبرت لیعقرنک اللّٰہ وانی لاراک الذی اریت فیہ ما رایت وھذا ثابت یجیبک عنی"(۱۸۰)

اگر تو مجھ سے اس چھڑی کا بھی مطالبہ کرے تو میں یہ تجھے نہیں دوں گا۔ اللہ تعالیٰ کا تیرے بارے میں جو فیصلہ ہے تو ہرگز اس سے تجاوز نہیں کر سکتا اور اگر تو نے پیٹھ پھیری تو اللہ تعالیٰ ضرور ہلاک کر دے گا اور میں تجھے وہی بات بتاتا ہوں جو مجھے بتائی گئی ہے اور یہ ثابت ہیں جو میری طرف سے تجھے جواب دیں گے۔

اس روایت کے مطابق اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیسؓ کو اپنا وکیل خصومت مقرر کیا۔

ان روایات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عہد نبوی میں زندگی کے مختلف شعبوں میں وکالت کا واضح تصور موجود تھا۔ نیز ان احادیث سے وکالت کے بنیادی قواعد و ضوابط پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

آثار صحابہ اور وکالت

آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کے علاوہ صحابہ کرامؓ کے متعدد ایسے آثار بھی ملتے ہیں جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ نہ صرف وکالت کے تصور سے آشنا تھے بلکہ اپنے بہت سے امور بھی اپنے وکلاء کے ذریعہ انجام دیتے۔ اس ضمن میں صحابہ کرامؓ کے چند آثار پیش کیے جاتے ہیں۔

۱۔ حضرت فاطمہ بنت قیسؓ سے روایت ہے کہ ان کے خاوند ابو عمرو بن حفص نے انہیں تین طلاقیں دیں اور خود وہاں سے چلا گیا۔(۱۸۱) پھر اس نے اپنے ایک وکیل کے ذریعہ میری طرف کچھ جو بھجوائے مگر میں راضی نہ ہوئی۔ اس پر وکیل نے کہا واللہ ہم پر تیرا کوئی حق نہیں۔

"فخاصمته الی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی السکنی والنفقة قالت فلم یجعل لی سکنی ولا نفقة"(۱۸۲)

پھر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس جھگڑے کو پیش کیا تو آپ نے بھی میرے لیے کوئی نفقہ اور رہائش مقرر نہ کی۔ اس اثر سے وکیل برائے ادائے نفقہ کا تصور ملتا ہے۔

۲۔ حضرت معن بن یزیدؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میرے والد چند دینار بغرض خیرات لے کر گھر سے نکلے انہوں نے وہ دینار مسجد میں ایک آدمی کو بطور وکیل دے دیے اور میں نے اس سے وہ دینار لے لیے۔ میں یہ دینار لے کر گھر آیا تو میرے والد نے کہا خدا کی قسم میں نے یہ دینار تمہیں دینے کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ اس کے بعد یہ دونوں اپنے جھگڑا لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا۔

"لک مانویت یا یزید ولک ما اخذت یا معن"(۱۸۳)

اے یزید تمہیں تمہاری نیت کا ثواب مل گیا اور اے معن جو تو نے مال لے لیا وہ تمہارے لیے حلال ہے۔

امام ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) نے اس اثر کو کتاب الوکالت میں اثبات وکالت کے ضمن میں

۳۔ نفاذ حدود میں وکالت کی مشروعیت اس اثر سے ملتی ہے۔

حضرت حصین بن منذر سے روایت ہے کہ میں امیرالمومنین حضرت عثمان غنیؓ کے پاس موجود تھا کہ ولید(۱۸۵) کو لایا گیا۔ اس نے ایک روز صبح کی چار رکعتیں پڑھا دیں۔ نماز کے بعد اس نے کہا میں تمہارے لیے نماز زیادہ کرتا ہوں۔ پھر دو آدمیوں نے ولید کے خلاف گواہی دی۔

حران نے یہ گواہی دی کہ اس نے شراب پی ہے۔ جب کہ دوسرے شخص نے یہ گواہی دی کہ وہ میرے سامنے قے کر رہا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے کہا اگر اس نے شراب نہ پی ہوتی تو شراب کی قے کیوں کرتا پھر آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا۔

اے علی اٹھو اور اسے کوڑے لگاؤ حضرت علیؓ نے اپنے بیٹے حضرت حسنؓ سے کہا **"قم یا حسن فاجلدہ"** اے حسنؓ اٹھو اور اس پر حد نافذ کرو۔ حضرت حسنؓ نے کہا سخت کام بھی اسے سپرد کرو جسے آپ آسان کام سونپتے ہیں۔ حضرت علیؓ نے حضرت حسن کی اس بات پر غصے کا اظہار کیا پھر آپ نے اپنے بھتیجے حضرت عبداللہ بن جعفرؓ سے کہا۔

"یا عبد اللّٰہ بن جعفر قم فاجلدہ فجلدہ وعلی یعد حتی بلغ اربعین فقال امسک" (۱۸۶)

اے عبداللہ اٹھو اور اسے کوڑے لگاؤ پھر انہوں نے کوڑے لگائے اور حضرت علی گنتے رہے۔ جب چالیس کوڑے پورے ہوئے تو آپ نے انہیں رکنے کو کہا۔

علامہ شمس الدین سرخسی نے کتاب الوکالۃ میں یہ حدیث نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ ایک فریق کی رضامندی کے بغیر بھی وکیل مقرر کیا جا سکتا ہے۔(۱۸۷)

اس اثر سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ وکیل بھی وکیل ثانی مقرر کر سکتا ہے۔

جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حد زنا کے نفاذ کے لیے حضرت انیس ابن ضحاکؓ کو وکیل بنایا اس طرح یہاں حضرت عثمانؓ نے حد خمر کے نفاذ کے لیے حضرت علیؓ کو وکیل مقرر کیا پھر حضرت علیؓ نے اپنے بھتیجے حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کو وکیل ثانی مقرر کیا۔(۱۸۸)

۴۔ امام بیہقی (م ۴۵۸ھ) نے حضرت عبداللہ بن جعفرؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت علیؓ مقدمات

ہے پس آپ حضرت عقیل بن ابی طالبؓ کو مقدمات کے لیے وکیل مقدمہ مقرر کرتے پھر جب بڑھاپے کی وجہ سے آپ نحیف و کمزور ہو گئے تو مجھے مقدمات کے لیے وکیل مقرر کرتے اور آپؓ فرماتے۔

"ما قضی لوکیلی فلی وما قضی علی وکیلی فعلی"(۱۹۰)

جو فیصلہ میرے وکیل کے حق میں ہو گا وہ میرے لیے اور جو فیصلہ میرے وکیل کے خلاف ہو گا وہ بھی میرے لیے ہے۔

شیخ الاسلام تقی الدین ابوالحسن علی السبکی (م ۷۵۶ھ) فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے حضرت عقیل(۱۹۱) کو حضرت ابوبکر صدیقؓ و حضرت عمر فاروقؓ کے پاس اور حضرت عبداللہ بن جعفرؓ(۱۹۲) کو حضرت عثمان غنیؓ کے پاس اپنا وکیل مقرر کیا۔ آپ نے حضرت عبداللہ کے متعلق کہا۔

"ما قضی لہ فلی وما قضی علیہ فعلی"(۱۹۳)

جو فیصلہ اس کے لیے ہو گا وہی میرے لیے ہو گا اور جو فیصلہ اس کے خلاف ہو گا وہ میرے خلاف ہو گا۔

امام سبکیؒ نے حضرت علیؓ کا یہ قول بھی نقل کیا۔

"ان للخصومات قحما (قال ابو زیاد الکلابی القحم المھالک) ولان الحاجۃ تدعوا الی التوکیل فی الخصومات لانہ قد یکون لہ حق اوید عی علیہ حق ولا یحسن الخصومۃ فیہ اویکرہ ان یتولاھا بنفسہ فجاز ان یوکل فیہ"(۱۹۴)

بے شک مقدمات میں ہلاکت ہوتی ہے اور ضرورت کی بنا پر مقدمات میں وکیل بنایا جاتا ہے کیونکہ آدمی کے حق میں حق دعوی کر دیا جاتا ہے اور مقدمات میں بہتری نہیں ہوتی اور وہ خود اس میں براہ راست شریک نہیں ہونا چاہتا اس لیے جائز ہے کہ اس میں وکیل مقرر کیا جائے۔

۵۔ حفاظت جائیداد سے متعلق صحیح بخاری میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت ہے کہ میں نے امیہ بن خلف(۱۹۵) سے اپنے اور اس کے درمیان یہ معاہدہ لکھوایا کہ میری وہ جائیداد جو مکہ میں ہے وہ اس کی حفاظت کرے اور اس کی وہ جائیداد جو مدینہ میں ہے میں اس کی حفاظت کروں گا۔ جب میں نے تحریر میں اپنا نام عبدالرحمٰن لکھا تو اس نے کہا میں عبدالرحمٰن کو نہیں جانتا تو اپنا وہ نام لکھ جو

بدر کے دن میں پہاڑ کی طرف نکلا تاکہ اس کی حفاظت کروں جب سب لوگ سو گئے تو اس کو بلالؓ نے دیکھ لیا وہ نکلے اور انصار کی ایک مجلس میں گئے اور کہا کہ یہ امیہ بن خلف ہے۔ اگر امیہ نجات پاگیا تو میری خیر نہیں۔ ان کے ساتھ انصار کے چند لوگ پیچھے نکلے جب مجھے یہ خوف ہوا کہ وہ ہم تک پہنچ جائیں گے تو میں نے اس کا بیٹا ان کے لیے چھوڑ دیا انہوں نے اسے قتل کر دیا۔"(۱۹۶)

۶۔ عدالت میں کسی مقدمہ کی پیروی اور قانونی نکات کی وضاحت کے ضمن میں بھی ایک روایت ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) نے **ازالۃ الخفاء** میں ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں ایک شخص قتل ہو گیا۔ فیصلہ کے لیے مقدمہ آپ ہی کے پاس آیا۔ آپ نے سماعت کے بعد ملزم کو قتل کا مجرم قرار دیا اور اپنے فیصلے میں قاتل کو سزا موت سنا دی۔ فیصلے کے اعلان پر مقتول کے ورثا میں سے بعض نے اعلان کیا کہ انہوں نے قاتل کو معاف کر دیا اور اپنے حصہ سے دستبردار ہو گئے۔

حضرت عمرؓ اپنے فیصلے پر قائم رہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس وقت عدالت میں موجود تھے آپ نے قانونی معاملہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا۔

"کانت النفس لهم جميعا فلما عفى هذا احيا النفس فلا يستطيع ان ياخذ حقه حتى ياخذ حق غيره"

تمام ورثاء قاتل کے خلاف اپنا حق رکھتے ہیں ان میں سے اگر ایک اپنے حق سے دستبردار ہو جائے اور باقی دستبردار نہ ہوں تو سب کی اتفاق رائے کے بغیر فیصلہ نافذ نہیں ہو سکتا۔

حضرت عمر فاروقؓ نے آپ کی رائے سن کر آپ سے کہا پھر مقدمہ کا فیصلہ کس طرح ہو آپ نے کہا۔

اری ان تجعل الدية عليه فى ماله و ترفع حصة الذى عفى

قاتل ورثاء کو خون بہا ادا کرے اور جس نے اپنا حق معاف کر دیا اس کا حصہ منہا کر دیا جائے۔

پھر حضرت عمر فاروقؓ نے ان کی رائے کے مطابق فیصلہ دیا اور اپنا فیصلہ واپس لے لیا۔(۱۹۷)

مندرجہ بالا مقدمہ قتل کی کارروائی یہ ظاہر کرتی ہے۔

کہ اسلامی عدلیہ کے سربراہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے ایک ماہر قانون (وکیل) کو عدالت کے روبرو اپنی رائے دینے کی اجازت دی' ماہر قانون نے اپنی آزادانہ رائے کے مطابق قانون کی تشریح کی اور اپنی رائے ظاہر کی۔ عدالت نے وہ رائے قبول کر لی۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ مستند ماہر قانون (ایڈووکیٹ) عدالت ہائے انصاف میں پیش ہونے اور عدالت کے سامنے مقدمہ کے قانونی نکات کی وضاحت اپنے نظریہ کے مطابق کرنے میں عدالت کی مدد کرنے کے مجاز نہیں؟ خلافت راشدہ میں ایسے بہت سے مقدمات کا ذکر موجود ہے۔ جن میں قاضی نے ماہر قانون و فقہ (وکیل) سے ماہرانہ رائے طلب کی اور مقدمات کے مختلف پہلوان ماہرین کی رائے سے اجاگر ہوئے۔ اگر موجودہ وکالت کے پیشے میں مناسب تبدیلیاں کر دی جائیں تو وکالت کا ادارہ مفید نتائج برآمد کر سکتا ہے۔(۱۹۸)

۷۔ وکالت بیع کے ضمن میں حضرت عمر فاروقؓ ہی کا یہ اثر ہے۔

حضرت موسیٰ بن انس کے والد انس کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ نے ان کو سونا چڑھا ایک برتن دیا اور فرمایا جاؤ اس کو فروخت کر دو۔ انہوں نے ایک یہودی کے ہاتھ دو گنے وزن پر فروخت کر دیا حضرت عمر نے فرمایا وہ واپس لو۔ یہودی نے کہا۔ کیا میں قیمت میں اضافہ کر دوں؟

"فقال له عمر لا الا بوزنه"(۱۹۹)

آپ نے فرمایا نہیں بلکہ اس کو اس کے ہم وزن کے عوض ہی فروخت کرنا ہے۔

۸۔ حضرت حسین بن سعد کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ذمہ میرے چند درہم تھے۔ میں نے ان کے پاس کچھ دینار پائے تو انہوں نے میرے ساتھ ایک قاصد بھیجا اور اس سے کہا۔

"اذا قامت على سعر فاعرضها عليه فان اخذ ها والا فاشترله حقة ثم اقضه اياه"

(۲۰۰)

جب یہ دینار نرخ کے مطابق (دراہم کے برابر) ہوں تو یہ دینار حسین بن سعد کو دے دینا اگر

وہ دینار تھے ان کو ورثہ ان دیناروں میں سے ان کا حق (ورثاء) خرید لیا اور وہ انہیں ادا کر دیتا۔

۹۔ کفارات کی ادائیگی میں وکالت سے متعلق حضرت عمرؓ کا عمل یہ ملتا ہے ایک بار آپ نے اپنے عہد خلافت میں ایک قوم کے متعلق قسم اٹھائی کہ میں انہیں کوئی عطیہ نہیں دوں گا پھر ان کے حالات آپ پر واضح ہوئے اور آپ نے انہیں کچھ عطیہ دے دیا۔ اس پر آپ نے اپنے غلام سے فرمایا:

"فاذا انا فعلت ذلک فاطعم عنی عشرۃ مساکین کل مسکین نصف صاع من حنطۃ اوصاعا" من التمر"(۲۰۱)

جب میں نے ایسا کر دیا ہے تو اب میری طرف سے دس مساکین کو کفارہ قسم ادا کر۔ ہر مسکین کو نصف صاع (تقریباً" سوا دو کلو) گندم یا ایک صاع کھجوریں دو۔

صحابہ کرامؓ کے ان آثار سے یہ واضح ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ نہ صرف اسلام کے تصور وکالت سے آشنا تھے بلکہ اپنے بہت سے امور و معاملات اپنے وکلاء کے سپرد کرتے۔

فصل پنجم

اجماع اور وکالت

فقہ اسلامی کا تیسرا بنیادی ماخذ اجماع ہے۔ چونکہ وکالت کی مشروعیت قرآن اور حدیث سے ثابت ہے لہذا تمام فقہاء کا وکالت کے جواز پر اجماع ہے۔ لہذا وکالت سے انکار نہ صرف قرآن و حدیث کا انکار ہے بلکہ اجماع امت سے بھی انکار ہوگا۔

فقہاء کرام نے کتب فقہ میں وکالت پر اجماع ہونے کا ذکر اپنی اپنی کتب میں کیا ہے۔

علامہ علاؤالدین حنفی نے الدر المختار میں لکھا ہے۔

"**علیہ الاجماع**"(۲۰۲) وکالت کی صحت پر امت کا اجماع ہے۔

علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں۔

"**صح التوكيل بالكتاب والسنة والاجماع**"(۲۰۳)

وکالت کی صحت قرآن، سنت اور اجماع سے ثابت ہے۔

عبدالرحمٰن جزیری فرماتے ہیں۔

"**فان اجماع المسلمين عليها من غير ان يخالف فيه احد من ائمتهم**"(۲۰۴)

اس کا جواز مسلمانوں کے اجماع سے ثابت ہے اور کسی امام نے بھی اس سے اختلاف نہیں کیا۔

فقہ الشافعی کے ممتاز فقیہ خطیب الشربینی نے لکھا ہے۔

"**انعقد الاجماع على جوازها ولان الحاجة داعية اليها فان الشخص قد يعجز عن قيامه بمصالحه كلها**"(۲۰۵)

وکالت کے جواز پر اجماع ہو چکا ہے کیونکہ ضرورت اس کی متقاضی ہے اس لیے کہ انسان کبھی کئی مصلحتوں کی بنا پر کئی امور انجام دینے سے عاجز ہوتا ہے۔

نہایۃ المحتاج میں بھی وکالت پر اجماع ہونے کا اس طرح ذکر ہے۔(۲۰۶)

مالکیوں کے نزدیک بھی وکالت کے جواز پر اجماع ہے چنانچہ ابوالولید محمد بن احمد ابن رشد مالکی

الاندلسی نے لکھا ہے۔

"انعقد الاجماع علیه"(۲۰۷) جواز وکالت پر امت کا اجماع ہے۔

فقہ حنبلی کے مایہ ناز عالم ابن قدامہ نے وکالت کے متعلق لکھا ہے۔

"اجمعت الامة علی جواز الوکالة فی الجملة ولان الحاجة داعیة الی ذلک"(۲۰۸)

جواز وکالت پر امت کا اجماع ہے کیونکہ اس کی عمومی ضرورت ہے ہر شخص کو اپنا ہر کام کرنا نہ ممکن ہے لہٰذا اس کی حاجت ضروری ہے۔

علامہ منصور بن یونس بھوتی فرماتے ہیں۔

"وهی جائزة اجماعا"(۲۰۹) وکالت اجماعاً جائز ہے۔

تمام فقہاء کا وکالت کے جواز پر اجماع ہی نہیں بلکہ بعض فقہاء وکالت کے استحباب کے بھی قائل ہیں۔ جیسے علامہ الشربینی نے قاضی حسین کا قول نقل کیا ہے۔

"بل قال القاضی حسین ان قبولها مندوب"(۲۱۰) قاضی حسین کے نزدیک وکالت قبول کرنا مستحب ہے۔

عصر جدید کے فقیہ السید سابق نے استحباب وکالت کا ذکر اس طرح کیا۔

اجمع المسلمون علی جوازها بل علی استحبابها لانها نوع من التعاون علی البر والتقوی(۲۱۱)

جو فقہاء وکالت کے استحباب کے قائل ہیں ان کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے۔ "

وتعاونوا علی البر والتقوی"(۲۱۲)

اور لوگوں کے ساتھ نیکی اور تقوی میں تعاون کرو۔

حضرت ابو هریرہؓ سے مروی یہ حدیث بھی وکالت کا استحباب ثابت کرتی ہے۔

"واللّٰہ فی عون العبد ماکان العبد فی عون اخیه"(۲۱۳)

اللہ تعالیٰ بندے کی مدد میں اس وقت مصروف رہتا ہے جب تک وہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو مختلف خصوصیتیں اور طبیعتیں عطا فرمائی ہیں کسی کو طاقتور بنایا اور کسی کو کمزور اس لیے ہر شخص میں تمام امور خود انجام دینے کی آمادگی و صلاحیت نہیں ہوتی اور نہ ہی ایک شخص تمام معاملات کو پوری طرح سمجھنے اور ان سے نمٹنے کی صلاحیت رکھتا ہے لہٰذا اس امر کی ضرورت

ہے کہ [illegible] اپنے کام ایسے لوگوں کے سپرد کریں جو ضروری قوت اور صلاحیت کے حامل ہوں۔ لہٰذا اس ضرورت کے تحت وکالت قبول کرنا مستحب ہے۔

ان تمام دلائل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وکالت وہ امر ہے جس کی مشروعیت اور جواز قرآن مجید' حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم' آثار صحابہ' امت مسلمہ کے اجماع سے ثابت ہے۔ لہٰذا ہر وہ قابل نیابت معاہدہ جو انسان خود کر سکتا ہے اس کے لیے دوسرے شخص کو بھی اپنا وکیل یا نائب بنانا جائز ہے۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ الفراہیدی، کتاب العین، تحقیق، دکتور مہدی المخزومی، منشورات دار الہجرۃ، قم، ایران، ۱۴۰۵ھ، ۵/۴۰۵۔
۲۔ جوہری، الصحاح (بذیل مادہ، وکل)، المطبعہ المصریہ، مصر، ۱۹۷۹ء، ۵/۱۸۴۴۔
احمد رضا شیخ، معجم متن اللغۃ دار مکتبۃ الحیاۃ بیروت، ۱۹۶۰، ۵/۸۰۹۔
۳۔ ابن منظور، لسان العرب، دار صادر، بیروت، ۱۴۰۰ھ، ۱۱/۷۳۴۔
۴۔ ایضاً۔
۵۔ سورۃ ہود، ۱۱/۵۶۔
۶۔ سعید لبنانی، اقرب الموارد، منشورات مکتبہ آیت اللہ عظمی، قم، ایران، ۱۴۰۳ھ، ۲/۱۴۸۲۔
۷۔ لسان العرب، ۱۱/۷۳۴۔
مجد الدین فیروز آبادی، القاموس المحیط، دار المامون، مصر، (ت۔ن)، ۴/۶۶۔
مرتضیٰ زبیدی، تاج العروس، المطبعۃ الخیریۃ، مصر، ۱۳۰۶ھ، ۸/۱۵۹۔
۸۔ تاج العروس، ۸/۱۵۹۔
۹۔ لسان العرب، ۱۱/۷۳۴۔
۱۰۔ ابن درید، کتاب جمہرۃ اللغۃ مکتبہ المثنی، بغداد، (ت۔ن)، ۳/۱۷۰۔
۱۱۔ بطرس بستانی، محیط المحیط، مکتبہ لبنان، بیروت، ۱۹۷۷ء، ص ۹۸۴۔
۱۲۔ الصحاح، ۵/۱۸۴۵۔
۱۳۔ تاج العروس، ۸/۱۵۹۔
۱۴۔ ابراہیم انیس و دیگر، المعجم الوسیط، دار الفکر، بیروت، (ت۔ن)، ۲/۱۰۵۵۔
۱۵۔ تاج العروس، ۸/۱۵۹۔
۱۶۔ لسان العرب، ۱۱/۷۳۴۔
۱۷۔ ایضاً۔
۱۸۔ سورۃ الشوریٰ، ۴۲/۶۔

۲۰۔ سید سیادۃ سے ہے جس کے معنی سرداری کے آتے ہیں حقیقت میں تو تمام جہانوں کا سردار اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن مجازاً غیر اللہ کو بھی سید کہا جا سکتا ہے جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے متعلق فرمایا **"انا سید ولد آدم"** (میں اولاد آدم کا سردار ہوں) (امام احمد، مسند، دار صادر، بیروت، (ت۔ن)، ۵۴۰/۲)

ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذؓ کے متعلق فرمایا **"قوموا الی سیدکم"** اپنے سردار کے احترام میں کھڑے ہوا کرو۔ (بخاری، الجامع الصحیح، "کتاب الجہاد، باب اذا نزل العدو علی حکم رجل" نور محمد، کراچی، ۱۹۴۸، ۴۲۷/۱)

۲۱۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو اپنے متعلق سید کہنے سے اس لیے منع فرمایا کہ وہ لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے ایسا نہ ہو کہ وہ آپ کی سیادت کو اللہ تعالیٰ کی سیادت (سرداری) کے مفہوم میں تبدیل کر دیں (منذری، مختصر سنن ابی داود، مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل، ۱۹۷۹، ۱۷۶/۷)، شمس الحق عظیم آبادی، عون المعبود شرح ابی داؤد، المکتبہ السلفیہ، دار الفکر، بیروت، ۱۹۷۹، ۱۰۶۱/۱۳۔

۲۲۔ ابوداود، سنن، (کتاب الادب، باب کراھیۃ التمادح) ولی محمد، کراچی، ۱۳۶۹، ۲/ ۶۶۲۔

مسند امام احمد میں "ولا یستھوینکم اور ولا یستجر ئنکم کے الفاظ ہیں ۲۴۱/۳۔

۲۳۔ شیخ نجم الدین نسفی، طلبۃ الطلبۃ فی الاصطلاحات الفقھیہ، دار القلم، بیروت، ۱۹۸۶، ص ۲۸۳۔

۲۴۔ خلیل الرحمٰن نعمانی و دیگر، المعجم، دار الاشاعت، کراچی، ۱۹۷۴، ص ۶۵۷۔

۲۵۔ رواس قلعہ جی و دیگر، **معجم لغۃ الفقھاء**، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی، ۱۴۰۴ھ، ص ۵۰۹۔

F. Stiengass, Arabic English Dictionary, Lahore, Sang-e-Meel Publications, 1979, P.1230

۲۶۔ ابن سیدہ، المحکم والمحیط الاعظم، المکتبہ تجاریہ، مکہ مکرمہ، ۱۹۵۹ء، ۱۰۷/۷۔

۲۷۔ تاج العروس، ۱۵۹/۸۔

۲۸۔ راغب، اصفہانی، المفردات، نور محمد، کراچی (ت۔ن)، ص ۵۳۱۔

۲۹۔ سورۃ المجادلۃ ۵۸/۱۰، سورۃ التغابن ۶۴/۱۳۔

۳۰۔ سورۃ الطلاق ۶۵/۳۔

۳۱۔ المفردات، ص ۵۳۱۔

۳۲۔ سرخسی، المبسوط، دارالمعرفۃ بیروت، (ت۔ن) ۱۹/۲۔

۳۳۔ غزالی، احیاء علوم الدین (کتاب التوحید والتوکل، فصل دوم) مطبعۃ العامرہ الشریفہ، مصر، ۱۳۲۶ھ، ۴/۲۵۹

۳۴۔ کاسانی، بدائع الصنائع، سعید کمپنی، کراچی، ۱۹۸۶ء، ۶/۱۹۔

۳۵۔ رواس قلعہ جی، معجم لغۃ الفقہاء، ص ۵۰۹۔

۳۶۔ السرخسی، المبسوط ۱۹/۲۔

۳۷۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۶/۱۹۔

۳۸۔ فخرالدین رازی، التفسیر الکبیر، دارالکتب علمیہ، طہران، (ت۔ن)، ۱۱/۳۷۔

۳۹۔ سید شریف جرجانی، التعریفات، المکتبۃ الحمادیہ، کراچی، ۱۹۸۳، ص ۲۲۷۔

۴۰۔ البحرالرائق لابن نجیم میں "مقامہ" کی بجائے "مقام نفسہ" کے الفاظ ہیں۔

۴۱۔ ابن ہمام، فتح القدیر، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، (ت۔ن)، ۶/۵۵۳۔
ابن نجیم، البحرالرائق، مکتبہ حامدیہ، کوئٹہ، (ت۔ن)، ۷/۱۳۹۔

۴۲۔ المقدسی، الاقناع فی فقہ الامام احمد بن حنبل، دارالمعرفۃ بیروت، (ت۔ن)، ۲/۲۳۲۔

۴۳۔ الشربینی، مغنی المحتاج، دارالفکر، بیروت، (ت۔ن)، ۲/۲۱۷۔

۴۴۔ شمس الدین محمد، نہایۃ المحتاج الی شرح المنہاج، دارالفکر، بیروت، ۱۹۸۴، ۵/۱۵۔

۴۵۔ علاؤالدین حنفی، الدرالمختار، طابع قاضی ابراہیم، بمبئی، (ت۔ن)، ص ۶۸۴۔

۴۶۔ محمد اعلیٰ تھانوی، کشاف اصطلاحات الفنون، سہیل اکیڈیمی، لاہور، ۱۹۹۳ء، ۲/۱۵۱۱۔

۴۷۔ شوکانی، نیل الاوطار، انصار السنہ محمدیہ، لاہور، (ت۔ن)، ۷/۹۔
علامہ ابن حجر نے بھی وکالت کی یہی تعریف بیان کی ہے (ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، دارنشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۹۸۱، ۴/۴۷۹۔)

۴۸۔ ابراہیم انیس، المعجم الوسیط، ۲/۱۰۵۵۔

۵۰۔ الجزیری، کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعۃ، المکتبہ التجاریہ الکبری، دارالفکر، بیروت، ۱۹۶۹، ۳/ ۱۶۷

۵۱۔ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، دارالفکر، بیروت، ۱۹۸۴، ۴/ ۱۵۰۔

۵۲۔ ایضاً۔

۵۳۔ سورۃ السجدہ، ۳۲/ ۱۱۔

۵۴۔ سورۃ الانعام، ۶/ ۹۰۔

۵۵۔ سورۃ آل عمران، ۳/ ۱۵۹، سورۃ النساء، ۴/ ۸۱، سورۃ الانفال، ۸/ ۶۱، سورۃ ہود، ۱۱/ ۱۲۳، سورۃ الفرقان، ۲۵/ ۵۸، سورۃ الشعراء، ۲۶/ ۲۱۷، سورۃ النمل، ۲۷/ ۷۹، سورۃ الاحزاب، ۳۳/ ۳، ۴۸۔

۵۶۔ سورۃ المائدہ، ۵/ ۲۳، سورۃ یونس، ۱۰/ ۸۴۔

۵۷۔ سورۃ التوبہ، ۹/ ۱۲۹، سورۃ یونس، ۱۰/ ۷۱، سورۃ ہود، ۱۱/ ۵۶، ۸۸ سورۃ یوسف ۱۲/ ۶۷، سورۃ الرعد، ۱۳/ ۳۰، سورۃ الشوریٰ، ۴۲/ ۱۰۔

۵۸۔ سورۃ الاعراف، ۷/ ۸۹، سورۃ یونس، ۱۰/ ۸۵، سورۃ الممتحنہ ۶۰/ ۴۔ سورۃ الملک، ۶۷/ ۲۹۔

۵۹۔ سورۃ آل عمران، ۳/ ۱۲۲، ۱۶۰۔ سورۃ المائدہ، ۵/ ۱۱، سورۃ الانفال، ۸/ ۴۹، سورۃ التوبہ، ۹/ ۵۱، سورۃ یوسف، ۱۲/ ۶۷، سورۃ ابراھیم، ۱۴/ ۱۱، ۱۲، سورۃ الزمر، ۳۹/ ۳۸، سورۃ المجادلہ، ۵۸/ ۱۰، سورۃ التغابن، ۶۴/ ۱۳، سورۃ الطلاق، ۶۵/ ۳۔

۶۰۔ سورۃ الانفال، ۸/ ۲، سورۃ النحل، ۱۶/ ۴۲، ۹۹، سورۃ العنکبوت، ۲۹/ ۵۹، سورۃ الشوریٰ، ۴۲/ ۳۶۔

۶۱۔ سورۃ ابراھیم، ۱۴/ ۱۲۔

۶۲۔ سورۃ آل عمران، ۳/ ۱۷۳، سورۃ الانعام، ۶/ ۶۶، ۱۰۴، ۱۰۷، سورۃ یونس، ۱۰/ ۱۰۸، سورۃ ہود، ۱۱/ ۱۲، سورۃ یوسف، ۱۲/ ۶۶۔ سورۃ القصص ۲۸/ ۲۸، سورۃ الزمر، ۳۹/ ۴۱، ۶۲، سورۃ الشوریٰ، ۴۲/ ۶۔

۶۳۔ سورۃ النساء، ۴/ ۸۱، ۱۰۹، ۱۳۲، ۱۷۱، سورۃ بنی اسرائیل، ۱۷/ ۲، ۵۴، ۶۵، ۶۸، ۸۶، سورۃ

[illegible] سورة الاحزاب [illegible] سورة المزمل ۷۳/۹۔

۶۴۔ سورة یوسف‘ ۱۲/۶۷‘ سورة ابراہیم‘ ۱۴/۱۲‘ سورة الزمر‘ ۳۹/۳۸۔

۶۵۔ سورة آل عمران‘ ۳/۱۵۹۔

۶۶۔ سورة النساء‘ ۴/۱۰۹۔

۶۷۔ فخرالدین رازی‘ التفسیر الکبیر‘ ۱۱/۳۷۔

۶۸۔ سورة الانعام‘ ۶/۱۰۳۔

۶۹۔ احمد بن یعقوب فیروز آبادی‘ تنویر المقیاس‘ فاروقی کتب خانہ‘ ملتان‘ (ت۔ن)‘ ص ۹۲۔

۷۰۔ سورة المزمل‘ ۷۳/۹۔

۷۱۔ فیروز آبادی‘ تنویر المقیاس‘ ص ۳۷۱۔

۷۲۔ سورة الانعام‘ ۶/۱۰۷۔

۷۳۔ علی بن محمد خازن‘ تفسیر خازن‘ دارالمعرفة‘ بیروت‘ (ت۔ن)‘ ۲/۴۳۔

۷۴۔ سورة الزمر‘ ۳۹/۴۱۔

۷۵۔ قاضی بیضاوی‘ انوار التنزیل‘ مصطفیٰ البابی حلبی‘ مصر‘ ۱۹۵۵‘ ۲/۱۷۲۔

۷۶۔ سورة النساء‘ ۴/۱۷۱۔

۷۷۔ فیروز آبادی‘ تنویر المقیاس‘ ص ۶۹۔

۷۸۔ سورة ہود‘ ۱۱/۱۲۔

۷۹۔ امام قرطبی‘ الجامع لاحکام القرآن‘ دارالکاتب العربیہ للطباعة‘ والنشر‘ تہران‘ ۱۹۶۷ء‘ ۹/۱۲۔

۸۰۔ سورة الفرقان‘ ۲۵/۴۳۔

۸۱۔ قاضی بیضاوی‘ انوار التنزیل‘ ۲/۷۲۔

۸۲۔ سورة الانعام‘ ۶/۶۶۔

۸۳۔ عبداللہ نسفی‘ تفسیر نسفی (مدارک) دارالکتاب العربی‘ بیروت‘ (ت۔ن)‘ ۲/۱۷۔

۸۴۔ زمخشری‘ تفسیر الکشاف‘ دارالکتاب العربی‘ بیروت‘ (ت۔ن)‘ ۲/۴۸۷۔

۸۵۔ سورة یوسف‘ ۱۲/۶۶۔

۸۶۔ سورة یونس‘ ۱۰/۱۰۸۔

۸۷۔ فیروز آبادی‘ تفسیر ابن عباس‘ ص ۱۳۷۔

۸۸۔ سورۃ بنی اسرائیل، ۱۷/۶۸۔

۸۹۔ امین الدین شافعی، تفسیر جامع البیان، ۱/۴۰۳۔

۹۰۔ سورۃ الزمر، ۳۹/۶۲۔

۹۱۔ امین الدین شافعی، تفسیر جامع البیان، ۲/۲۳۰۔

۹۲۔ سورۃ السجدہ، ۳۲/۱۱۔

۹۳۔ پیر کرم شاہ، (ترجمہ)، تفسیر ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۱۳۹۹ھ، ۳/۶۳۱۔

۹۴۔ سورۃ الطلاق، ۶۵/۳۔

۹۵۔ المفردات، ص ۵۳۱۔

۹۶۔ سورۃ الاعراف، ۷/۸۹۔

۹۷۔ البخاری، (کتاب التہجد، باب التہجد باللیل)، ۱/۱۵۱۔

۹۸۔ عینی، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، دار الفکر، بیروت، (ت۔ن)، "جزء ۷"، ۴/۱۶۷۔

۹۹۔ قسطلانی، ارشاد الساری، المطبعۃ الکبری، الامیریہ، بولاق، مصر، ۱۳۰۴ھ، ۲/۳۰۸۔

۱۰۰۔ ترمذی، جامع، (ابواب جہنم، باب ماجاء فی صفۃ النار، مکتبہ رحیمیہ، دیوبند، ۱۹۵۲، ۱/۸۱۔

۱۰۱۔ عبدالرحمٰن مبارکپوری، تحفۃ الاحوذی، ادارۃ الحکیم، ذکی الدین امروہوی، ۱۳۵۲ھ، ۳/۳۴۰۔

۱۰۲۔ مسلم، الصحیح (کتاب الزکاۃ، باب تحریم الزکاۃ علی رسول اللہ و علی الہ) مطبعہ علمی، دہلی، ۱۳۴۸ھ، ۱/۳۴۴۔

ابوداود، (کتاب الخراج والفی والامارۃ، باب فی بیان مواضع قسم الخمس)، ۲/۴۱۸۔

۱۰۳۔ جار اللہ محمود زمخشری، الفائق فی غریب الحدیث، دار المعرفۃ، بیروت، (ت۔ن)، ۴/۷۸۔

ابن الاثیر، النھایہ فی غریب الحدیث، **موسسۃ اسماعیلیان**، ایران، ۱۳۶۴ھ، ۵/۲۲۱۔

۱۰۴۔ ابوداود، (کتاب الجہاد، باب فی سکنی الشام)، ۱/۳۳۶۔

امام احمد، ۵/۲۸۸۔

۱۰۵۔ شمس الحق محمد عظیم آبادی، عون المعبود لشرح سنن ابی داود، ۷/۱۶۱۔

۱۰۶۔ البخاری، (کتاب الجہاد، باب افضل الناس مومن)، ۱/۳۹۱۔

۱۰۸۔ البخاری، (کتاب الحیض، باب مخلقۃ وغیر مخلقۃ)، ۴۶/۱۔

۱۰۹۔ عینی، عمدۃ القاری، (جزء ۳)، ۲۹۳/۲۔

۱۱۰۔ ابوداود، (کتاب الاقضیۃ باب الوکالۃ)، ۵۱۱/۲۔

۱۱۱۔ وسق کی جمع اوسق ہے۔ عربوں کا یہ کیلی پیمانہ تھا۔ ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع ہمارے تقریباً" ساڑھے چار سیر یا سوا چار کلو کا ہوتا ہے اس طرح ایک وسق تقریباً" چھ من تیس سیر یا ۲۵۵ کلوگرام کا ہوگا۔ (احمد یار خاں، مراۃ شرح مشکوۃ، نعیمی کتب خانہ، گجرات، (ت۔ ن)، ۲۴/۳۔

۱۱۲۔ ابوداود، (کتاب البیوع، باب فی الرجل یتجر فی مال الرجل بغیر اذنہ)، ۴۸۰/۲۔

۱۱۳۔ حدیث غار کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ بنی اسرائیل کے تین شخص کہیں جا رہے تھے کہ بارش ہونے لگی۔ بارش سے بچنے کے لیے انہوں نے ایک غار میں پناہ لی۔ اتفاق سے اس پہاڑ سے ایک چٹان لڑھکی اور اس نے غار کا منہ بند کر دیا۔ پھر ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ اپنے سب سے اچھے عمل کا جو تم نے کیا ہو واسطہ دے کر اللہ تعالی سے غار کا منہ کھلنے کی دعا کرو اس پر ان میں سے ایک نے کہا:

اے اللہ میرے ماں باپ بہت بوڑھے تھے میں اپنے مویشی چرانے کے بعد ان کا دودھ دھو کر سب سے پہلے اپنے والدین کو پیش کرتا پھر اپنے بیوی بچوں کو پلاتا۔ ایک دن مجھے دیر ہو گئی واپسی پر میرے والدین سو چکے تھے میں نے انہیں جگایا نہیں۔ بچے بھوک کی وجہ سے میرے قدموں میں پڑے رو رہے تھے اور میں دودھ کا پیالہ لیے کھڑا رہا یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ اے اللہ! اگر تیرے نزدیک میرا یہ کام تیری خوشنودی کے لیے تھا تو غار کے منہ سے اس چٹان کو ہٹا دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس دعا کے بعد کچھ راستہ بن گیا۔

پھر دوسرے شخص نے دعا کی۔ اے اللہ میں اپنے چچا کی لڑکی سے بہت محبت کرتا تھا۔ ایک دن اس نے مجھے کہا کہ مجھے سو دینار دے اور اپنا مقصد پورا کر۔ میں نے آہستہ آہستہ ایک سو دینار اکٹھے کیے۔ ایک روز میں اور وہ اکیلے تھے اور خواہش کی تکمیل کا ارادہ کیا تو اس نے کہا اللہ سے ڈرو میں کھڑا ہو گیا اور اسے چھوڑ دیا۔ اے اللہ! اگر تیرے نزدیک یہ عمل تیری خوشنودی کے لیے تھا تو ہمارا راستہ بنا دیجیے اس کے بعد دو تہائی راستہ بن گیا۔

من ذرة" جوار یا مکئی چھانٹنے کا کام لیا (مسلم کی روایت میں "**بفرق الارز**" یعنی چاول (چھٹانے کا کام ہے) جب میں نے اسے اس کی مزدوری دی تو اس نے وہ مزدوری لینے سے انکار کیا۔ میں نے اس جوار یا چاول کو زمین میں کاشت کیا۔ یہ فصل اتنی زیادہ ہوئی کہ اسے فروخت کر کے میں نے ایک بیل اور ایک چرواہا خریدا پھر ایک روز اس مزدور نے اپنی مزدوری کا مطالبہ کیا تو میں نے کہا کہ یہ بیل اور چرواہا لے جاؤ یہ تمہارے ہیں اس نے مذاق سمجھا میں نے کہا یہ مذاق نہیں بلکہ حقیقت ہے۔

اے اللہ تیرے نزدیک اگر یہ کام تیری رضا کے لیے کیا تو ہمارے لیے راستہ بنا دے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر ان کے لیے مکمل راستہ کھل گیا۔ (**البخاری "کتاب البیوع" باب اذا اشتری شیاء لغیرہ بغیراذ نہ**" ۱/۲۹۴۔ مسلم "**کتاب الذکر**" **باب قصہ اصحاب الغار الثلاثۃ**" ۲/۳۵۳۔

۱۱۴۔ باقی ساتھیوں کے نام یہ ہیں **میکسلمیناہ' مرطونس' سنونس' سارینونس' ذ ونواس** اور **کعسططیونس** (پیر کرم شاہ' تفسیر ضیاء القرآن' ۳/۲۲)

۱۱۵۔ پیر کرم شاہ' تفسیر ضیاء القرآن' ۳/۱۲۔۱۳

۱۱۶۔ ابوبکر جصاص' احکام القرآن' دار الکتاب العربیہ' بیروت' (ت۔ن)' ۳/۲۱۳۔

۱۱۷۔ ابوامیہ بن مغیرہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کا والد اور قریش میں سب سے زیادہ معمر شخص تھا۔ اور یہ قریش کا مشیر تھا۔ (ابن ہشام' السیرۃ النبویہ' تحقیق' مصطفی السقا و دیگر' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۹۳۶ء' حاشیہ نمبر ۳' جلد ۱' ص ۲۰۹)۔

۱۱۸۔ اس دروازے کو عہد جاہلیت میں باب بنی عبد شمس اور عہد رسالت میں باب بنی شیبہ کہا جاتا اب اسے باب السلام کہا جاتا ہے۔ (ایضاً" حاشیہ نمبر ۴)

۱۱۹۔ ابن ہشام' السیرۃ النبویہ' ۱/۲۰۹۔

۱۲۰۔ محمد حسین ھیکل' حیات محمدؐ' ترجمہ' ابویحیٰ امام خان نوشیروی' علم و عرفان پبلشرز' لاہور' ۱۹۹۹ء' ص ۱۵۰۔۱۵۱۔

۱۲۱۔ سورۃ الانعام' ۶/۳۸۔

۱۲۲۔ سورۃ النحل' ۱۶/۸۹۔

۱۲۴۔ بیضاوی، انوار التنزیل، ۱/۹۰۔

۱۲۵۔ جصاص، احکام القرآن، ۲/۱۹۱۔

۱۲۶۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۵/۱۷۷۔

۱۲۷۔ امام سبکی، تکملہ المجموع، المکتبہ السلفیہ، مدینہ منورہ، (ت۔ن)، ۱۴/۹۳۔

۱۲۸۔ سورۃ الاعراف، ۷/۱۵۸۔

۱۲۹۔ ابن العربی، احکام القرآن، دارالمعرفۃ بیروت، ۱۹۷۲، ۳/۱۵۰۰۔

۱۳۰۔ سورۃ التوبۃ، ۹/۶۰۔

۱۳۱۔ وھبہ الزحیلی، التفسیر المنیر فی العقیدہ والشریعۃ دارالفکر، بیروت، ۱۹۹۱، ۱۰/۲۶۷۔

۱۳۲۔ ابن قدامہ، المغنی، مکتبہ ریاض الحدیثہ، ریاض، ۱۹۸۱، ۵/۸۷۔

۱۳۳۔ سورۃ یوسف، ۱۲/۵۵۔

۱۳۴۔ شوکانی، نیل الاوطار، ۷/۹۔

۱۳۵۔ السید سابق، فقہ السنہ، دارالکتاب العربیہ، بیروت، ۱۹۷۱ء، ۳/۲۲۹۔

۱۳۶۔ سورۃ یوسف، ۱۲/۹۳۔

۱۳۷۔ ابن العربی، احکام القرآن، ۳/۱۲۲۸۔
الزحیلی، التفسیر المنیر، ۱۵/۲۳۴۔

۱۳۸۔ سورۃ الکھف، ۱۸/۱۹۔

۱۳۹۔ ابن العربی، احکام القرآن، ۳/۱۲۳۱۔

۱۴۰۔ جصاص، احکام القرآن، ۳/۲۱۳۔

۱۴۱۔ الزحیلی، التفسیر المنیر، ۱۵/۲۳۴۔

۱۴۲۔ سورۃ السجدہ، ۳۲/۱۱۔

۱۴۳۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۱۴/۹۴۔
ابن العربی، احکام القرآن، ۳/۱۵۰۰۔

۱۴۴۔ سورۃ النساء، ۴/۱۰۵۔

۱۴۵۔ جسٹس تنزیل الرحمٰن "اسلامی نظام عدل" (خلاصہ رپورٹ اسلامی نظریاتی کونسل)، پی ایل

۱۴۶۔ سورۃ النساء، ۴/۱۰۶۔۱۰۹۔

۱۴۷۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۵/۳۷۷۔

۱۴۸۔ البخاری، (کتاب الوکالۃ، ۱/۳۰۸۔۳۱۱۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے امام بخاری کی ان احادیث کے متعلق تحریر کیا ہے کہ ان چھبیس روایات میں سے چھ آثار صحابہ، چھ معلق اور باقی موصولہ روایات ہیں ان میں سے بارہ روایات کا ذکر اس سے قبل بھی آ چکا ہے۔ امام مسلم نے پانچ روایات کے علاوہ باقی تمام روایات کی تخریج کی ہے۔ (ابن حجر، فتح الباری، ۴/۴۹۴۔)

۱۴۹۔ ابوداؤد، (کتاب الاقضیہ، باب الوکالۃ ۲/۵۱۱۔

۱۵۰۔ دار قطنی، سنن، (کتاب المکاتب، باب الوکالۃ، سید عبداللہ ہاشم، مدینہ منورہ، ۱۹۶۶، ۴/۱۵۴۔

۱۵۱۔ بیہقی، السنن الکبری، (کتاب الوکالۃ، دارالفکر، بیروت، (ت۔ ن)، ۶/۸۰۔ ۸۲۔

۱۵۲۔ بغوی، شرح السنہ، (باب التوکیل)، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۹۸۳، ۸/۲۱۸۔

۱۵۳۔ ابن تیمیہ، منتقی الاخبار (حدیث نمبر ۳۰۲۸۔ ۳۰۴۲)، دارالفکر، بیروت، ۱۹۷۹ء، ۲/۳۷۵۔۳۷۸۔

۱۵۴۔ ظفر احمد عثمانی، اعلاء السنن، ادارۃ القرآن والعلوم اسلامیہ، کراچی، (ت۔ ن)، ۱۵/۳۰۶۔۳۴۰۔

۱۵۵۔ البخاری، (کتاب الوکالۃ ۱/۳۰۸۔ ۳۱۱۔

۱۵۶۔ ابن ماجہ کی روایت میں ایک بکری خریدنے کا ذکر ہے۔

۱۵۷۔ ابوداود، (کتاب البیوع، باب فی المضارب یخالف)، ۲/۴۸۰۔

ابن ماجہ، (کتاب الصدقات، باب الامین یتجر فیہ فیربح)، نور محمد، کراچی، ۱۳۸۱، ص ۱۷۳۔

۱۵۸۔ بغوی، شرح السنہ، ۸/۲۱۸۔

۱۵۹۔ ابوداؤد، ۲/۴۸۰۔

ترمذی، (ابواب البیوع، باب ماجاء فی اشتراط الولاء)، ۱/۱۷۱۔

۱۶۰۔ ابوداؤد، (کتاب الاقضیہ، باب الوکالۃ)، ۲/۵۱۱۔

۱۶۱۔ ظفر احمد، اعلاء السنن، ۱۵/۳۱۸۔

۱۶۲۔ البخاری، (کتاب المحاربین، باب الاعتراف بالزنی)، ۲/۱۰۰۸۔
مسلم، (کتاب الحدود، باب حد الزنا)، ۲/۶۹۔

۱۶۳۔ ظفر احمد عثمانی، اعلاء السنن، ۱۵/۳۱۱۔

۱۶۴۔ ابن سعد، طبقات الکبری، دار صادر، بیروت، (ت۔ن)، ۸/۹۹۔

۱۶۵۔ نسائی، سنن، (کتاب النکاح، باب نکاح الابن امہ)، قدیمی کتب خانہ، کراچی، (ت۔ن)، ۲/۷۶۔
امام احمد، ۶/۲۹۵۔

۱۶۶۔ ابن سعد، طبقات الکبری، ۸/۱۳۳۔

۱۶۷۔ البخاری، (کتاب الوکالۃ، باب وکالۃ المراۃ الامام)، ۱/۳۱۰۔

۱۶۸۔ نسائی کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم جاؤ اور کچھ لے آؤ خواہ لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو۔ وہ گئے اور انہیں کوئی چیز بھی نہ ملی پھر آپ نے فرمایا کیا تمہیں قرآن مجید کی کچھ سورتیں یاد ہیں اس نے کہا ہاں تو پھر آپ نے قرآن مجید پڑھانے کا ذکر فرمایا۔ (نسائی، کتاب النکاح، باب ذکر امر رسول اللہ فی النکاح، ۲/۶۷)

۱۶۹۔ البخاری، (کتاب الوکالۃ باب اذا وکل رجل فترک الوکیل)، ۱/۳۱۰۔

۱۷۰۔ ایضاً، (باب، وکالۃ الشریک الشریک فی القسمۃ)، ۱/۳۰۸۔

۱۷۱۔ ایضاً۔

۱۷۲۔ شوکانی، نیل الاوطار، ۷/۹۔

۱۷۳۔ البخاری، (کتاب الوکالۃ باب الوکالۃ الشاہد والغائب جائزۃ)، ۱/۳۰۹۔
ایضاً، (کتاب الاستقراض، باب حسن القضاء)، ۱/۳۲۲۔

۱۷۴۔ سید سابق، فقہ السنہ، ۳/۲۳۳۔

۱۷۵۔ عثمانی، اعلاء السنن، ۱۵/۳۲۵۔

۱۷۶۔ قیراط ایک وزنی پیمانہ ہے جو عربوں نے اسلام سے بہت پہلے بوزنطیوں سے لیے۔ اس وقت قیراط کا وزن ۱۹ء. گرام کے برابر تھا (زمباور، قیراط، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب

یونیورسٹی لاہور ۱۹۷۸ جلد ۱۲/۱ ص ۶۱۶)

۱۷۷۔ ابوداود' (کتاب البیوع' باب فی تضمین العاریة)' ۲/۵۰۲۔ امام احمد' ۴/۲۲۲۔

۱۷۸۔ مسیلمہ کا نام ثمامة تھا یہ عام الوفود ۹ھ میں وفد بنی حنیفہ کے ساتھ مدینہ منورہ آیا اس نے وفد کے باقی ارکان کے ساتھ دربار رسالت میں حاضری نہیں دی بلکہ غرور و تکبر اور انکار کا اظہار کیا۔ اس نے کہا اگر محمد (ﷺ) نے کاروبار حکومت کو اپنے بعد میرے حوالے کرنا طے کیا تو میں ان کی پیروی کروں گا پھر رسول اللہ ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے تو آپ نے مذکورہ کلام فرمایا۔ (ابن حجر عسقلانی' فتح الباری' ۸/۸۷۔ ۹۳)

۱۷۹۔ آپ انصار کے خطیب تھے اور عربی کے مشہور شاعر امراء القیس کے سلسلہ سے تھے۔ سورۃ الحجرات کی آیت رفع صوت آپ ہی کے بارے نازل ہوئی۔ (ابن اثیر' اسد الغابہ ترجمہ عبدالشکور فاروقی' مکتبہ نبویہ' لاہور' ۱۴۰۷ھ' ۲/۴۰)۔

۱۸۰۔ البخاری' (کتاب المغازی' باب وفد بنی حنیفة وحدیث ثمامه)' ۲/۶۲۸۔

۱۸۱۔ نسائی کی ایک روایت کے مطابق ابوعمر بن حفص ایک جہاد میں یمن کی طرف گیا تھا۔ ۲/۱۱۸۔

۱۸۲۔ مسلم' (کتاب الطلاق' باب المطلقة البائن لانفقة لها)' ۱/۴۸۳۔

نسائی' (کتاب النکاح' باب خطبة الرجل اذا ترک الخاطب اواذن له)' ۲/۷۳۔

ایضاً" باب الرخصة المبتوتة من بیتها)' ۲/۱۱۹۔

۱۸۳۔ البخاری' (کتاب الزکاۃ باب اذا تصدق علی ابنه وهو لایشعر) ۱/۱۹۱۔

۱۸۴۔ ابن تیمیہ' منتقی الاخبار' ۲/۷۷' ۳/۷۸۔

۱۸۵۔ اس ولید سے مراد ولید بن عقبہ بن معیط ہے جسے حضرت عثمانؓ نے کوفہ کا عامل مقرر کیا تھا۔ پھر اسے معزول کر کے سعید بن عاص کو عامل مقرر کیا (محمد تقی عثمانی' تکملہ فتح الملہم' مکتبہ دار العلوم' کراچی' ۱۴۰۷ء' ۲/۴۹۸) یہ یوم الفتح المکہ پر اسلام لایا۔ سورۃ الحجرات کی آیت "ان جاء فاسق بنبا" اسی کے لیے نازل ہوئی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبیلہ بنی مصطلق کی طرف وصولی زکاۃ کے لیے بھیجا تھا (ابن سعد' الطبقات الکبیر' ۶/۲۴۔

ابن الاثیر' اسد الغابہ' تحقیق شیخ علی محمد و دیگر' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۹۹۴' ۵/۴۲۰۔

۱۸۶۔ مسلم' (کتاب الحدود' باب حد الخمر)' ۲/۷۲۔

۱۸۸۔ ظفر احمد عثمانی' اعلاء السنن' ۱۵/۳۱۱۔

۱۸۹۔ یہ آپ اس لیے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "**کفی بک اثما ان لاتزال مخاصما**" کسی آدمی کے گناہ گار ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہمیشہ جھگڑتا ہے (ترمذی' ابواب **البر والصلۃ** باب ماجاء فی المراء' ۲/۲۰۔ ابن حجر' فتح الباری' ۱۳/۱۸۱)

۱۹۰۔ بیہقی' (کتاب الوکالۃ' باب التوکیل فی الخصومات مع الحضور **والغیبۃ**) ۶/۸۱

ابن ابی شیبہ' (کتاب البیوع' باب فی **الوکالۃ فی الخصومت**)' ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ' کراچی' ۱۹۸۶' ۷/۲۹۹۔

۱۹۱۔ حضرت عقیل بن ابی طالب بن ہاشم ابوزید حضور ﷺ کے چچا کے بیٹے تھے صلح حدیبیہ سے قبل اسلام لائے۔ جنگ موتہ میں آپ نے شرکت کی۔ آپ قریش کے نسب ناموں اور ان کے تاریخی ایام کے بہت بڑے عالم تھے۔ آپ حضرت امیر معاویہؓ کے دور خلافت میں فوت ہوئے (صفی الدین خزرجی' **خلاصۃ تذھیب تھذیب الکمال' المکتبۃ الاثریہ' سانگلہ ہل**' (ت۔ ن) ۲۳۸۔۲۳۹۔ احمد بن یحییٰ بلاذری' انساب الاشراف' **موسسۃ الاعلمی المطبوعات**' بیروت' ۱۹۷۶ء' ۲/۶۹۔۷۰)

۱۹۲۔ عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب ابو جعفر بن ذی الجناحین حبشہ میں مہاجرین میں سے سب سے پہلے پیدا ہوئے اور ۸۰ھ کو فوت ہوئے۔ (الخزرجی' **خلاصۃ تذھیب**' ۲/۴۶)

۱۹۳۔ امام سبکی' المجموع شرح المھذب تکملہ شرح المھذب' ۱۴/۹۸

۱۹۴۔ ایضاً۔

۱۹۵۔ امیہ بن خلف اسلام کا شدید ترین دشمن اور مکہ مکرمہ میں حضرت بلالؓ کا آقا تھا اس نے آپ کو قبولیت اسلام کے بعد شدید اذیتیں دی تھیں۔

۱۹۶۔ البخاری' (کتاب الوکالت' باب اذا وکل المسلم حربیاً" فی دار الحرب)' ۱/۳۰۸۔

۱۹۷۔ شاہ ولی اللہ' **ازالۃ الخفاء**' ترجمہ' اشتیاق احمد' قدیمی کتب خانہ' کراچی' (ت۔ ن)' ۳/۴۶۳۔

اسی طرح کی ایک اور روایت امام عبدالرزاق کی المصنف میں بھی موجود ہے۔ (کتاب العقول'

۱۹۸۔ خلفاء محمد (ابوبکرؓ و عمرؓ) کے عہد میں عدلیہ و انتظامیہ ترجمہ محمود عالم قریشی، نقوش رسول نمبر، (شمارہ نمبر ۱۳۰، جنوری ۱۹۸۵) ادارہ فروغ اردو، لاہور، ۵۶۸/۱۳۔

۱۹۹۔ ظفر احمد عثمانی، اعلاء السنن، ۳۱۸/۱۵۔

۲۰۰۔ ایضاً۔

۲۰۱۔ سرخسی، المبسوط، ۱۴۹/۸۔

۲۰۲۔ علاؤالدین، الدر المختار، ص ۶۸۳۔

۲۰۳۔ ابن نجیم، البحرالرائق، ۱۴۱/۷۔

۲۰۴۔ جزیری، کتاب الفقہ، ۱۶۸/۳۔

۲۰۵۔ الشربینی، مغنی المحتاج، ۲۱۷/۲۔

۲۰۶۔ شمس الدین، **نهاية المحتاج**، ۱۵/۵۔

۲۰۷۔ ابن رشد، **بداية المجتهد**، فاران اکیڈمی، لاہور، (ت۔ن)، ۲۲۶/۲۔

۲۰۸۔ ابن قدامہ، المغنی، ۸۷/۵۔

۲۰۹۔ بھوتی، کشاف القناع، عالم الکتب، بیروت، ۱۹۸۳، ۴۶۱/۳۔

۲۱۰۔ الشربینی، مغنی المحتاج، ۲۱۷/۲۔

۲۱۱۔ السید سابق، فقہ السنہ، ۲۲۹/۳۔

۲۱۲۔ سورۃ المائدہ، ۲/۵۔

۲۱۳۔ امام احمد، ۵۱۴/۲۔

اسی مسند کے صفحہ ۲۷۴ پر بھی یہ روایت موجود ہے لیکن وہاں عون العبد کی بجائے عون المرء کے الفاظ ہیں۔

باب سوم

اسباب، عناصر، ارکان، شرائط اور حکم وکالت

۸۵- ۱۲۹

اسباب، عناصر، ارکان، شرائط و حکم وکالت

فصل اول

اسباب وکالت

اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو جو خصوصیات عطا فرمائیں ان میں سے ایک خصوصیت لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرنا ہے۔ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"یرید اللّٰہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر"(۱)

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ تمہارے لیے تنگی کی بجائے آسانی فراہم کرتا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

"وما جعل علیکم فی الدین من حرج"(۲)

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے دین کے معاملے میں تمہارے لیے کوئی تنگی نہیں رکھی۔

دین اسلام کے آسان ہونے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

i۔ **"ان الدین یسر"(۳)** بے شک دین آسان ہے۔

ii۔ **"احب الدین الی اللّٰہ الحنیفیۃ السمحۃ"(۴)**

اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین حنیف ہے جو آسان ہے۔

iii۔ احکام دین میں لوگوں کے لیے آسان پیدا کرنے کا حکم اس طرح دیا گیا۔

احکام دین میں لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرو اور سختی نہ کرو۔

اس آسانی کی بنیاد پر قرآن و حدیث میں وکالت کی اجازت دی گئی۔

وکالت ہر دور میں انسان کی ایک ناگزیر ضرورت رہی اور رہے گی۔ کیونکہ بعض صورتوں میں انسان اپنی جائیداد اور دیگر معاملات کے انتظام و انصرام سے قاصر ہوتا ہے یا انتظام و انصرام کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اس لیے اسلام نے مسلمانوں کو یہ اجازت دی کہ وہ اپنے بعض قابل نیابت دینی اور دنیاوی امور بلا تفریق دین اپنے وکلاء کی معرفت انجام دے سکتے ہیں۔

اگرچہ شریعت میں بلاعذر بھی توکیل کی اجازت ہے۔ لیکن پھر بھی فقہاء کرام نے کتب فقہ میں ان اسباب کا ذکر کیا ہے جن کی بنا پر کوئی شخص اپنے معاملات طے کرنے کے لیے کسی کو وکیل مقرر کر سکتا ہے۔ امام سرخسی فرماتے ہیں۔

"فقد یعجز الانسان عن حفظ مالہ عند خروجہ للسفر' وقد یعجز عن التصرف فی مالہ لقلۃ ہدایتہ وکثرۃ اشتغالہ اولکثرۃ مالہ فیحتاج الی التفویض التصرف الی الغیر بطریق الوکالۃ"(۶)

کبھی انسان سفر پر جاتے وقت اپنے مال کی حفاظت سے کبھی معروفیت' عدم علم اور کثرت مال کے باعث اپنے مال میں تصرف کرنے سے عاجز آ جاتا ہے اور وکالت کے ذریعہ کسی غیر کو تصرف دینے کا محتاج ہو جاتا ہے۔

ابو اسحاق ابراہیم بن علی شیرازی مہذب میں فرماتے ہیں۔

"قد یکون لہ مال ولا یحسن التجارۃ فیہ' وقد یحسن ولا یتفرغ الیہ لکثرۃ اشغالہ فجاز ان یوکل فیہ غیرہ"(۷)

کبھی انسان کے پاس مال ہوتا ہے لیکن اچھی تجارت کرنے کا علم نہیں ہوتا اور کبھی تجارت کا علم ہوتا ہے لیکن کثرت مصروفیت کے باعث تجارت کے لیے فراغت نہیں ہوتی۔ لہٰذا ان امور میں کسی دوسرے کو وکیل کرنا جائز ہے۔

علامہ علاؤ الدین نے وکالت کے یہ دو اسباب بیان کیے ہیں۔

"ترفہا" او عجزا" "(۸) یعنی وکالت آسائش اور عاجزی کی بنا پر کی جا سکتی ہے۔

فقیہ ابو اللیث سمرقندی اور علامہ عبد اللہ بن احمد محمود نسفی نے پردہ نشینی کو بھی وکالت کا سبب

قرار دیتے ہوئے کہا۔

اگر پردہ نشیں عورت جو عام لوگوں اور قاضیوں کی مجلس میں جانے کی عادی نہیں اس کے لیے بھی اپنے امور میں کسی کو وکالت سونپنا جائز ہے۔(۹)

علامہ ابن نجیم نے البحرالرائق اور الاشباہ والنظائر میں فرمایا ہے۔

"لایجوز عند الامام الا ان یکون الموکل مسافراً" او مریضاً" او مخدرة"(۱۰)

امام ابو حنیفہ کے نزدیک وکالت اس وقت جائز ہے جب موکل مسافر، مریض یا پردہ نشیں عورت ہو۔

فتاوی ہندیہ میں قید کو وجہ توکیل اس طرح بیان کیا گیا:

"ان کان الموکل محبوساً" فی سبحن الوالی و ھو لایمکنه الخروج للخصومة یقبل منه التوکیل"(۱۱)

اگر موکل کسی قید میں ہو اور خصومت کے لیے اس کا باہر نکلنا ناممکن ہو تو اس کی طرف سے توکیل جائز ہے۔

یہ وہ اسباب ہیں جن کی وجہ سے کوئی شخص اپنے امور کی انجام دہی کے لیے کسی کو وکیل مقرر کر سکتا ہے۔

اب ان اسباب وکالت کا ذکر الگ الگ کیا جاتا ہے۔

۱۔ عدم حفظ

عدم حفظ (Insecurity) سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی کسی چیز کی حفاظت کرنے سے قاصر ہو۔ خواہ اس کی وجہ جسمانی کمزوری ہو بیماری، دینی مصروفیت ہو یا دنیاوی مصروفیت لہٰذا اس سبب کی بنا پر کسی بھی شخص کے لیے اپنے معاملات طے کرنے کے لیے توکیل جائز ہے۔

۲۔ عدم سفر

اگر کسی شخص کا کسی مقام پر کوئی کاروبار ہو یا لین دین، کسی فرض کو ادا کرنا ہو یا کسی عدالت میں مقدمہ زیر سماعت ہو اور موکل کسی عارضہ، بیماری یا کسی اور سبب سے سفر کرنے سے عاجز ہو تو وہ شخص ان امور کو بجالانے کے لیے وکیل مقرر کر سکتا ہے۔ اس سب کو عدم سفر (Disability of Travelling) کہا جاتا ہے۔

۳۔ مصروفیت

اپنے معاملات خود طے نہ کر سکنے کی ایک وجہ مصروفیت (Engagement) بھی ہو سکتی ہے خواہ یہ مصروفیت دینی ہو یا دنیاوی لہٰذا اس مصروفیت کے باعث موکل اپنے لیے وکیل نامزد کر سکتا ہے۔

۴۔ عدم علم

اگر کسی شخص کو ایسے معاملے کا سامنا کرنا پڑے جس کے متعلق اسے علم نہ ہو جیسے کوئی شخص کسی ایسی چیز کو خریدنا چاہتا ہو جس کے بارے میں اسے ضروری معلومات نہ ہوں یا کسی مقدمہ میں اپنے مدعا کو دعوی یا جواب دعوی کی صورت میں بیان نہ کر سکتا ہو تو اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے وہ اپنا وکیل مقرر کر سکتا ہے۔

۵۔ کثرت مال/وسعت کاروبار

اگر کسی شخص کے متعدد مقامات پر کاروبار ہوں یا ایک ہی مقام پر اتنے کاروبار ہوں کہ وہ خود انہیں چلا نہ سکتا ہو تو وہ اپنے کاروبار چلانے کے لیے وکیل مقرر کر سکتا ہے۔

۶۔ عجز

عجز (Disability) سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بولنے سے عاجز اور معذور ہو یا جسمانی کمزوری کے باعث بولنے پر مکمل قادر نہ ہو یا کسی عذر یا بیماری کے باعث سفر کرنے سے عاجز ہو تو بھی اسے اجازت ہے کہ وہ اپنا معاملات طے کرنے کے لیے وکیل مقرر کر لے۔

۷۔ محبوس ہونا

محبوس یا قید میں ہونا (Imprison) بھی توکیل کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ اگر کوئی شخص کسی سزا کی وجہ سے قید میں ہو تو اپنے اور اپنی بیوی بچوں کے لیے اشیاء کی خرید و فروخت اور دیگر مقدمات و معاملات طے کرنے کے لیے وکیل مقرر کر سکتا ہے۔

۸۔ بیماری

اگر موکل بیمار ہو اور بیماری کے باعث اپنے معاملات طے کرنے سے قاصر ہو تو اس سبب کے باعث بھی اسے اپنا وکیل مقرر کرنے کا اختیار ہے۔

عناصر و ارکان وکالت

عناصر وکالت

عناصر وکالت سے مراد وہ عناصر ہیں جو عقد وکالت کی تکمیل میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی ایک عنصر بھی مفقود ہو تو عقد وکالت کامل نہیں ہوتا۔ فقہاء کرام نے وکالت کے یہ چار عناصر بیان کیے ہیں۔

۱۔ موکل

موکل (Client) سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے معاملات طے کرنے کے لیے کسی کو وکیل کو مقرر کرتا ہے۔

۲۔ وکیل

وکیل (Advocate/Agent) اس شخص کو کہا جاتا ہے جسے موکل اپنی ضرورت کے تحت کسی کام کو سرانجام دینے کے لیے مقرر کرتا ہے۔

۳۔ موکل فیہ

موکل فیہ (Case) سے مراد وہ امور و معاملات ہیں جن کو کرنے کے لیے موکل اپنا وکیل نامزد کرتا ہے۔

۴۔ صیغہ وکالت

وہ الفاظ یا طریقہ (Grammtical form) جس سے موکل اپنے وکیل کو مقرر کرتا ہے صیغہ وکالت کہلاتا ہے۔(۱۸)

ارکان وکالت

ارکان(۱۹) وکالت سے مراد وکالت کے وہ بنیادی ارکان ہیں جو موکل اور وکیل کے درمیان

پردہ نشین عورت سے مراد وہ عورت ہے جو غیر محرم آدمیوں سے نہ ملتی ہو یا ملنے سے شرم محسوس کرتی ہو۔ اگرچہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ(۱۲) ایسی پردہ نشیں عورتیں چونکہ اپنے گھروں سے باہر نہیں نکلتیں نہ ہی عام لوگوں سے کاروباری لین دین کرتی ہیں۔ نیز عورتیں عدالتوں میں جانے سے بھی گریزاں ہوتی ہیں لہٰذا ایسی پردہ نشین عورتیں پردہ نشینی (Modesty) کے باعث اپنے مسائل و معاملات کے لیے وکیل مقرر کر سکتی ہیں۔

۱۰۔ عذر شرعی

اگر کسی شخص کو عدالت میں حاضری کے لیے کوئی شرعی عذر (Religious objection) مانع ہو تو بھی وکیل خصومت فریق ثانی کی رضامندی کے بغیر مقرر کیا جا سکتا ہے۔ جیسے موکل کا اعتکاف میں ہونا یا اگر عدالت مسجد میں لگائی گئی ہو اور حیض و نفاس والی عورت کسی مقدمہ میں شریک ہو تو وہ ان حالات میں مسجد میں نہیں آسکتی لہٰذا اس شرعی عذر کے باعث وہ اپنا وکیل مقرر کر سکتی ہے۔(۱۳)

۱۱۔ آسائش

ان مذکورہ اسباب میں سے اگر موکل کسی بھی سبب سے دوچار نہ ہو تو بھی موکل اپنے معاملات طے کرنے کے لیے وکیل مقرر کر سکتا ہے اور ایسا کرنا شرعاً جائز ہے۔ اس لیے فقہاء نے "**ترفہاً اوعجزاً**"(۱۴) کے الفاظ استعمال کیے ہیں یعنی وکالت خواہ آسائش (Facility) کی بنا پر ہو یا کسی عجز و معذوری کے باعث وہ وکالت جائز ہو گی۔

آسائش کی بنا پر وکالت کی اجازت اس حدیث سے ملتی ہے جسے حضرت ابوھریرہؓ نے روایت کیا ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ ایک شخص کا اونٹ واجب الادا تھا۔ جب وہ شخص اپنا اونٹ لینے آیا تو آپؐ نے صحابہ کرام سے فرمایا اسے اونٹ دے دو۔(۱۵)

اس حدیث کے ضمن میں علامہ قرطبی فرماتے ہیں:

کہ یہ حدیث موکل کے صحت مند ہونے کے باوجود وکالت کا جواز پیش کرتی ہے کیونکہ جب آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو اونٹ واپس کرنے کا حکم فرمایا تو اس وقت آپ بیمار تھے اور نہ مسافر(۱۶)

قاضی وکیع بن خلف نے بلا عذر و سبب وکیل مقرر کرنے کے جواز کا ذکر اس طرح کیا کہ محمد بن عمر اور عبداللہ بن جعفر نے کہا کہ انہوں نے ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کو خصومت میں وکیل نامزد کیا۔ "**وھو حاضر المصر لاعلة به**"(۱۷) حالانکہ وہ مصر میں تھے اور انہیں کسی طرح کا کوئی سبب لاحق نہ تھا۔

"امابیان رکن التوکیل فھو الایجاب والقبول"(۲۰)

وکالت کے ارکان دو ہیں۔ ایجاب اور قبول۔

علامہ موفق الدین ابن قدامہ نے المغنی میں اس طرح ارکان وکالت کا ذکر کیا ہے۔

"لاتصح الوکالۃ الا بالایجاب والقبول"(۲۱)

وکالت ایجاب اور قبول کے بغیر صحیح نہیں ہوتی۔

ایجاب

دیگر عقود کی طرح وکالت بھی ایک عقد ہے جس طرح باقی عقود کی تکمیل ایجاب اور قبول سے ہوتی ہے اسی طرح عقد وکالت کی تکمیل کے لیے بھی ایجاب و قبول کا ہونا ضروری ہے۔ ایجاب (Offer) سے مراد موکل کی طرف سے وکیل کو وکالت کی پیش کش کرنا ہے جیسے کوئی کہے۔

میں نے تجھے فلاں کام کے لیے وکیل بنایا ہے۔ تو یہ کام کریا میں نے تجھے فلاں کام کرنے کی اجازت دی۔ تو ان الفاظ سے وکالت منعقد ہو جائے گی۔ ایجابی الفاظ کے متعلق فتاوی ہندیہ میں ہے۔

"کل لفظ یدل علی الاطلاق"(۲۲)

عقد وکالت میں ان الفاظ کا ہونا ضروری ہے جو مفہوم وکالت کو واضح کریں جیسے "**وکلتک**" میں نے تجھے وکیل کیا۔ "**ھویت**" میں نے خواہش کی۔ "**احببت**" میں نے پسند کیا۔ "**شئت**" میں نے چاہا اور "**اردت**" میں نے ارادہ کیا۔ اسی طرح اگر ایجاب وکالت کے لیے موکل نے کسی سے کہا۔

"میری زندگی میں تو میرا وصی ہے یا فلاں قرض کی وصولی میں تو میرا وکیل ہے یا موکل نے صرف کام کا ذکر کیا جیسے الف نے ب سے کہا۔ میں تیرا نکاح کر دوں تو ب نے جواباً" کہا ہاں تو ان الفاظ سے وکالت کا اثبات ہو جائے گا"(۲۳)

اگر ایجاب کے یہ الفاظ ہوں۔ "**فوضت امری الیک**" میں نے اپنا کام تیرے سپرد کیا۔ "**الیک امر دیونی**" میرے قرض کا معاملہ تیرے سپرد ہے۔ "**فوضت امر دوابی**" میرے جانور کا معاملہ تیرے سپرد ہے۔ ان الفاظ سے بھی وکالت کا اثبات ہو جائے گا۔

اگر موکل نے کسی سے کہا:

"**فوضت امراتی الیک**" میں نے اپنی بیوی تیرے سپرد کی۔ تو اس سے صرف حق طلاق حاصل ہو گا۔(۲۴) اگر موکل نے ایجاب کے لیے یہ کہا کہ فلاں شخص میرے ہر معاملے میں وکیل ہے اور کس

خاص تصرف کا ذکر نہیں کیا تو اس سے صرف ادنی تصرف(۲۵) (حفظ مال) کی وکالت ثابت ہو گی۔(۲۶) اگر موکل نے وکیل سے کہا "**انت وکیلی فی کل شئی جائز**" تو میرے ہر جائز کام میں وکیل ہے تو اس سے مراد معاوضات و تصرفات مالیہ(۲۷) ہوں گے لیکن اس میں طلاق اور ھبہ جیسے معاملات شامل نہیں ہوں گے البتہ اگر کسی نے اپنی زوجہ سے کہا: "**انت وکیلی فی کل شئی**" تو میرے ہر معاملے میں میری وکیل ہے۔ تو وہ بیوی اپنے شوہر کے تمام امور بشمول تصرفات مالیہ میں وکیل ہو گی۔(۲۸)

ایجاب ان الفاظ سے ہونا چاہیے جو لغوی' عرفی اور قانونی لحاظ سے درست ہوں۔ اگر لغوی اور عرفی معنی میں اختلاف ہو تو عرفی معنی قابل ترجیح ہو گا۔(۲۹) اگر ایجاب میں عمومیت ہو یعنی موکل نے یہ کہا ہو۔

کہ تو جو کچھ میرے لیے کرے وہ جائز ہے یا یہ کہا کہ میں نے اپنے معاملات میں تمہیں وکیل بنایا ہے تو اس سے توکیل عام ثابت ہو گی۔ اگر ایجاب میں کسی خاص موکل فیہ کا ذکر کیا تو اس خاص امر میں وکالت ثابت ہو گی۔(۳۰) اگر ایجاب کے وقت موکل نے موکل فیہ واضح ہی نہیں کیا اور نہ ہی کوئی قرینہ ہو تو ایجاب باطل ہو گا جیسے ابن ابی الدم (م ۶۴۲ھ) نے لکھا ہے۔

اگر موکل نے کسی شخص سے کہا "**وکلتک بکل قلیل و کثیر ولم یجز لانہ غرر کبیر**"(۳۱) میں نے تجھے ہر کم اور زیادہ پر وکیل کیا تو یہ وکالت جائز نہ ہو گی کیونکہ یہ بڑا دھوکہ ہے۔(۳۲)

ایجاب کو اگر کسی وقت یا امر جائز کے ہونے یا نہ ہونے سے مشروط کیا تو شرط پوری ہونے پر ایجاب موثر ہو گا۔(۳۳)

توکیل عام کے ایجاب کے وقت موکل کا پیشہ بھی معروف و معلوم ہونا چاہیے اگر بوقت ایجاب موکل کا کوئی پیشہ معروف نہ ہو تو بھی وکالت باطل ہو گی۔ فتح القدیر میں ہے:

"**وان لم یکن لہ صناعۃ معلومۃ و معاملاتہ مختلفۃ فالوکالۃ باطلہ**"(۳۴)

اگر وکیل کا پیشہ معلوم نہ ہو اور امر وکالت اس کے پیشے سے مختلف ہو تو وکالت باطل ہو گی۔

ایجاب کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ موکل وکیل کو پہچانتا ہو اگر موکل وکیل کو ایجاب وکالت کے وقت پہچانتا نہ ہو تو بھی وکالت درست نہ ہو گی۔ الاقناع میں ہے۔

"**فلو وکل زیدا و ھو لا یعرفہ اولم یعرف الوکیل موکلہ لم یصح**"(۳۵)

اگر زید نے کسی کو وکالت کی پیش کش کی اور وہ اسے پہچانتا نہ ہو یا وکیل اپنے موکل کو نہ

پہچانتا ہو تو وکالت درست نہ ہو گی۔

شریعت اسلامیہ میں ایجاب محض اطلاع دینے اور وکیل کا اطلاع سن کر خاموشی اختیار کرنے سے بھی ثابت ہو جاتا ہے اگرچہ اطلاع دینے والا عادل و صالح ہو یا فاسق و فاجر۔(۳۶) لیکن پھر بھی موجودہ دور کے قانونی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ عقد وکالت کو تحریر میں لایا جائے بالخصوص کسی اہم معاملے میں کس کو جب وکیل مقرر کرنا ہو تو تحریری معاہدہ بہت سے خدشات سے بچنے کا سبب بنتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"یاایھا الذین امنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوہ"(۳۷)

اے ایمان والو جب تم کسی مقررہ مدت کے لیے قرض لو تو اسے لکھ لو۔

امام قرطبی فرماتے ہیں:

اشارۃ ظاھرۃ الی انه یکتبه بجمیع صفة المبینة له المعربة عنه لاختلاف المتوھم بین المتعاملین(۳۸)

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ تمام معاملات جن میں فریقین میں وہم کی بنا پر جھگڑا اور اختلاف کا اندیشہ ہو انہیں تحریر کر لیا جائے۔

قبول

قبول (Acceptance) سے مراد وکیل کی طرف سے قبولیت کا اظہار کرنا ہے یہ اظہار قولی بھی ہو سکتا ہے' عمل اور اشارہ سے بھی۔(۳۹) قبولیت کا اظہار فوری بھی ہو سکتا ہے اور کسی سبب کی بنا پر کچھ تاخیر سے بھی۔(۴۰)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن صحابہ کرامؓ کو اپنے معاملات میں وکیل مقرر کیا تھا ان کے متعلق علامہ بھوتی فرماتے ہیں:

"لان وکلاء النبی صلی اللہ علیه وسلم لم ینقل عنھم سوی امتثال اوامرہ"(۴۱)

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وکلاء نے قبولیت کا اظہار اپنے عمل سے کیا تھا۔

قولی اظہار رضا مندی کے لیے ماضی کا صیغہ استعمال کرنا چاہیے کیونکہ مستقبل کے صیغے سے عقد وکالت کی تکمیل نہیں ہوتی۔ اگر موکل اور وکیل دونوں نے ماضی کا صیغہ استعمال کیا یا موکل نے حال کا اور وکیل نے ماضی کا صیغہ استعمال کیا تو بھی اثبات وکالت ہو جائے گا۔

موکل کے لیے ضروری ہے کہ وہ جس شخص کو وکیل مقرر کر رہا ہے وہ اسے پہچانتا بھی

شخص کو اس کی عدم موجودگی میں وکیل مقرر کیا تو جونہی اسے وکیل بننے کی خبر موصول ہو گی وکالت کا اثبات ہو جائے گا۔ بشرطیکہ اس وکیل نے اس خبر پر رضا مندی کا اظہار کر دیا ہو۔ یہ خبر وکیل کو تحریری طور پر یا پیغام رسانی کے کسی بھی جدید طریقہ سے دی جا سکتی ہے۔ اگر وکیل کو تقرری وکالت کی خبر دینے والا شخص عادل نہ بھی ہو تو بھی عقد وکالت کا اثبات ہو جائے گا۔(۴۳)

اگر وکیل قبولیت وکالت کو کسی وقت یا معروف اور جائز شرط سے معلق کر دے اور موکل نے بھی اس شرط پر رضا مندی کا اظہار کر دیا ہو تو شرط پوری ہونے پر وکالت کا اثبات ہو گا پہلے نہیں۔(۴۴)

قبولیت وکالت کے لیے ضروری ہے کہ وکیل موکل کو پہچانتا ہو۔ اگر ایجاب کے بعد وکیل موکل کی عدم پہچان ظاہر کرے اور پھر قبولیت کا اظہار بھی ہو تو وکالت ثابت نہیں ہو گی۔(۴۵)

اگر خصوصی اور اہم معاملات میں وکالت کا ایجاب ہو تو قبولیت تحریری ہونی چاہیے اگرچہ فقہاء کے نزدیک اس کا تحریری ہونا ضروری نہیں۔(۴۶) لیکن عصر حاضر میں عقد تحریری نہ ہونے پر کئی طرح کے خدشات و خطرات جنم لے سکتے ہیں۔

فصل سوم

شرائط و حکم وکالت

شرائط وکالت

عناصر وکالت کے لحاظ سے شرائط وکالت کی درج ذیل اقسام ہیں۔

i۔ موکل سے متعلق شرائط۔

ii۔ وکیل سے متعلق شرائط۔

iii۔ موکل فیہ سے متعلق شرائط۔

iv۔ صیغہ وکالت سے متعلق شرائط۔

شرائط کی ان اقسام پر اب مفصل بحث کی جاتی ہے۔

موکل سے متعلق شرائط

فقہاء کرام کے نزدیک موکل سے متعلق یہ شرائط ہیں۔

i۔ عاقل ہونا

موکل سے متعلق پہلی شرط یہ ہے کہ وہ عاقل (Sensible) ہو کیونکہ وہ شخص جو مکمل جنون کی حالت میں ہو وہ کسی کا موکل نہیں بن سکتا۔ البحرالرائق میں ہے۔

"**فلا یصح توکیل مجنون**"(۴۷) یعنی مجنون شخص کی وکالت درست نہیں ہوتی۔

اس کا سبب یہ ہے کہ مجنون کسی کام کو انجام دینے اور کسی ملکیت میں تصرف کرنے کے اہل نہیں ہوتا اس بنا پر اس کی وکالت درست نہیں ہوگی۔(۴۸)

وہ انسان جو کبھی مجنون ہو اور کبھی عاقل۔ ایسے شخص کی حالت جنون میں کی گئی وکالت غیر موثر ہوگی اور افاقے کی حالت میں کی گئی وکالت درست ہوگی۔(۴۹) بشرطیکہ دورے اور افاقے کے اوقات معلوم و معروف ہوں اور افاقہ کی حالت سے یقینی تمیز کی جا سکے۔

معتوہ یعنی ناقص العقل کی توکیل کسی صورت میں صحیح نہیں ہوتی۔

ii۔ بلوغت

موکل کے لیے دوسری شرط (بلوغت Adolescence) ہے یعنی موکل بالغ ہو۔(۵۰) ابن نجیم نے لکھا ہے:

"فلایصح توکیل صبی لایعقل مطلقاً"(۵۱)

بچے کی وکالت درست نہیں ہوتی کیونکہ وہ مطلقاً" عقل اور تصرف کا اختیار نہیں رکھتا البتہ اگر عاقل و سمجھدار بچہ اگرچہ بالغ نہ بھی ہو تو وہ تصرفات نافعہ یعنی نفع آور امور میں موکل بن سکتا ہے اگرچہ اس کے ولی نے اسے توکیل کی اجازت نہ دی ہو۔ جیسے ھبہ اور صدقہ قبول کرنا۔ وہ امور جن میں نفع اور نقصان دونوں کا احتمال ہو جیسے عقود تملیکات(۵۲) وغیرہ۔ اس صورت میں اگر اس عاقل بچے کو ولی(۵۳) کی طرف سے تجارت کرنے کی اجازت حاصل ہو تو توکیل درست ہو گی۔ اگر ولی کی طرف سے اجازت نہ ہو تو پھر توکیل ولی کی اجازت پر موقوف ہو گی۔(۵۴)

وہ امور جن میں عاقل بچے کو تصرف کا خود اختیار نہ ہو اور واضح طور پر ان میں نقصان ہو جیسے طلاق' ھبہ اور صدقہ وغیرہ۔ ان معاملات میں سمجھدار بچے کی بھی وکالت کسی صورت میں جائز نہیں ہو گی اگرچہ اس کے ولی نے اسے اجازت دی ہو۔ کیونکہ ان امور میں موکل ہونے کے لیے بلوغت شرط ہے۔(۵۵)

امام شافعی فرماتے ہیں کہ صبی کو اگرچہ اس کے باپ یا حاکم وقت نے بھی تصرف کا اختیار دیا ہو تو بھی اس کی بیع درست نہیں ہو گی کیونکہ وہ شرعاً" مکلف نہیں۔ اس طرح اس کی وکالت بھی درست نہیں ہو گی۔(۵۶)

(iii) اسلام

موکل کے لیے مسلمان ہونا شرط نہیں۔ بدائع الصنائع اور فتاوی ہندیہ میں ہے کہ اگر موکل مرتد ہو اور اسی ملک میں مقیم ہو تو اس کی وکالت درست ہو گی(۵۷) اس طرح اگر غیر مسلم جو بطور ذمی اسلامی ملک کا شہری ہے اسے وہاں تمام حقوق حاصل ہیں تو وہ بھی مسلمان کا موکل ہو سکتا ہے۔ سوائے ان امور کے جن میں موکل کا مسلمان ہونا ضروری ہو جیسے غیر مسلم کا اپنے نکاح کے لیے کسی مسلمان کو وکیل بنانا درست نہیں۔ لہٰذا اسلامی ریاست کا کوئی غیر مسلم شہری کسی مسلمان کو اپنا وکیل مقرر کرے تو یہ درست نہ ہو گا۔ کیونکہ اسلامی حکومت کے ذمہ ذمیوں کے حقوق کا تحفظ بھی اس طرح لازم ہے جس طرح مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ لازم ہے۔

اگر کوئی غیر مسلم کسی مسلمان کو اس لیے وکیل مقرر کرے کہ وہ اس کی طرف سے شراب کی قیمت وصول کرے تو مسلمان کی قیمت وصول کرنا جائز ہو گا۔(۵۸) اگر اس موکل نے مسلم وکیل کے پاس نقد رقم یا کسی اور چیز کے عوض شراب رہن رکھی تو یہ رہن بھی درست ہو گا۔(۵۹)

(iv) ارتداد

اگر کسی مرتد شخص نے مسلمان کو وکیل بنایا تو اس کی سونپی ہوئی وکالت مرتد کے دوبارہ مسلمان ہونے پر منحصر ہو گی یعنی اگر وہ مسلمان ہو گیا تو اس کی وکالت برقرار رہے گی اور اگر اسے ارتداد (Apostacy) کی سزا میں قتل کر دیا گیا۔(۶۰) یا اسلامی حکومت سے نکل کر کسی دشمن ملک میں چلا گیا تو یہ وکالت باطل ہو جائے گی کیونکہ اب اس وکالت پر عملی طور پر عمل نہیں کیا جا سکتا۔

اگر مرتد موکل اس ملک کا شہری ہو جہاں حد ارتداد کا نفاذ نہ ہو تو اس کی وکالت جائز ہو گی جیسے مرتدہ عورت کی وکالت برقرار رہتی ہے۔(۶۱)

اگر مرتد دارالحرب میں جا کر وہاں مسلمان ہو گیا اور اس نے اس ملک کی شہریت اختیار کر لی جس کی توثیق وہاں کی حکومت نے بھی کر دی تو بھی اس کی وکالت باطل ہو گی کیونکہ یہ ابطال مرتد ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ وکالت پر عمل نہ ہونے کی وجہ سے ہو گا۔ اگر مرتد وہاں کی شہریت اختیار کرنے کی بجائے واپس مسلمان ہو کر اسلامی ملک میں آ گیا۔ اگر مسلمان حکومت کی جانب سے دارالحرب کے ساتھ اس کے الحاق کا حکم نامہ جاری کیا جا چکا ہو تو وکالت ختم ہو جائے گی لیکن اگر وہ مذکورہ حکم نامہ جاری کیے جانے سے پیشتر واپس آ گیا تو وکالت بحال ہو جائے گی(۶۲) اس لیے امام طحاوی نے مرتد موکل کی وکالت کا حکم یہ بیان کیا ہے۔

"فیصح توکیل المرتد ولا یتوقف"(۶۳)

مرتد موکل کی وکالت درست ہے اور اس کی صحت میں کوئی شک نہیں۔

اگر مرتد نے دارالحرب میں رہتے ہوئے دارالاسلام میں اپنے مال میں سے کسی شی کی فروخت کے لیے کوئی وکیل مقرر کیا تو وکالت صحیح نہیں ہو گی کیونکہ دارالحرب کے ساتھ لاحق ہونے کی بنا پر اس کی ملکیت زائل ہو چکی ہے۔(۶۴)

مرتدہ عورت کی توکیل جائز ہے کیونکہ اس کے ارتداد سے اس کی ملکیت میں کچھ فرق نہیں پڑتا۔ اگر کسی مرتدہ عورت نے مرتد ہونے سے پہلے کسی کو وکیل بنایا اور پھر وہ مرتد ہو گئی تو اس کے

وکالت میں اس کا نکاح ہوا تو نکاح باطل ہوگا۔(۶۵) اگر مرتدہ موکلہ مسلمان ہوگئی اور پھر اس کے وکیل نے عقد کیا تو وہ درست ہوگا۔(۶۶) اسی طرح اگر مسلمان عورت نے اپنے نکاح کے لیے کسی کو وکیل بنایا پھر وہ مرتد ہوگئی لیکن بعد میں دوبارہ اسلام قبول کرلیا پھر اس کے بعد اُس کے وکیل نے اس کا نکاح کیا تو یہ نکاح جائز نہ ہوگا کیونکہ عورت کے ارتداد کی وجہ سے نکاح کے وکیل کی وکالت ختم ہو چکی تھی۔(۶۷) امام سرخسی فرماتے ہیں:

"توکیل المرتدہ بالتصرفات التی تملک مباشرتها بنفسها صحیحة سواء وکلت بذلک مرتدة مثلها او مسلما"(۶۸)

وہ معاملات جن میں مرتدہ عورت خود مالک ہو ان میں اس کی توکیل جائز ہے ایسی صورت میں مسلمان اور مرتدہ کی توکیل صحیح ہونے پر برابر ہے۔

امام کاسانی فرماتے ہیں۔

"یجوز التوکیل من المرتدة بالاجماع لان تصرفاتها نافذة"(۶۹)

مرتدہ عورت کی جانب سے توکیل بالاجماع درست ہے کیونکہ اس کے تصرفات بالاتفاق نافذ ہوتے ہیں اس لیے اگر کسی ملک میں حد ارتداد کا نفاذ نہ ہو۔ (جیسے پاکستان) اور مرتد بھی اسی ملک میں رہے تو اس کی وکالت جائز ہوگی۔

v۔ تصرف

موکل کے لیے پانچویں شرط یہ ہے کہ جس کام کے لیے وہ کسی کو وکیل مقرر کر رہا ہے اس میں اسے مکمل تصرف (Elegibility and Authority) حاصل ہو۔ ہدایہ میں ہے۔

"من شرط الوکالة ان یکون الموکل ممن یملک التصرف ویلزمه الاحکام"(۷۰)

وکالت کی ایک شرط یہ ہے کہ موکل جس کام میں وکیل مقرر کرے اس پر اس کا مکمل تصرف ہو اور وہ موکل احکام کا مکلف ہو۔

تصرف کی شرط اس لیے ضروری ہے کہ موکل فیہ پر اگر موکل کا تصرف نہ ہو یعنی اس پر قبضہ و اختیار نہ ہو۔ تو وہ وکالت باطل ہوگی۔ اس لیے ابن قدامہ فرماتے ہیں۔

"ومن لا یملک التصرف فی شئی نفسه لا یصح ان یتوکل فیه"(۷۱)

یعنی جو شخص بذات خود کسی چیز پر تصرف و قبضہ نہیں رکھتا اس معاملے میں اس کا موکل بننا

جیسے مسلمان مرد کافرہ عورت سے اور مسلمان عورت کافر مرد سے نکاح کرنے کا اختیار نہیں رکھتی۔(۷۲) لہٰذا اگر کوئی مسلمان مرد موکل کسی غیر مسلم عورت سے نکاح کرنے کے لیے کسی کو وکیل مقرر کرے یا کوئی مسلمان عورت (موکلہ) کسی غیر مسلم مرد سے نکاح کے لیے وکیل مقرر کرے۔ تو یہ وکالت باطل ہوگی۔ کیونکہ یہاں پر موکل اس امر کا اختیار نہیں رکھتا۔ اس طرح اگر کوئی شخص کسی ایسی عورت کو طلاق دینے کے لیے کسی کو وکیل مقرر کرے جو اس کے نکاح میں نہیں ہے تو یہ وکالت بھی عدم تصرف کی بنا پر باطل قرار پائے گی۔

اگر کسی معاملے میں موکل کو مکمل تصرف ہو لیکن عارضی طور پر وہ تصرف معطل بھی ہو جائے تو بھی اس معاملے میں موکل کا وکیل مقرر کرنا جائز ہوگا جیسے حالت احرام میں محرم کے لیے جانوروں کا قتل اور شکار ممنوع ہے(۷۳) لیکن اس حالت میں اگر موکل نے کسی کو شکار کرنے کے لیے وکیل مقرر کیا تو یہ وکالت درست ہوگی۔

اس طرح اگر غیر مسلم نے مسلمان کو شراب اور خنزیر کی قیمت وصول کرنے کے لیے وکیل مقرر کیا تو اس کی یہ وکالت درست ہوگی اگرچہ مسلمان کے لیے شراب اور خنزیر کی تجارت ممنوع ہے۔(۷۴)

صبی اور مجنون کو بھی اسی عدم تصرف کے باعث موکل بننے کی اہلیت سے خارج کیا گیا ہے۔(۷۵)

فقہائے کرام نے کسی بھی معاملے میں کسی موکل یا انسان کے عدم تصرف یہ دو اسباب بیان کیے ہیں۔ (۱) دینی عوارض (۲) جسمانی عوارض

دینی عوارض سے مراد وہ اسباب ہیں جن کے باعث اسلام نے کسی مسلمان کو کسی امر میں اختیارات استعمال کرنے سے روک دیا ہو جیسے مسلمان مرد اور عورت کو کافر عورت اور مرد سے نکاح کرنے کا اختیار اسلام نے ختم کر دیا ہے۔ اسی طرح دوران حج حالت احرام میں کوئی عورت اپنے نکاح کے لیے کسی کو وکیل مقرر نہیں کر سکتی۔(۷۶)

جسمانی عوارض سے مراد وہ وجوہ ہیں جو انسان کے جسم سے متعلق ہیں جیسے صغر سنی اور مجنون ہونا اسی طرح مجور(۷۷) بھی تصرف ملکیت سے محروم ہو جاتا ہے لہٰذا بچہ' مجنون اور مجور وکالت کے اہل نہیں ہوتے۔(۷۸)

عقد وکالت کی تکمیل کے لیے موکل سے متعلق چھٹی شرط یہ ہے کہ وہ عقد وکالت کے بعد وکیل کو باقاعدہ اطلاع (Information) دے اگرچہ یہ اطلاع زبانی ہو یا تحریری یا کسی بھی مروجہ ذرائع اطلاعات ہے۔ جیسے خود اطلاع دینا' خط یا قاصد کے ذریعہ سے وغیرہ۔ اس شرط کے متعلق علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں:

"فلو وکله ولم یعلم فتصرف توقف علی اجازة الموکل او الوکیل بعد علمه"(۷۹)

اگر موکل نے کسی کو وکیل مقرر کیا اور وکیل کو اس وکالت کی کوئی اطلاع نہ ہو اور اس وکیل نے اس شخص کا کوئی کام کیا ہو تو اس کے بارے میں موکل کی اجازت یا وکیل کو اطلاع ملنے کے بعد عمل کو دیکھا جائے گا۔ یہ اطلاع دینے کے لیے عادل(۸۰) شخص کا ہونا ضروری نہیں اگرچہ دو پیغام دینے والوں میں سے دونوں غیر عادل ہوں یا ایک غیر عادل۔(۸۱)

vii۔ مکرہ نہ ہونا

موکل کے لیے ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ موکل کسی کو وکیل مقرر کرنے پر مکرہ (Compelled) اور مجبور نہ ہو۔ کیونکہ اسلام میں مکرہ کے تصرفات موثر نہیں ہوتے۔(۸۲) لہٰذا تقرری وکالت کا وہ عقد موثر ہو گا جو موکل نے بلا جبر و اکراہ کیا ہو۔

vii۔ عورت ہونا

وہ امور جن میں عورت خود مختار اور اہل ہو ان میں وہ آزادانہ طور پر موکل بن سکتی ہے لیکن اگر معاملہ اس کے شوہر کا ہو تو پھر وہ اپنے شوہر کی اجازت کے بعد کسی کو وکیل مقرر کر سکتی ہے۔(۸۳) امام محمد فرماتے ہیں عورت کا موکل ہونا جائز ہے۔(۸۴)

یہ وہ شرائط ہیں جن کا عقد وکالت کی تکمیل کے وقت موکل میں ہونا ضروری ہیں۔

وکیل سے متعلق شرائط

موکل کی طرح وکیل سے متعلق بھی فقہاء کرام نے چند شرائط مقرر کی ہیں جن کا عقد وکالت کے وقت وکیل میں پورا ہونا ضروری ہے۔ ان کی تفصیل یہ ہے۔

ا۔ عاقل ہونا

وکیل کے لیے وکالت کی ذمہ داری قبول کرنے کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ عاقل ہو۔

مکلف نہیں رہتا اور تصرفات شرعیہ اور تصرف بالمال کی اہلیت نہیں رکھتا۔(۸۵) جزوی طور پر عقل متاثر ہونے سے عقد وکالت متاثر نہیں ہو گا۔ جیسے بیماری یا منشیات کے استعمال سے کسی وکیل کی عقل متاثر ہونا۔(۸۶) اس شرط کے متعلق امام سرخسی فرماتے ہیں:

"وان کان الوکیل مجنونا لایعقل فبیعہ باطل"(۸۷)

اگر وکیل مجنون ہو اور وہ عقل نہ رکھتا ہو تو اس کی خرید و فروخت باطل ہو گی۔ اسی طرح ہدایہ میں ہے:

"یشترط ان یکون الوکیل ممن یعقل العقد"(۸۸)

وکیل مقرر ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ عقد معاملہ کو سمجھتا ہو۔ اور اسے پورا کرنے کی اہلیت رکھتا ہو۔

علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں کہ وہ شرائط جو وکیل سے متعلق ہیں ان میں سے پہلی شرط عاقل ہونا ہے۔(۸۹)

بہرحال وکیل وہ شخص ہونا چاہیے جو عاقل ہو' عقد معاملہ کو سمجھنے والا ہو' اور اسے انجام دینے کی اہلیت کا حامل ہو۔ چونکہ مجنوں اور بے عقل انسان ان اوصاف سے متصف نہیں ہوتا لہٰذا وہ وکیل مقرر نہیں ہو سکتا۔

۲۔ بالغ ہونا

وکیل مقرر ہونے کے لیے بالغ ہونا ضروری نہیں۔ احناف و حنابلہ کے نزدیک نابالغ بچہ اگر معاملات کی فہم رکھتا ہو' نفع و نقصان کو جاننے والا ہو' **غبن یسیر اور غبن فاحش**(۹۰) سے واقف ہو تو اس کی وکالت درست ہو گی۔(۹۱) المغنی میں ہے۔

"تصح وکالۃ الصبی المراھق اذا اذن لہ الولی لانہ ممن یصح تصرفہ"(۹۲)

مراھق(۹۳) بچے کا وکیل بننا درست ہے اگر اس کے ولی نے اسے اجازت دی ہو کیونکہ اس کا تصرف صحیح ہے۔ کنز الدقائق میں ہے۔

"صح التوکیل---- اذا کان الوکیل ممن یعقل العقد ولو صبیا"(۹۴)

وکالت درست ہو گی۔ اگرچہ وکیل سمجھدار بچہ ہو۔

علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں کہ اس صبی سے مراد وہ بچہ ہے جو غبن یسیر اور غبن فاحش کو

سمجھتا ہو اگر وہ اس سے واقف نہیں تو پھر اس کا تصرف درست نہیں ہوتا۔(۹۵)

ان فقہاء کے نزدیک سمجھدار بچے کا وکیل مقرر ہونا اس لیے درست ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جب حضرت ام سلمہؓ(۹۶) سے نکاح ہوا تو حضرت ام سلمہؓ کی طرف سے ان کے بیٹے عمر بن ام سلمہ(۹۷) نے نکاح کی وکالت کی اور اس وقت ان کی عمر نو سال تھی۔(۹۸)

فقہاء کا ایک قول یہ بھی ہے کہ صبی کی موجودگی میں اگر کوئی بالغ موجود ہو تو پھر صبی کو وکیل مقرر نہیں کرنا چاہیے۔ جیسے خیبر میں جب حضرت عبداللہ بن سہلؓ(۹۹) قتل ہو گئے۔ تو ان کے ورثاء نے ان کے قتل کا الزام یہود پر لگایا۔ اس سلسلہ میں آپ کے دونوں بھائی محیصہ' حویصہ اور چچا عبدالرحمٰن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ محیصہ نے چاہا کہ میں بات کروں کیونکہ وہی خیبر میں گئے تھے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بزرگی کی رعایت کر یعنی حویصہ جو بڑا بھائی ہے اسے بات کرنے دے پھر حویصہ نے پہلے اور اس کے بعد محیصہ نے بیان کیا۔(۱۰۰)

۳۔ اسلام

وکیل مقرر ہونے کے لیے مسلمان ہونا بالاتفاق شرط نہیں یعنی ایک مسلمان کسی غیر مسلم کو اپنا وکیل مقرر کر سکتا ہے صحیح بخاری میں روایت ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے امیہ بن خلف سے اس بات پر وکالت کی کہ وہ مکہ میں میرے مال کی اور میں مدینہ میں اس کے مال کی حفاظت کروں گا(۱۰۱) کتاب الوکالت میں ایک باب کے ترجمۃ الباب میں امام بخاری فرماتے ہیں۔

"اذا وکل المسلم حربیا" فی دار الحرب او فی دار السلام جاز"(۱۰۲)

ایک مسلمان کافر کی جانب سے اور کوئی کافر مسلمان کی طرف سے وکیل مقرر ہو تو جائز ہے۔

احناف کے نزدیک اگرچہ مسلمان غیر مسلم کو وکیل مقرر کر سکتا ہے لیکن کوئی مسلمان ایسے معاملات میں غیر مسلم کو وکیل مقرر نہیں کر سکتا جسے وہ انجام نہ دے سکتا ہو۔(۱۰۳) یا جنہیں انجام دینے کے لیے مسلمان ہونا ضروری ہو۔ جیسے نکاح کے لیے وکیل مقرر کرنا یا حج بدل میں وکیل مقرر کرنا وغیرہ۔

اگر ایک مسلمان نے کسی حربی(۱۰۴) کو وکیل مقرر کیا تو یہ توکیل عدم تصرف کی بنا پر باطل ہو گی۔(۱۰۵) غیر مسلم موکل کا مسلمان وکیل اور مسلمان موکل کا غیر مسلم وکیل ایک ملک میں اور غیر مسلم ممالک میں جہاں تصرفات ہو سکتے ہو بن سکتا ہے جیسے وہ مسلمان تاجر جس کا کاروبار اور جائیداد

طرح کی وکالت درست قرار پائے گی۔

۴۔ ارتداد

کسی شخص کا مرتد ہو جانا اس کے وکیل بننے میں رکاوٹ نہیں ہوتا۔ بقول امام کاسانی غیر مسلم اور مرتد کی وکالت جائز ہے۔ اگر کوئی مسلمان کسی مرتد کو وکیل بنائے تو یہ وکالت درست ہوگی۔(۱۰۶) کیونکہ وکیل مرتد کے تصرفات تو اس کے موکل کی وجہ سے نافذ ہوں گے۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ ملک میں حد ارتداد کا نفاذ نہ ہو۔(۱۰۷)

اگر وکیل عقد وکالت کے وقت مسلمان ہو اور بعد میں مرتد ہو جائے تو بھی اس کی وکالت برقرار رہے گی۔ اگر مرتد کسی ایسے ملک میں چلا گیا جس سے دوستانہ یا سفارتی تعلقات اس ملک سے نہیں جس میں موکل مقیم ہے تو عدم تصرف کی بنا پر وکالت باطل ہوگی۔ بدائع میں ہے:

"لانہ اعجز عن التصرف فیما وکل بہ" (۱۰۸)

یعنی یہ وکالت درست نہیں ہوگی اس لیے کہ وہ امرِ وکالت کو انجام دینے سے عاجز ہے۔

جیسے موکل پاکستان میں مقیم ہو اور اس کا وکیل مرتد ہو کر اسرائیل چلا جائے تو وکالت باطل ہو جائے گی۔ البتہ اگر وہ دوبارہ مسلمان ہو کر واپس پاکستان آ جائے تو وکالت بحال ہو جائے گی۔

ابن قدامہ کے نزدیک ارتداد کے باوجود وکالت قائم رہے گی اگرچہ وکیل وہاں رہے یا دارالحرب چلا جائے۔(۱۰۹) امام سرخسی فرماتے ہیں کہ وکیل اگر دوران وکالت مسلمان تھا پھر مرتد ہو کر دارالحرب جانے سے قبل اسلام لے آیا تو اس کی وکالت نکاح کے سوا تمام معاملات میں درست ہوگی۔ کیونکہ مرتد ہونے سے نکاح کی وکالت سے مستقل طور پر نکل گیا۔ اس لیے کہ جب وہ اپنے نکاح سے نکل گیا تو نکاح میں وکیل کس طرح ہو سکتا ہے۔(۱۱۰)

۵۔ مرد ہونا

احناف کے نزدیک موکل کی طرح وکیل کے لیے بھی مرد (Male) ہونا شرط نہیں۔ لہٰذا تمام ایسے معاملات جو عورت انجام دے سکتی ہے ان میں عورت کا وکیل مقرر ہونا درست ہے(۱۱۱) البتہ وہ معاملات جن کی انجام دہی کے لیے عورت اہل نہیں ان امور میں عورت کی وکالت درست نہیں ہے جیسے نکاح کے لیے وکیل بننا(۱۱۲) یا حج بدل کی ادائیگی میں عورت کا اکیلے حج پر جانا(۱۱۳)، بیوی کا خود کو

نہیں۔(۱۱۵)

۶۔ عقد وکالت کا علم

عقد وکالت کی تکمیل کے لیے وکیل سے متعلق ایک شرط یہ بھی ہے کہ وکیل کو عقد وکالت کا علم ہو علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

"ان العلم بالتوکیل فی الجملة شرط"(۱۱۶)

وکیل کے لیے یہ شرط بھی ہے کہ اسے عقد وکالت کا علم ہو اور یہ بھی جانتا ہو کہ اسے کون وکیل مقرر کر رہا ہے۔

علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں۔

"الوکیل لایکون وکیلا" قبل العلم بالوکالة"(۱۱۷)

وکیل عقد وکالت کا علم ہونے سے پہلے وکیل نہیں ہوتا۔

البحرالرائق میں بھی آپ فرماتے ہیں کہ وکیل کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ عقد وکالت سے باخبر ہو(۱۱۸)

اگر وکیل نے عقد وکالت کا علم ہونے سے پہلے موکل کے کسی کام میں تصرف کیا تو پھر موکل کی اجازت یا وکیل کو عقد وکالت کے علم ہونے کے بعد اس کے عمل پر منحصر ہوگا کیا وہ اسے تسلیم کرنے کے لیے تیار ہے یا نہیں۔

ان شرائط کے علاوہ وکیل کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ امر وکالت کو انجام دینے کا شرعاً اہل ہو، جسمانی طور پر اس کے کرنے کی قدرت رکھتا ہو۔ وکیل بننے پر اسے مجبور نہ کیا گیا ہو۔(۱۱۹)

یہ وہ شرائط ہیں جن کا عقد وکالت کے وقت وکیل میں ہونا ضروری ہے۔

موکل فیہ سے متعلق شرائط

موکل فیہ سے متعلق فقہاء کرام نے یہ شرائط بیان کی ہیں:

۱۔ موکل فیہ کا امر مباح سے نہ ہونا

موکل فیہ کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ کام جس پر عقد وکالت طے کیا جا رہا ہے وہ امور مباحہ میں سے نہ ہو یا اس کے کرنے کی اس قدر عام اجازت نہ ہو کہ جو چاہے کسی کی اجازت کے بغیر اسے

کرتا رہے۔ چونکہ امر مباح پر کسی شخص کا خصوصی قبضہ و تصرف نہیں ہوتا لہٰذا اس پر وکالت بھی درست نہیں ہوتی۔ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:

"لاتصح الوکالة بالمباحات کا والا حتشاش والاستسقاء واستخراج الجواہر من المعادن"(۱۲۰)

مباحات(۱۲۱) میں وکالت درست نہیں جیسے عام جنگل سے لکڑیاں کاٹنا' گھاس کاٹنا چشموں وغیرہ سے پانی حاصل کرنا اور معدنوں سے جواہر نکالنا وغیرہ۔

چونکہ مباحات میں توکیل جائز نہیں لہٰذا اگر کوئی شخص کسی کو امر مباح میں وکیل مقرر کرے تو اس صورت میں وکیل جس چیز کی خرید و فروخت کرے گا وہ موکل کی بجائے وکیل ہی کی ہو گی۔(۱۲۲)

امام سبکی فرماتے ہیں کہ مباحات میں توکیل کے بارے میں دو اقوال ہیں۔

۱۔ ایک قول کے مطابق مباح امور میں وکالت جائز نہیں اس لیے کہ مباح چیز کی ملکیت عام ہوتی ہے تو ایسی چیز کو کسی دوسرے کی ملکیت میں نائب ہونے کی حیثیت سے نہیں دیا جا سکتا ہے جیسے عام چراگاہ کے گھاس کو کوئی شخص فروخت کرنے یا خریدنے پر وکیل مقرر کرے تو یہ درست نہیں ہو گا کیونکہ اس گھاس کی ملکیت عام ہے۔

دوسرے قول کے مطابق آپ نے امر مباح میں وکالت کو درست قرار دیا اور فرمایا: **"یجوز التوکیل فی تملک المباحات"(۱۲۳)**

یعنی مباحات کی ملکیت میں توکیل جائز ہے۔ اس لیے کہ مباحات پر اگرچہ کسی کی ملکیت خاص نہیں ہوتی لیکن کسی سبب سے وہ مباح کسی کی ملکیت میں داخل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا دیگر معاملات کی طرح اس میں بھی وکالت جائز ہے۔

علامہ بھوتی (م ۱۰۵۱ھ) بھی موخرالذکر قول کی تائید میں لکھتے ہیں۔ مباحات کی ملکیت میں توکیل جائز ہے جیسے جانوروں کا شکار کرنا اور گھاس کاٹنا وغیرہ۔(۱۲۴)

ان دونوں اقوال سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عام مباحات میں توکیل جائز نہیں البتہ وہ مباح چیز جب کسی کی ملکیت میں آ جائے تو اس میں وکالت درست ہو گی جیسے جنگل یا عام چراگاہ سے گھاس کاٹنے میں توکیل جائز نہیں لیکن وہ گھاس جب کسی کاٹنے والے کی ملکیت میں ہو جائے تو اس کی خرید و فروخت میں توکیل درست ہے۔

۲۔ موکل فیہ امر حرام نہ ہو

موکل فیہ کے لیے دوسری شرط یہ ہے کہ وہ فعل حرام (Unlawful) اور ممنوع (Prohibited) نہ ہو۔ جیسے کوئی شخص کسی مسلمان کو شراب یا خنزیر کی خرید و فروخت پر وکیل بنائے تو یہ عقد وکالت درست نہ ہو گا۔ نھایہ المحتاج میں ہے۔

"یمتنع فیما کان محرما" باصل الشرع"(۱۲۵)

ان امور میں وکالت جائز نہیں جن کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔

علامہ الدسوقی فرماتے ہیں۔

"ان الوکالة علی المعصیة باطلة"(۱۲۶)

بے شک گناہ کے امور پر وکالت باطل ہے۔

اس طرح موکل فیہ ظلم اور غصب سے متعلق نہیں ہونا چاہیے کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"ولا تعتدوا ان اللّٰہ لا یحب المعتدین"(۱۲۷)

(ترجمہ) تم حد سے نہ بڑھو' بے شک اللہ تعالیٰ (قانون شرعی میں) حد سے بڑھنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔

دوسرے مقام پر فرمایا گیا۔

"فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدی علیکم"(۱۲۸)

(ترجمہ) تم پر جو زیادتی کرے تم بھی اس پر اتنی زیادتی کرو جتنی اس نے تم پر کی ہے۔

لہٰذا امر حرام اور ظلم و غصب کے معاملات میں وکالت درست نہیں ہوتی۔

۳۔ طلب قرض سے متعلق نہ ہونا

موکل فیہ کے لیے تیسری شرط یہ ہے کہ وہ امر حصول قرض (Getting loan) سے متعلق نہ ہو۔ البحرالرائق میں ہے: **"التوکیل بالاستقراض لا یصح"**(۱۲۹) طلب قرض میں وکالت درست نہیں۔ موکل نے اگر کسی کو اس غرض کے لیے وکیل مقرر کیا کہ وہ اسے کہیں سے قرض لا کر دے تو یہ وکالت درست نہیں ہو گی۔ حصول قرض پر مقرر کردہ وکیل نے اگر کسی شخص سے کہا کہ مجھے اتنا قرض دو اور اس نے دے دیا تو اس کی ذمہ داری موکل کی بجائے وکیل پر ہو گی۔ اس صورت میں اگر مال قرض ضائع ہو گیا تو اس کا ذمہ دار بھی وکیل ہو گا۔(۱۳۰)

اگر وکیل نے سفیر کی طرح قرض طلب کیا یعنی کسی کے پاس جا کر اس نے کہا کہ میرا موکل آپ

سے قرض لینے کا تقاضا کرتا ہے اور اس نے اسے قرض دے دیا یا وکیل نے کہا فلاں شخص نے مجھے آپ کے پاس قرض لینے کے لیے بھیجا ہے۔ اس کے بعد وکیل جو رقم وصول کرے گا اس کا ذمہ دار موکل ہو گا۔(۱۳۱)

۴ حدود سے متعلق نہ ہونا

حدود سے متعلق توکیل کی تین صورتیں ہیں۔

i۔ اثبات حدود میں توکیل

اثبات حد سے مراد حد کے مرتکب فرد پر جرم ثابت کرنا ہے۔ لہٰذا امر وکالت کا تعلق ان حدود شرعیہ کے اثبات سے نہیں ہونا چاہیے۔ جن میں کسی مدعی کی طرف سے دعوی کرنا ضروری نہیں ہوتا جیسے حد زنا اور حد شرب خمر۔ چونکہ ان حدود کا دعوی عینی اور دیگر شہادتوں سے ثابت ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ان حدود کے ضمن میں وکیل مقرر کرنا جائز نہیں۔(۱۳۲) جب کہ حد قذف اور حد سرقہ کے اثبات میں توکیل جائز ہے۔ جیسا کہ المھذب میں ہے۔

"یجوز التوکیل فی اثبات القصاص وحد القذف لانہ حق آدمی فجاز التوکیل فی اثباتہ کالمال"(۱۳۳)

قصاص اور حد قذف کے اثبات میں توکیل مال کی توکیل کی طرح جائز ہے کیونکہ یہ آدمی کا حق ہے۔

ii۔ استیفاء حدود میں توکیل

استیفاء حدود سے مراد مجرم پر حد شرعی کے نفاذ کا مطالبہ ہے۔ لہٰذا جب حد زنا اور حد شرب خمر کے اثبات میں وکالت درست نہیں تو اس کے استیفاء میں بھی وکالت جائز نہیں۔ کیونکہ یہ اللہ تعالی کا حق ہے۔(۱۳۴)

iii۔ ایفاء حدود میں توکیل

ایفاء حد کے دو مفہوم ہیں۔
اول۔ مجرم پر سزا نافذ کرنا۔
دوم۔ مجرم کا سزا بھگتنا۔

نفاذ سزا میں توکیل جائز ہے۔ جب کہ سزا بھگتنے میں توکیل جائز نہیں۔ کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"ولا تزر وازرۃ وزر اخری"(۱۳۵)

(ترجمہ) اور کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

لہٰذا وکالت کے ضمن میں ایک شرط یہ ہے کہ وہ حدود میں سے صرف حد قذف اور حد سرقہ کے اثبات' استیفاء اور ایفاء سے متعلق ہو۔ اور حد زنا و حد شرب خمر کے اثبات' استیفاء اور ایفاء سے متعلق نہ ہو۔

۵۔ قصاص سے متعلق نہ ہونا

قصاص (Retaliation) کے ضمن میں ان چار امور میں وکالت ہو سکتی ہے۔ یعنی اثبات قصاص' استیفاء قصاص' ایفاء قصاص' عفو عن القصاص۔ اثبات قصاص سے مراد جرم قتل کو ثابت کرنا' استیفاء قصاص سے مراد قصاص کی سزا کے نفاذ کا مطالبہ کرنا' ایفاء قصاص سے مراد قصاص میں قتل کرنا یا قتل ہونا اور عفو عن القصاص سے مراد سزا قصاص کو معاف کرنا ہے۔

ان امور میں سے اثبات قصاص' استیفاء اور ایفاء قصاص میں سے قصاص میں قتل کرنے اور عفو عن القصاص میں وکالت درست ہے۔ لیکن قصاصاً" قتل ہونے میں توکیل جائز نہیں۔ اس کی بنیاد بھی سورۃ النجم کی یہ آیت ہے۔

"ولا تزر وازرۃ وزر اخری"(۱۳۶)

اور کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔

اس کے علاوہ یہاں مراد عفو عن القصاص یعنی قصاص میں قتل ہونے والے مجرم کو معاف کرنا بھی ہے بشرطیکہ یہ وکالت موکل کی عدم موجودگی میں کی جائے کیونکہ عفو عن القصاص کی وکالت موکل کی موجودگی میں ہی ہو سکتی ہے۔ غیر موجودگی میں نہیں۔

امام ابو یوسف" فرماتے ہیں کہ حدود و قصاص کی جوابدہی میں اقرار کے ضمن میں بھی توکیل جائز نہیں اس لیے کہ حدود و قصاص شبہات سے ساقط ہو جاتے ہیں جیسے عورتوں کی شہادت سے بھی قصاص کی معافی ثابت ہو جاتی ہے۔(۱۳۷) لہٰذا اگر کسی نے حدود قصاص کی جوابدہی میں اقرار کے لیے وکیل مقرر کیا اور اس نے عدالت میں اقرار کر لیا۔ اگرچہ یہ اقرار قیاسا جائز ہے لیکن استحسان درست نہیں۔ وجہ استحسان یہ ہے کہ ممکن ہے کہ موکل نے اس قتل کے جرم کے اقرار کا اسے اختیار نہ دیا

۶۔ موکل فیہ حقوق العباد سے متعلق ہو

موکل فیہ کے لیے چھٹی شرط یہ ہے کہ موکل فیہ کا تعلق حقوق العباد (Human Rights) سے ہو۔ حقوق العباد دو طرح کے ہوتے ہیں۔

۱۔ وہ حقوق جو شبہ کی بنا پر ساقط ہو جاتے ہیں جیسے حدود یا قصاص کا حق وغیرہ۔

۲۔ وہ حقوق جن کا مطالبہ شبہ کے باوجود کیا جا سکتا ہے جیسے قرض اور مال وغیرہ۔

اول الذکر حقوق میں وکالت کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ جب کہ موخرالذکر حقوق کی ادائیگی اور وصولی میں کسی کو وکیل مقرر کرنا بالاتفاق درست ہے اگرچہ یہاں پر بھی مالک کا اپنے حق کو معاف کرنے یا حق سے دستبردار ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔ لیکن یہاں وکیل کو ادائیگی اور وصولی دونوں کا حق ہے۔ جیسے خرید و فروخت، اجارہ، نکاح، طلاق، خلع، صدقات و حبہ کی وصولی و تقسیم، ودیعت، رہن، عاریت میں اشیاء کا دینا اور لینا اور قرض کی وصولی و ادائیگی وغیرہ وغیرہ۔ وہ تمام امور ہیں جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ ان تمام امور میں وکالت جائز ہے۔ اگرچہ ان میں سے بعض امور میں وکیل معاملات کے دوران اپنی طرف نسبت کرتا ہے۔ اور بعض میں اس کی حیثیت سفیر کی سی ہوتی ہے اور ان معاملات کی اپنے موکل کی طرف نسبت کرتا ہے۔(۱۳۹)

۷۔ موکل فیہ موکل کی ملکیت ہونا

موکل فیہ کی اس شرط سے مراد یہ ہے کہ جس چیز پر کسی کو وکیل بنایا جا رہا ہے وہ موکل کی ملکیت میں ہو کیونکہ کسی غیر کی ملکیت پر وکیل بنانا درست نہیں۔ امام الشربینی فرماتے ہیں۔

"شرط الموکل فیہ ان یملکہ الموکل"(۱۴۰)

موکل فیہ کے لیے ایک شرط یہ ہے۔ کہ وہ موکل کی ملکیت ہو جیسے کسی زمین کا الف مالک ہے لیکن ب اس زمین کی فروخت کے لیے ج کو وکیل مقرر کرے تو یہ وکالت درست نہ ہو گی کیونکہ ب اس زمین کا مالک ہی نہیں اس طرح اگر ایک شخص دوسرے سے کہے کہ میں اس عورت کو طلاق دینے میں آپ کو وکیل بناتا ہوں جس سے میں نکاح کرنے والا ہوں تو یہ وکالت بھی باطل ہو گی کیونکہ شادی سے قبل موکل طلاق کا مالک ہی نہیں ہوتا۔

۸۔ موکل فیہ قابل نیابت ہو

نہ ہو بلکہ وہ قابل توکیل ہو۔ مغنی المحتاج میں ہے:

"ان یکون قابلا للنیابۃ"(۱۴۱)

یعنی موکل فیہ قابل نیابت ہو۔ کیونکہ متعدد ایسے امور ہیں جو قابل نیابت نہیں ہیں جیسے ایلاء' ظہار' عبادات بدنیہ وغیرہ۔ اگر کوئی شخص یہ قسم اٹھائے کہ اللہ کی قسم میں اپنی بیوی کے پاس نہیں جاؤں گا تو اب اس قسم کو توڑنے کے لیے کسی کو وکیل مقرر کرے تو یہ وکالت باطل ہوگی کیونکہ یہ فعل قابل نیابت نہیں ہے۔ علامہ الشربینی فرماتے ہیں:

"ولا فی شھادۃ وایلاء ولعان وسائر الایمان ولا فی الظھار"(۱۴۲)

یعنی وکالت گواہی' ایلاء' لعان' تمام قسم کی قسموں اور ظہار میں نہیں ہے کیونکہ یہ امور قابل نیابت نہیں ہیں۔

۹۔ موکل فیہ کا واضح اور معلوم ہونا

موکل فیہ کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ جس معاملے میں وکیل بنایا جا رہا ہے وہ معلوم اور واضح ہو۔ کیونکہ مبہم اور نامعلوم امور میں وکالت درست نہیں ہوگی۔ علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں:

"لا یصح توکیل مجھول"(۱۴۳)

مجہول معاملات میں توکیل درست نہیں۔ علامہ الشربینی فرماتے ہیں:

"ولیکن الموکل فیہ معلوما من بعض الوجوہ ولا یشترط علمہ من کل وجہ"(۱۴۴)

موکل فیہ کو بعض وجوہ سے ہی معلوم ہو جانا کافی ہے ہر پہلو سے اس کا معلوم ہونا ضروری نہیں۔

ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے کہا:

"وکلتک فی کل قلیل وکثیر او فی کل تصرف یجوز لی"(۱۴۵)

میں نے آپ کو اپنے ہر کم اور زیادہ یا تمام میرے جائز اختیارات میں وکیل مقرر کیا۔ چونکہ اس جملے میں موکل فیہ مبہم اور غیر واضح ہے لہٰذا اس کلمے سے وکالت کا اثبات نہیں ہوگا۔

۱۰۔ عبادات سے متعلق نہ ہونا

اسلام میں عبادات دو طرح کی ہیں۔

i۔ وہ عبادات جو قابل نیابت نہیں ہیں جیسے نماز اور روزہ وغیرہ۔

ii۔ وہ عبادات جن کی ادائیگی قابل نیابت ہے جیسے تقسیم زکاۃ، حج، عمرہ و ذبح قربانی وغیرہ۔

عبادات میں توکیل کے متعلق علامہ الشربینی فرماتے ہیں۔

"فلا یصح فی عبادۃ الاالحج و تفرقۃ زکاۃ و ذبح اضحیۃ"(۱۴۶)

عبادات میں ماسواحج، تقسیم زکاۃ اور ذبح قربانی کے علاوہ وکالت درست نہیں۔ الاقناع میں ہے کہ عبادات میں وکالت درست نہیں جیسے نماز، روزہ اور طہارت وغیرہ(۱۴۷)

۱۱۔ موکل فیہ تفویض شدہ ہو

عقد وکالت میں موکل فیہ سے متعلق ایک شرط یہ ہے کہ وہ امر وکالت وکیل کو باقاعدہ تفویض کیا ہو۔ کیونکہ غیر تفویض شدہ امر اگر وکیل نے کیا تو یہ درست نہیں ہوگا۔ الدرالمختار میں ہے۔

"بکل ما یباشرہ الموکل بنفسہ لنفسہ"(۱۴۸)

یعنی وکالت صرف اس امر میں درست ہے جسے موکل اپنی ذات کے لیے خود کرتا ہو۔ اور تفویض وہی امر ہو سکتا ہے جو انسان خود اپنے لیے کرتا ہے۔ اس لیے فقہاء نے یہ شرط عائد کی ہے تاکہ وکیل موکل کی اجازت کے بغیر وہ کام نہ کرے جس کے متعلق اسے کہا نہ گیا ہو۔ جیسے موکل کی اجازت کے بغیر وکیل کا وکیل ثانی مقرر کرنا جائز نہیں ہے۔

صیغہ وکالت سے متعلق شرائط

صیغہ وکالت سے مراد وہ الفاظ ہیں جن سے عقد وکالت کا انعقاد ہوتا ہے۔ ان کی شرائط ارکان وکالت کے لحاظ سے یہ ہیں:

۱۔ صیغہ وکالت کی شرائط بلحاظ موکل

بلحاظ موکل صیغہ وکالت میں مندرجہ ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

i۔ مفہوم واضح ہونا

موکل کے لحاظ سے صیغہ وکالت کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ موکل انعقاد وکالت کے لیے جو الفاظ استعمال کرے وہ لغوی، عرفی اور قانونی لحاظ سے درست اور واضح ہوں، اگر ان الفاظ میں لغوی اور عرفی مفہوم کا اختلاف ہو جائے تو عرفی معنی قابل ترجیح ہوگا۔ صیغہ وکالت میں مخصوص الفاظ ہونا ضروری نہیں بلکہ ان الفاظ میں وکالت کا مفہوم ہونا ضروری ہے۔(۱۴۹)

انعقاد وکالت کے لیے بلحاظ موکل دوسری شرط یہ ہے کہ صیغہ وکالت ماضی یا حال کے صیغہ میں ہو یعنی موکل یہ کہے کہ میں نے فلاں کو وکیل مقرر کیا یا وکیل مقرر کر رہا ہوں۔ مستقبل کے صیغہ استعمال کرنے سے عقد وکالت منعقد نہیں ہو گا۔ اگر صیغہ وکالت کو کسی جائز اور قابل عمل شرط یا مقررہ وقت سے مشروط کیا گیا ہو تو شرط پوری ہونے پر عقد وکالت قائم ہو گا۔(۱۵۰)

اگر موکل نے عام الفاظ میں وکالت کے لیے کہا تو وکالت عام ہو گی اور اگر وکالت کے لیے خاص الفاظ ہوں تو وکالت خاصہ ہو گی۔

۲۔ صیغہ وکالت کی شرائط بلحاظ وکیل

وکیل کی طرف سے کہے گئے صیغہ وکالت کی بھی دو شرطیں ہیں:

i۔ واضح الفاظ

موکل کی طرف سے وکالت کی پیش کش کے بعد وکیل کی طرف سے جن الفاظ میں قبولیت کا اظہار کیا جائے وہ بھی واضح ہونے چاہیں۔ البتہ اس کا اظہار اس وقت بھی ہو سکتا ہے اور کسی سبب سے تاخیراً" بھی۔(۱۵۱)

ii۔ صیغہ ماضی

بلحاظ صیغہ وکیل کے لیے ضروری ہے کہ وہ عقد وکالت کی قبولیت کا اظہار ماضی کے صیغہ میں کرے یعنی یوں کہے:

"میں نے تیری وکالت قبول کی۔"

اگر وکیل اور موکل دونوں ماضی کا صیغہ استعمال کریں یا ان میں سے ایک ماضی کا اور دوسرا حال کا صیغہ استعمال کرے تو بھی انعقاد وکالت درست ہو گا۔

۳۔ صیغہ وکالت کی شرائط بلحاظ موکل فیہ

موکل فیہ کے لحاظ سے صیغہ وکالت کی ایک شرط یہ ہے کہ جس کام کے لیے وکیل مقرر کیا جا رہا ہے اس کی نوعیت واضح اور معلوم ہو۔ اگر عام الفاظ ہوں تو وکالت عام اور اگر خاص الفاظ ہوں تو وکالت خاصہ منعقد ہو گی۔ اگر صیغہ وکالت میں نوعیت معاملہ کا ذکر نہ ہو اور کوئی قرینہ وغیرہ بھی نہ ہو تو وکالت باطل ہو گی۔

حکم وکالت

عقد وکالت کی تمام شرائط پوری ہو جانے کے بعد وکیل کے لیے موکل کی جانب سے تفویض کردہ تمام اختیارات کا نفاذ اور اجراء درست اور جائز ہو گا۔ اس طرح وکیل کا اپنے موکل کی نیابت اور وکالت کرنا اور اس کی اس معاملے میں نیابت یا قائم مقامی کرنا جائز ہے۔

وکالت کے نتیجے میں دو افراد کے مابین جو معاہدہ طے پاتا ہے دیگر معاہدات اور معاملات کی طرح دونوں فریقوں پر اس کی پابندی ضروری ہے۔ وکیل کا فرض ہے کہ وہ حدود وکالت میں رہتے ہوئے امانتداری کے ساتھ فرائض انجام دے اور اس معاملے کو انجام تک پہنچائے جو اس کے ذمہ لگایا گیا ہے اور موکل کو چاہیے کہ وہ زیر توکیل معاملے میں ہر ممکن اس کی مدد اور معاونت کرے۔

اگر وکیل نے کسی معاملے میں دی گئی ہدایات کی پابندی نہ کی اور وکالت کی حدود سے تجاویز کیا تو موکل اس کے معاملات اور عقود کا پابند نہیں ہو گا وہ اگر چاہے قبول کرے اور چاہے تو ان کی ذمہ داری قبول نہ کرے۔ نیز عقد وکالت فاسد بھی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا وہ معاملہ خود وکیل کی اپنی جانب سے ہو گا۔(۱۵۲) السید سابق نے لکھا ہے:

"ومتی تمت الوکالة کان الوکیل امینا فیما وکل به فلا یضمن الا بالتعدی اوالتفریط" (۱۵۳)

عقد وکالت کی تکمیل کے بعد وکیل صرف اسی صورت میں ضامن ہو گا جب کہ حدود وکالت کو توڑے یا زیادتی سے کام لے۔

امام شربینی فرماتے ہیں کہ اگر وکیل موکل کی ہدایات کی مخالفت کرے تو اس کے تصرفات و اعمال باطل ہوں گے۔(۱۵۴)

علامہ سبکی کے نزدیک وکیل کو چاہیے کہ اس کا عمل وہ ہو جس پر اعتماد کیا جا سکے اگر وکیل موکل کی ہدایات کی مخالفت کرے تو اس کا تصرف باطل ہو گا۔(۱۵۵)

وکیل کو چاہیے کہ وہ زیر تکمیل معاملے میں اپنے موکل کے مفاد اور اس کی بہتری کا خیال رکھے اگر وکیل اس بارے میں خیانت کرے یا بدعہدی کا مرتکب ہو تو وہ گناہ گار' امانت میں خائن' بدعہدی کا مرتکب اور بے وفائی کرکے قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں مذکور تمام وعیدوں کا مستحق ہو

جب موکل کسی شخص کو وکیل مقرر کرے تو عقد وکالت کی تکمیل کے بعد موکل کے حکم کی وکیل کے لیے کیا شرعی حیثیت ہوتی ہے اس کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں:

۱۔ موکل کا حکم وکیل کے لیے واجب ہونا

یہ اس وقت جب موکل وکیل کو عبادات مالیہ کی وکالت سونپے یا کسی انسان کی حفاظت کی ذمہ داری سونپے، کسی تکلیف دینے والی چیزیا کسی خطرہ کو دور کرنے کے متعلق کہے، یا اس کا حکم کس مجرم کو پکڑنے کے متعلق ہو یا وکیل کو کسی کے مال اور عزت کی حفاظت سونپی کی گئی ہو۔ بھوکے کو کھانا کھلانا یا مریض کے لیے دوا خریدنے کی وکالت ہو۔ ان تمام امور میں وکیل پر واجب ہوتا ہے کہ اپنے موکل کے حکم کی اطاعت کرے۔

۲۔ موکل کا حکم وکالت حرام ہونا

جس وقت موکل کسی کو امر حرام کے ارتکاب کے لیے وکیل مقرر کرے جیسے کسی کو قتل کرنا کسی کی چوری کرنا یا شراب کی خریداری، کافر مرد یا کافرہ عورت یا پانچویں عورت سے نکاح کے لیے وکیل مقرر کرنا، پہلے سے مخطوبہ لڑکی کے متعلق پھر پیغام نکاح کے لیے وکیل مقرر کرنا، اور اموال مغصوبہ کی خرید و فروخت پر وکیل مقرر کرنا وغیرہ۔ ان تمام امور میں سے وکیل نے اگر کسی ایک پر بھی عمل کیا تو یہ حرام ہو گا۔(۱۵۶)

۳۔ وکالت کا حکم مستحب ہونا

موکل نے جب وکیل کو کسی مستحب امر کے کرنے پر وکیل مقرر کیا جیسے ادائیگی قرض، سپردگی ھبہ اور قربانی کے جانور کو ذبح کرنا۔ وکیل کا ان امور کو کرنا مستحب ہوتا ہے۔

۴۔ وکالت کا حکم مکروہ ہونا

جب موکل نے وکیل کو مکروہ امور پر وکیل مقرر کیا ہو یا مکروہ اشیاء کی خرید و فروخت سونپی ہو جیسے سگریٹ کی خرید و فروخت وغیرہ ان امور میں وکیل کا موکل کی طرف سے تفویض کردہ امر کو کرنا مکروہ ہو گا۔

۵۔ وکالت کا حکم مباح ہونا

وہ عمومی امور جن کو کرنا شرعاً جائز ہو ان میں وکالت مباح ہوتی ہے جیسے عام اشیاء کی خرید و

فروخت پر کسی کو وکیل مقرر کرنا وغیرہ۔ اگر وکیل ان امور وکالت کو انجام دے گا تو یہ اس کے لیے مباح ہو گا(۱۵۷)

خلاصہ یہ کہ وکالت کا حکم عقد وکالت میں کسی بھی حکم یا امر کی حیثیت سے ہو گا۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ سورۃ البقرہ، ۲/۱۸۵۔

۲۔ سورۃ الحج، ۲۲/۸۷۔

۳۔ البخاری، (کتاب الایمان باب الدین یسر)، ۱/۱۰۔
نسائی، (کتاب الایمان، باب الدین یسر)، ۲/۲۷۲۔

۴۔ البخاری، ۱/۱۰۔

۵۔ امام احمد، ۱/ ۲۸۳، ۳۶۵۔

۶۔ سرخسی، المبسوط، ۱۹/۲۔

۷۔ ابو اسحاق ابراہیم شیرازی، المھذب، دار المامون، مصر، (ت۔ن)، ۱/۳۳۸۔

۸۔ علاؤالدین حنفی، الدر المختار، ص ۶۸۴۔

۹۔ ابو اللیث سمرقندی، فتاوی النوازل، بلوچستان بک ڈپو، کوئٹہ، ۱۹۸۵ء، ص ۳۱۹۔
محمود نسفی، کنز الدقائق، سعید کمپنی، کراچی، (ت۔ن)، ص ۲۷۲۔

۱۰۔ ابن نجیم، الاشباہ والنظائر، ص ۵۰۰۔
ابن نجیم، البحر الرائق، ۷/۱۴۳۔

۱۱۔ فتاوی ہندیہ، ۳/۶۱۵۔

۱۲۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۶/۲۲۔ فتاوی ہندیہ، ۳/۶۱۵،
ابن شحنہ، لسان الحکام، ص ۲۵۰۔

۱۳۔ فتاوی ہندیہ، ۳/۶۱۵۔

۱۴۔ علاؤالدین حنفی، الدر المختار، ص ۶۸۴۔

۱۵۔ البخاری، (کتاب الوکالۃ)، ۱/۳۰۹۔

۱۶۔ سید سابق، فقہ السنہ، ۳/۲۴۳۔

۱۷۔ وکیع، اخبار القضاۃ، ۱/۱۳۹۔

۱۸۔ السید البکری، **اعانۃ الطالبین**، دار احیاء التراث العربی، بیروت، (ت۔ن)، ۳/۸۵۔

خطیب الشربینی، مغنی المحتاج، ۲/۲۱۷۔

کاسانی، بدائع الصنائع، ۶/۲۰۔

۱۹۔ ارکان رکن کی جمع ہے۔ رکن کا معنی "**رکن الشئی: جانبه الاقوی**" یعنی مضبوط طرف۔ "**الناحیة القویة وماتقوی به**" یعنی وہ چیز جس سے کسی کو تقویت پہنچی ہو (لسان العرب ۱۳/۱۸۵۔ تاج العروس، ۹/۲۱۹) قرآن مجید میں حضرت لوط علیہ السلام کا یہ ارشاد منقول ہے "**اواوی الی رکن شدید**" سورة ہود، ۱۱/۸۰۔ یا میں کسی محکم سہارے کی پناہ لے لوں۔ فقہاء کے نزدیک رکن کی تعریف یہ ہے: "**مالایقوم الشئی الابه**" وہ چیز جس کے بغیر کوئی چیز قائم نہ ہو سکے۔ رواس قلعہ جی، معجم لغة الفقهاء، ص ۲۲۶)

۲۰۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۶/۲۰۔

۲۱۔ ابن قدامہ، المغنی، ۵/۹۲۔ سبکی، تکملہ شرح المجموع، ۱۴/۱۰۵۔

۲۲۔ فتاوی ہندیہ، ۳/۵۶۴۔

۲۳۔ ایضاً، ص ۵۶۵۔

۲۴۔ ابن نجیم، البحرالرائق، ۷/۱۳۹۔

۲۵۔ ادنی تصرف سے مراد حفظ مال کی وکالت ہے امام محمد فرماتے ہیں کہ یہ وکالت قیاساً نہیں استحساناً ثابت ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "**واللہ علی مانقول وکیل**" (سورة یوسف، ۱۲/۶۶) یعنی جو کچھ ہم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کا محافظ ہے یہاں وکیل حفیظ کے معنی میں ہے اس لیے یہاں بھی وکیل سے مراد ادنی تصرف یعنی اشیاء کی محافظت ہو گا (ابن بزاز، فتاوی بزازیہ علی ھامش فتاوی ہندیہ، ۵/۴۵۹)

۲۶۔ احسن نانوتوی، غایہ الاوطار شرح الدرالمختار، سعید کمپنی، کراچی، ۱۳۹۸ھ، ۳/۳۶۲۔

۲۷۔ تصرفات مالیہ سے مراد بیع و شراء، ھبہ و صدقات کی ادائیگی و وصولی کی وکالت ہے۔ (فتاوی ہندیہ، ۳/۵۶۵)

۲۸۔ سمرقندی، فتاوی نوازل، ۳۱۹۔

۲۹۔ الجزیری، کتاب الفقہ، ۳/۱۷۹۔

۳۰۔ طحاوی، حاشیہ الطحاوی علی الدرالمختار، ۳/۲۶۴۔

۳۱۔ ابن ابی الدم، ادب القضاء، (نمبر ۸۱۷)، تحقیق، مصطفیٰ الزحیلی، دارالفکر، بیروت، ۱۹۸۲، ص

۳۲۔ احناف کے نزدیک اس سے بھی حفظ مال کی وکالت ہو گی (خالد اتاسی' شرح المجلہ' ۴/۴۰۲)

۳۳۔ کاسانی' بدائع الصنائع' ۶/۲۰۔

۳۴۔ ابن ہمام' فتح القدیر' ۶/۵۵۳۔

۳۵۔ شرف الدین مقدسی' الاقناع' ۲/۲۳۲۔

۳۶۔ کاسانی' بدائع الصنائع' ۶/۲۱۔ فتاوی ہندیہ ۳/۵۶۱۔

۳۷۔ سورۃ البقرہ' ۲/۲۸۲۔

۳۸۔ قرطبی' الجامع لاحکام القرآن' ۳/۳۸۲۔

۳۹۔ السید سابق' فقہ السنہ' ۳/۲۳۰۔

۴۰۔ قفال الشاشی' حلیلہ العلماء' ۵/۱۱۶۔

۴۱۔ بھوتی' کشاف القناع' ۳/۴۶۲۔

۴۲۔ ابن بزاز' فتاوی بزازیہ' علی حامش' فتاوی ہندیہ' ۵/۴۶۴۔
مقدسی' الاقناع' ۲/۲۳۲۔

۴۳۔ فتاوی ہندیہ' ۳/۵۶۱۔

۴۴۔ کاسانی' بدائع الصنائع' ۶/۲۰۔

۴۵۔ فتاوی ہندیہ' ۳/۵۶۲۔
مقدسی' الاقناع' ۲/۲۳۲۔

۴۶۔ ابن نجیم' البحرالرائق' ۷/۱۴۰۔

۴۷۔ الشربینی' مغنی المحتاج ۲/۲۱۷۔
ابن نجیم' البحرالرائق' ۷/۱۴۱۔

۴۸۔ کاسانی' بدائع الصنائع' ۶/۲۰۔

۴۹۔ فتاوی ہندیہ' ۳/۵۶۱۔

۵۰۔ بلوغ کا لغوی معنی ملنا ہے شریعت میں بلوغ سے مراد انسان کا صغر سنی کی انتہا کو پہنچنا ہے۔ بلوغت کے بعد انسان شرعی احکام کا مکلف ہو جاتا ہے اور عام تصرفات کی آزادی ختم ہو جاتی ہے۔ لڑکا احتلام' انزال اور مجامعت کرنے پر اور لڑکی احتلام ہونے' حیض آنے' اور حاملہ ہونے

پر بالغ ہوتی ہے۔ اگر یہ علامات ظاہر نہ ہوں تو لڑکے کی بلوغت کا آغاز بارہ برس کی عمر میں اور لڑکی کی بلوغت پندرہ برس کی عمر میں ہوتی ہے (عمیم الاحسان' قواعد الفقہ' الصدق پبلشرز' کراچی' ۱۹۸۶ء' ص ۲۱۰) پاکستان میں مروجہ قانون کے مطابق بلوغت کی عمر ۱۸ سال ہے۔ (محمد شفیع باجوہ' شرح مجموعہ تعزیرات پاکستان' ناشر' احسان الحق قریشی' لاہور' ۱۹۸۹' ص ۲۸۴۔

۵۱۔ ابن نجیم' البحرالرائق' ۷/۱۴۱۔

۵۲۔ عقود تملیکات سے مراد وہ معاملات ہیں جن میں موکل کسی چیز کا خود مالک بنتا ہے یا کسی دوسرے کو مالک بنا دیتا ہے جیسے بیع و شرا' نکاح' اجارہ' ھبہ اور وصولی قرض وغیرہ۔

۵۳۔ فقہی اصطلاح میں ولی سے مراد باپ ہوتا ہے اس کے بعد دادا اور پھر وقت کا قاضی ولی ہوتا ہے۔ (عمیم الاحسان' قواعد الفقہ' ص ۵۴۸)

۵۴۔ ابن عابدین' ردالمختار' ۴/۴۴۵۔

۵۵۔ کاسانی' بدائع الصنائع' ۶/۲۰۔

۵۶۔ امام محمد بن ادریس شافعی' کتاب الام' دارالمعرفۃ' بیروت' ۱۹۷۳' ۳/۲۳۵۔

۵۷۔ کاسانی' بدائع الصنائع' ۶/۲۰۔ فتاوی ہندیہ' ۳/۵۶۲۔

۵۸۔ ابن نجیم' البحرالرائق' ۷/۱۴۲۔

۵۹۔ الجزیری' کتاب الفقہ' ۳/۱۷۰۔

۶۰۔ مرتد کی سزا قتل احادیث سے ثابت ہے ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**من بدل دینہ فاقتلوہ**" جو اسلام چھوڑ کر کسی اور دین کو اختیار کرو اسے قتل کر دو۔ (دار قطنی' کتاب الحدود' حدیث نمبر ۱۰۸)' ۳/۱۱۳' مسند امام احمد میں بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین مسلمانوں کو قتل کیا جا سکتا ہے' شادی شدہ زانی' قاتل عمد اور مرتد۔ (امام احمد' ۱/۶۳)

احناف کے نزدیک مرتدہ عورت کی وکالت اس لیے جائز رہتی ہے کہ ارتداد کے بعد بھی اس کے تصرفات نافذ ہوتے ہیں اور اس کا قتل واجب نہیں کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے "**نہی عن قتل النساء والصبیان**" (ابن ماجہ ابواب الجہاد' باب الغارۃ والبیات وقتل الصبیان' ص ۲۰۳۔ ابوداود' کتاب الجہاد' باب فی قتل النساء' ۲/۳۶۲) اسی بنا پر وہ مرتدہ عورت اسلامی ریاست میں

ہی رہے گی۔ احناف کے نزدیک اگرچہ یہ حدیث جنگ میں کافر عورتوں سے متعلق ہے لیکن مرتدہ کے ساتھ بھی اصل کافرہ جیسا سلوک کیا جائے گا (جزیری' کتاب الفقہ' ۴۲۶/۵) سنن دار قطنی میں یہ حدیث بھی ہے کہ مرتدہ عورت کو قتل نہیں قید کیا جائے گا (حدیث نمبر ۱۲۰) کتاب الحدود' ۱۱۸/۳۔ دار قطنی ہی کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ مرتدہ عورت کو اسلام لانے پر مجبور کیا جائے گا۔ (۱۱۸/۳)

باقی آئمہ کے نزدیک مرتدہ عورت کو بھی قتل کیا جائے گا۔ (کتاب الفقہ ۴۲۶/۵) کیونکہ سنن دار قطنی میں ہی متعدد روایات ایسی ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرتدہ عورتوں پر اسلام پیش کرو اگر وہ اسلام کی طرف رجوع نہ کریں تو قتل کر دیا جائے۔ (دار قطنی' حدیث نمبر ۱۲۱۔ ۱۲۸) 'کتاب الحدود' ۱۱۸/۳ تا ۱۲۰۔)

۶۱۔ کاسانی' بدائع الصنائع' ۲۰/۶۔

۶۲۔ عبدالواحد' شرعی قانون عقد وکالت' سہ ماہی منہاج' (جلد نمبر ۵' شمارہ ۱۔ ۲) جنوری تا جون ۱۹۹۸ء' دیال سنگھ لائبریری' لاہور' ص ۱۰۰۔

۶۳۔ طحطاوی' حاشیہ الطحطاوی' ۲۶۵/۳۔

۶۴۔ عبدالواحد' شرعی قانون عقد وکالت' سہ ماہی منہاج' ص ۱۰۰۔

۶۵۔ یہ اس لیے کہ نکاح کے گواہوں کی ایک شرط یہ ہے کہ وہ مسلمان ہوں لہٰذا نکاح کے وکیل کے لیے مسلمان ہونا بدرجہ اولیٰ ضروری ہے۔ (مرغینانی' ہدایہ' ۲۸۶/۲)۔

۶۶۔ سرخسی' المبسوط' ۱۴۱/۱۹۔ کاسانی' بدائع الصنائع' ۲۰/۶۔

۶۷۔ عبدالواحد' شرعی قانون عقد وکالت' ص ۱۰۱۔

۶۸۔ سرخسی' المبسوط' ۱۴۱/۱۹۔

۶۹۔ کاسانی' بدائع الصنائع' ۲۰/۶۔

۷۰۔ مرغینانی' ہدایہ' ۱۷۸/۳۔

السید البکری' اعانۃ الطالبین' ۸۵/۳۔

۷۱۔ ابن قدامہ' المغنی' ۸۸/۵۔

۷۲۔ مسلمان مرد اور کافر عورت کے نکاح کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے **"ولا تنکحوا المشرکات حتی یومن ولا تنکحوا المشرکین حتی یومنوا"** (سورۃ البقرۃ' ۲۲۱/۲۔) مشرک

عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان قبول نہ کرلیں اور نہ مسلمان عورتیں مشرک مردوں سے نکاح کریں یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔

۷۳۔ حالت احرام میں ہر قسم کا شکار اور جانوروں کا قتل ممنوع ہے اگر کسی وجہ سے کوئی جانور قتل ہو جائے تو جنایت ادا کرنا پڑتی ہے' (احسن نانوتوی' غایہ الاوطار' ۱/۶۴۹)

۷۴۔ جزیری' کتاب الفقہ' ۳/۱۷۰۔

۷۵۔ ابن نجیم' البحرالرائق' ۷/۱۴۱۔

۷۶۔ ابو زکریا شرف نووی' منھاج الطالبین علی متن مغنی المحتاج لشربینی' ۲/۲۱۷۔

۷۷۔ مجور کا لفظ حجر سے ہے جس کا لغوی معنی ہے روکنا۔ فقہی اصطلاح میں کسی شخص کو مالی معاملات میں حق تصرف سے روکنا حجر کہلاتا ہے۔ عام طور پر مجور کرنے کے فقہاء نے تین اسباب بیان کیے ہیں۔ ا۔ کم عمری ۲۔ جنوں ۳۔ مدہوشی و بے عقلی' اول الذکر دو اسباب کے باعث مجور کرنا بالاتفاق درست ہے البتہ فاترالعقل اور نابالغ بچہ جو معاملات کو درست انجام نہ دے سکتا ہو اسے اس کا باپ یا باپ کی طرف سے مقرر کردہ وصی مجور کر سکتا ہے۔ ان دونوں کی عدم موجودگی میں یہ اختیار قاضی یا جج کو مل جاتا ہے۔ اگر کسی بچے میں بالغ ہو کر بھی عقل و شعور پیدا نہ ہو تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک پچیس سال کی عمر کے بعد اسے معاملات میں حق تصرف دے دیا جائے گا جب کہ صاحبین کے نزدیک عقل و سمجھ آنے کے بعد ہی حق تصرف دیا جائے۔ خواہ کتنی عمر ہو جائے۔ (جزیری' کتاب الفقہ' ۲/۳۵۲)

ان اسباب کے علاوہ کسی اور معقول بنا پر عدالت بھی کسی مالک کو اس کی اپنی ملکیت میں حق تصرف سے روک سکتی ہے۔ (فتاوی ہندیہ' ۵/۵۶' ابن نجیم' البحرالرائق' ۸/۷۸)

۷۸۔ ابن نجیم' البحرالرائق' ۷/۱۴۱۔ ۱۴۲۔

۷۹۔ ابن عابدین' ردالمختار' ۴/۴۰۰۔ الطحاوی' حاشیہ' ۳/۲۶۵۔

۸۰۔ اسلام میں عادل سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں قذف یعنی تہمت زنا کی حد نہ لگی ہو' سورۃ نور کی آیت نمبر ۴ اور ۵ میں محدود بالقذف کی گواہی قبول نہ کرنے کا حکم ہے۔ (عبدالمالک عرفانی' اسلامی قانون شہادت' قانونی کتب خانہ' لاہور' ۱۹۸۰ء ص ۳۷' ۳۹)

۸۱۔ کاسانی' بدائع الصنائع' ۶/۲۰۔ فتاوی ہندیہ' ۳/۵۶۱۔

۸۲۔ مکرہ سے مراد وہ شخص ہے جسے ضرب شدید یا ڈرا دھمکا کر کسی کام کے کرنے کا کہا جائے اس

کی دو قسمیں ہیں۔ ا۔ کامل اکراہ۔ جس میں کسی شخص کو ڈرانے کی نوبت قتل جان یا کسی عضو کو ضائع کرنے تک ہو۔ ۲۔ ناقص اکراہ۔ وہ اکراہ جس میں کسی کو ضرب شدید کا خوف نہ دیا جائے۔ ضرب شدید کی چار علامتیں ہیں۔ ا۔ تہدید ۲۔ خوف دلانا ۳۔ تلف عضو ۴۔ قتل۔ صرف قید کرنا اکراہ ناقص ہو گا۔ (احسن نانوتوی' **غایۃ الاوطار**' ۸۶/۴۔۸۷)

۸۳۔ احمد حمد' نظریہ النیابہ' ص ۴۲۔

۸۴۔ امام محمد بن حسن شیبانی' کتاب الاصل' ادارۃ القرآن والعلوم اسلامیہ' کراچی' (ت۔ ن)' ص ۸۴۔

۸۵۔ ابن رشد' بدایہ المجتہد' ۲۲۶/۲۔

ابن ہمام' فتح القدیر' ۵۶۳/۶۔

۸۶۔ فتاوی ہندیہ' ۵۶۲/۳۔

۸۷۔ سرخسی' المبسوط ۴۵/۱۹۔

۸۸۔ مرغینانی' ہدایہ' ۱۷۸/۳۔

۸۹۔ ابن عابدین' ردالمختار' ۴۴۷/۴۔

۹۰۔ غبن سے مراد خرید و فروخت میں دھوکہ دینا ہے اس کی دو قسمیں ہیں (i) غبن یسیر (کم دھوکہ)۔ اس کی صورت یہ ہے کہ دس روپے میں خریدی ہوئی چیز نو روپے میں فروخت کر دینا (ii) غبن فاحش۔ (بڑا دھوکہ) دس روپے میں خریدی ہوئی چیز پانچ روپے میں فروخت کرنا غبن فاحش کہلاتا ہے۔ یہ دھوکہ خواہ بائع کی طرف سے ہو یا مشتری کی طرف سے غبن ہی کہلاتا ہے۔ (امجد علی' بہار شریعت' غلام علی' لاہور' (ت۔ ن)' ۷۵/۱۱)

۹۱۔ ابن نجیم' البحرالرائق' ۱۴۲/۷۔

۹۲۔ ابن قدامہ' المغنی' ۸۸/۵۔

۹۳۔ مراھق سے مراد وہ بچہ ہے جو بلوغت کے قریب ہو اور اس میں نفسانی خواہشات پیدا ہونا شروع ہو جائیں۔
(صمیم الاحسان' قواعد الفقہ' ص ۴۷۷)

۹۴۔ محمود نسفی' کنز الدقائق' ص ۲۷۲۔

۹۵۔ ابن عابدین' **منحۃ الخالق علی البحرالرائق**' ۱۴۲/۷۔

۹۶۔ آپ کا اصل نام ہند بنت ابی امیہ مخزومی تھا۔ بعض کے نزدیک آپ کا نام رملہ تھا۔ لیکن اول الذکر نام زیادہ صحیح اور معروف ہے (احمد بن قسطلانی' المواہب اللدنیہ' المکتب الاسلامی' بیروت' ۱۹۹۱ء' ۸۴/۲)

۹۷۔ عمر بن سلمہ کا نام بعض کتب میں عمرو بھی مذکور ہے (کاسانی' بدائع الصنائع' ۲۰/۶)

۹۸۔ آپ پانچویں سال نبوت ہجرت حبشہ کے دوران حبشہ میں پیدا ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ام سلمہؓ سے نکاح ۴ھ کو ہوا۔ اس لحاظ سے اس نکاح کے وقت آپ کی عمر نو برس تھی۔ آپ کے باشعور ہونے کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ سلم سے آپؓ نے پوچھا کہ کیا روزے کی حالت میں آپ اپنی ازواج سے تقبیل کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ سوال اپنی والدہ سے کرو۔ چنانچہ آپ نے پھر یہ سوال اپنی والدہ سے کیا تو آپ نے ہاں میں جواب دیا۔ (مسلم' "کتاب الصیام' باب بیان **ان القبلہ فی الصوم لیست محرمۃ**" ۱/ ۳۵۳۔ ابن عبدالبر' الاستیعاب علی ھامش الاصابہ فی تمیز الصحابہ (نمبر ۱۸۸۲)' ۸/ ۲۷۴' ابن حجر عسقلانی' الاصابہ' (۵۷۳۵)' مکتبہ الکلیات الازہریہ' مصر' ۱۹۷۷ء' ۷۷/۷)

۹۹۔ عبداللہ بن سھل انصاری خیبر میں گئے تو انہیں وہاں کے یہودیوں نے شہید کر دیا۔ انہی کی وجہ سے قسامت ہوئی ان کی گردن توڑ کر ایک چشمے میں ڈال دیا گیا۔ (ابن اثیر جزری' اسد الغابہ (۲۹۹۶)' ۲۷۰/۳' ابن البر' الاستیعاب (نمبر ۱۵۶۷)' ۲۳۶/۶۔ ابن حجر عسقلانی' الاصابہ (۴۷۲۴)' ۱۱۳/۶۔

۱۰۰۔ امام مالک' موطا' (کتاب القسامت' باب تبداۃ اھل الدم فی القسامۃ) میر محمد' کتب خانہ' کراچی' (ت۔ن)' ص ۶۸۱۔
البخاری' (کتاب الاحکام' باب کتاب الحاکم الی عمالہ)' ۱۰۶۷/۲۔

۱۰۱۔ البخاری' (کتاب الوکالۃ)' ۳۰۸/۱۔

۱۰۲۔ ایضاً۔

۱۰۳۔ جزیری' کتاب الفقہ' ۱۷۱/۳۔

۱۰۴۔ حربی سے مراد اس ملک کا شہری ہے جس سے جنگی حالات ہوں اور اس سے ہر طرح کے تعلقات منقطع ہوں (عمیم الاحسان' قواعد الفقہ' ص ۲۶۲۔)

۱۰۵۔ جزیری' کتاب الفقہ' ۱۷۱/۳۔

۱۰۶۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۶/۲۰۔
طحطاوی، حاشیہ، ۳/۲۶۵۔
۱۰۷۔ جیسے پاکستان میں ۱۰ فروری ۱۹۷۹ء بمطابق ۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ کو اسلامی حدود کا نفاذ ہوا لیکن حد ارتداد کو نافذ نہیں کیا (محمد شفیع، شرح مجموعہ تعزیرات پاکستان، ص ۲۸۴)
۱۰۸۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۶/۳۹۔
۱۰۹۔ ابن قدامہ، المغنی، ۵/۱۲۶
۱۱۰۔ سرخسی، المبسوط، ۱۹/۱۳۹۔
۱۱۱۔ امام محمد، کتاب الاصل، ص ۸۴۔
۱۱۲۔ السید البکری، اعانۃ الطالبین، ۳/۸۵۔
۱۱۳۔ جزیری، کتاب الفقہ (مترجم) ۱/۱۰۳۶۔
۱۱۴۔ ایضاً" ۴/۶۷۶۔
۱۱۵۔ ابن رشد، بدایہ المجتہد، ۲/۲۲۶۔
۱۱۶۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۶/۲۰۔
۱۱۷۔ ابن نجیم، الاشباہ والنظائر، ص ۲۹۹۔
۱۱۸۔ ابن نجیم، البحرالرائق، ۷/۱۴۰۔
۱۱۹۔ احمد حمد، نظریہ النیابہ، ص ۴۷۔۴۸۔
۱۲۰۔ قاضی خاں، ۳/۱۴۷۔
فتاوی ہندیہ، ۳/۵۶۴۔
۱۲۱۔ شریعت میں مباح سے مراد کسی کام کے کرنے کا جائز ہونا ہے لیکن کسی ملک میں کس کام کو بلا روک ٹوک کیا جا سکتا ہے اور کس میں حکومت کی اجازت ضروری ہے یہ تعین وقت کی حکومت ہی کرتی ہے۔ وقت بدلنے سے مباحات میں بھی تبدیل آ جاتی ہے جیسے علامہ قاضی خاں نے معادن سے جواہرات نکالنا مباحات میں شامل کیا ہے لیکن عصر حاضر میں ایسا نہیں بلکہ یہ حکومت کا ایک معقول ذریعہ آمدن ہے۔
۱۲۲۔ قاضی خاں، ۳/۱۴۷۔
۱۲۳۔ امام سبکی، تکملہ المہذب، ۱۴/۹۶۔

۱۲۴۔ بھوتی، کشاف القناع، ۳/ ۴۶۴۔

۱۲۵۔ شمس الدین، نھایہ المحتاج، ۵/ ۲۳۔

۱۲۶۔ محمد عرفہ الدسوقی، حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر، داراحیاء التراث العربی، بیروت، (ت۔ ن)، ۳/ ۳۸۰۔

۱۲۷۔ سورۃ البقرہ، ۲/ ۱۹۰۔

۱۲۸۔ ایضا″، ۱۹۴۔

۱۲۹۔ ابن نجیم، البحرالرائق، ۷/ ۱۴۳۔

۱۳۰۔ قاضی خاں، ۳/ ۱۴۷۔ فتاوی ہندیہ، ۳/ ۵۶۴۔

۱۳۱۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۶/ ۲۳۔

۱۳۲۔ الجزیری، کتاب الفقہ، ۳/ ۱۷۱۔

۱۳۳۔ شیرازی، المھذب، ۱/ ۳۴۹۔

۱۳۴۔ ایضا″۔

۱۳۵۔ سورۃ الانعام، ۶/ ۱۶۴، سورۃ الفاطر، ۳۵/ ۱۸، سورۃ الزمر، ۳۹/ ۷

۱۳۶۔ سورۃ النجم، ۵۳/ ۳۸۔

۱۳۷۔ اس لیے کہ اس سے شہادت کی تکمیل میں کمی آجاتی ہے۔

۱۳۸۔ مرغینانی، ہدایہ، ۳/ ۱۷۷۔

۱۳۹۔ جزیری، کتاب الفقہ، ۳/ ۱۷۲۔
عبدالوہاب شعرانی، میزان الکبری، دارالفکر، بیروت، (ت۔ ن)، ۲/ ۸۳۔

۱۴۰۔ الشربینی، مغنی المحتاج، ۲/ ۲۱۹۔

۱۴۱۔ الشربینی، مغنی المحتاج، ۲/ ۲۱۹۔ السید البکری، اعانۃ الطالبین، ۳/ ۸۵۔

۱۴۲۔ ایضا″، ص ۲۲۰۔

۱۴۳۔ ابن نجیم، الاشباہ والنظائر، ص ۲۹۷۔

۱۴۴۔ خطیب الشربینی، المغنی المحتاج، ۲/ ۲۲۱۔

۱۴۵۔ ابن قدامہ، المغنی، ۵/ ۹۴۔

۱۴۶۔ الشربینی، مغنی المحتاج، ۲/ ۲۱۹۔

۱۴۷۔ مقدسی، الاقناع، ۲/ ۲۳۴۔

۱۴۸۔ علاؤ الدین، الدر المختار، ص ۶۸۴۔

۱۴۹۔ الجزیری، کتاب الفقہ، ۳/ ۱۷۹۔

۱۵۰۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۶/ ۲۰۔ الشربینی، مغنی المحتاج، ۲/ ۲۲۳۔

۱۵۱۔ السید سابق، فقہ السنہ، ۳/ ۲۳۰۔

۱۵۲۔ الجزیری، کتاب الفقہ، ۳/ ۱۸۸۔

۱۵۳۔ السید سابق، فقہ السنہ، ۳/ ۲۳۳۔

۱۵۴۔ الشربینی، مغنی المحتاج، ۲/ ۲۲۹۔

۱۵۵۔ سبکی، تکملہ المجموع، ۱۴/ ۱۱۱۔

۱۵۶۔ شمس الدین، نھایہ المحتاج، ۵/ ۲۳۔

۱۵۷۔ احمد حمد، نظریہ النیابہ، ص ۵۹۔ ۶۰۔

باب سوم

اسباب، عناصر، ارکان، شرائط اور حکم وکالت

۸۵۔ ۱۲۹

اسباب، عناصر، ارکان، شرائط و حکم وکالت

فصل اول

اسباب وکالت

اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو جو خصوصیات عطا فرمائیں ان میں سے ایک خصوصیت لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرنا ہے۔ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"یرید اللّٰہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر"(۱)

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ تمہارے لیے تنگی کی بجائے آسانی فراہم کرتا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

"وما جعل علیکم فی الدین من حرج"(۲)

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے دین کے معاملے میں تمہارے لیے کوئی تنگی نہیں رکھی۔

دن اسلام کے آسان ہونے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

i۔ **"ان الدین یسر"(۳)** بے شک دین آسان ہے۔

ii۔ **"احب الدین الی اللّٰہ الحنیفیۃ السمحۃ"(۴)**

اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین حنیف ہے جو آسان ہے۔

iii۔ احکام دین میں لوگوں کے لیے آسان پیدا کرنے کا حکم اس طرح دیا گیا۔

احکام دین میں لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرو اور سختی نہ کرو۔

اس آسانی کی بنیاد پر قرآن و حدیث میں وکالت کی اجازت دی گئی۔

وکالت ہر دور میں انسان کی ایک ناگزیر ضرورت رہی اور رہے گی۔ کیونکہ بعض صورتوں میں انسان اپنی جائیداد اور دیگر معاملات کے انتظام و انصرام سے قاصر ہوتا ہے یا انتظام و انصرام کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اس لیے اسلام نے مسلمانوں کو یہ اجازت دی کہ وہ اپنے بعض قابل نیابت دینی اور دنیاوی امور بلا تفریق دین اپنے وکلاء کی معرفت انجام دے سکتے ہیں۔

اگرچہ شریعت میں بلاعذر بھی توکیل کی اجازت ہے۔ لیکن پھر بھی فقہاء کرام نے کتب فقہ میں ان اسباب کا ذکر کیا ہے جن کی بنا پر کوئی شخص اپنے معاملات طے کرنے کے لیے کسی کو وکیل مقرر کر سکتا ہے۔ امام سرخسی فرماتے ہیں۔

"فقد یعجز الانسان عن حفظ مالہ عند خروجہ للسفر' وقد یعجز عن التصرف فی مالہ لقلۃ ہدایتہ وکثرۃ اشتغالہ اولکثرۃ مالہ فیحتاج الی التفویض التصرف الی الغیر بطریق الوکالۃ"(٦)

کبھی انسان سفر پر جاتے وقت اپنے مال کی حفاظت سے کبھی معروفیت' عدم علم اور کثرت مال کے باعث اپنے مال میں تصرف کرنے سے عاجز آ جاتا ہے اور وکالت کے ذریعہ کسی غیر کو تصرف دینے کا محتاج ہو جاتا ہے۔

ابو اسحاق ابراہیم بن علی شیرازی مہذب میں فرماتے ہیں۔

"قدیکون لہ مال ولا یحسن التجارۃ فیہ' وقد یحسن ولا یتفرغ الیہ لکثرۃ اشغالہ فجازان یوکل فیہ غیرہ"(٧)

کبھی انسان کے پاس مال ہوتا ہے لیکن اچھی تجارت کرنے کا علم نہیں ہوتا اور کبھی تجارت کا علم ہوتا ہے لیکن کثرت معروفیت کے باعث تجارت کے لیے فراغت نہیں ہوتی۔ لہٰذا ان امور میں کسی دوسرے کو وکیل کرنا جائز ہے۔

علامہ علاؤالدین نے وکالت کے یہ دو اسباب بیان کیے ہیں۔

"ترفہا" او عجزا" "(٨) یعنی وکالت آسائش اور عاجزی کی بنا پر کی جا سکتی ہے۔

فقیہ ابو اللیث سمرقندی اور علامہ عبداللہ بن احمد محمود نسفی نے پردہ نشینی کو بھی وکالت کا سبب

قرار دیتے ہوئے کہا۔

اگر پردہ نشین عورت جو عام لوگوں اور قاضیوں کی مجلس میں جانے کی عادی نہیں اس کے لیے بھی اپنے امور میں کسی کو وکالت سونپنا جائز ہے۔(۹)

علامہ ابن نجیم نے البحرالرائق اور الاشباہ والنظائر میں فرمایا ہے۔

"لایجوز عند الامام الا ان یکون الموکل مسافراً او مریضاً او مخدرۃ"(۱۰)

امام ابوحنیفہ کے نزدیک وکالت اس وقت جائز ہے جب موکل مسافر، مریض یا پردہ نشین عورت ہو۔

فتاویٰ ہندیہ میں قید کو وجہ توکیل اس طرح بیان کیا گیا:

"ان کان الموکل محبوساً فی سجن الوالی و ھو لایمکنہ الخروج للخصومۃ یقبل منہ التوکیل"(۱۱)

اگر موکل کسی قید میں ہو اور خصومت کے لیے اس کا باہر نکلنا ناممکن ہو تو اس کی طرف سے توکیل جائز ہے۔

یہ وہ اسباب ہیں جن کی وجہ سے کوئی شخص اپنے امور کی انجام دہی کے لیے کسی کو وکیل مقرر کر سکتا ہے۔

اب ان اسباب وکالت کا ذکر الگ الگ کیا جاتا ہے۔

۱۔ عدم حفظ

عدم حفظ (Insecurity) سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی کسی چیز کی حفاظت کرنے سے قاصر ہو۔ خواہ اس کی وجہ جسمانی کمزوری ہو بیماری، دینی مصروفیت ہو یا دنیاوی مصروفیت لہٰذا اس سبب کی بنا پر کسی بھی شخص کے لیے اپنے معاملات طے کرنے کے لیے توکیل جائز ہے۔

۲۔ عدم سفر

اگر کسی شخص کا کسی مقام پر کوئی کاروبار ہو یا لین دین، کسی قرض کو ادا کرنا ہو یا کسی عدالت میں مقدمہ زیر سماعت ہو اور موکل کسی عارضہ، بیماری یا کسی اور سبب سے سفر کرنے سے عاجز ہو تو وہ شخص ان امور کو بجالانے کے لیے وکیل مقرر کر سکتا ہے۔ اس سب کو عدم سفر (Disability of Travelling) کہا جاتا ہے۔

۳۔ مصروفیت

اپنے معاملات خود طے نہ کر سکنے کی ایک وجہ مصروفیت (Engagement) بھی ہو سکتی ہے خواہ یہ مصروفیت دینی ہو یا دنیاوی لہٰذا اس مصروفیت کے باعث موکل اپنے لیے وکیل نامزد کر سکتا ہے۔

۴۔ عدم علم

اگر کسی شخص کو ایسے معاملے کا سامنا کرنا پڑے جس کے متعلق اسے علم نہ ہو جیسے کوئی شخص کسی ایسی چیز کو خریدنا چاہتا ہو جس کے بارے میں اسے ضروری معلومات نہ ہوں یا کسی مقدمہ میں اپنے مدعا کو دعوی یا جواب دعوی کی صورت میں بیان نہ کر سکتا ہو تو اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے وہ اپنا وکیل مقرر کر سکتا ہے۔

۵۔ کثرت مال/وسعت کاروبار

اگر کسی شخص کے متعدد مقامات پر کاروبار ہوں یا ایک ہی مقام پر اتنے کاروبار ہوں کہ وہ خود انہیں چلا نہ سکتا ہو تو وہ اپنے کاروبار چلانے کے لیے وکیل مقرر کر سکتا ہے۔

۶۔ عجز

عجز (Disability) سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بولنے سے عاجز اور معذور ہو یا جسمانی کمزوری کے باعث بولنے پر مکمل قادر نہ ہو یا کسی عذر یا بیماری کے باعث سفر کرنے سے عاجز ہو تو بھی اسے اجازت ہے کہ وہ اپنا معاملات طے کرنے کے لیے وکیل مقرر کر لے۔

۷۔ محبوس ہونا

محبوس یا قید میں ہونا (Imprison) بھی توکیل کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ اگر کوئی شخص کسی سزا کی وجہ سے قید میں ہو تو اپنے اور اپنی بیوی بچوں کے لیے اشیاء کی خرید و فروخت اور دیگر مقدمات و معاملات طے کرنے کے لیے وکیل مقرر کر سکتا ہے۔

۸۔ بیماری

اگر موکل بیمار ہو اور بیماری کے باعث اپنے معاملات طے کرنے سے قاصر ہو تو اس سبب کے باعث بھی اسے اپنا وکیل مقرر کرنے کا اختیار ہے۔

عناصر و ارکان وکالت

عناصر وکالت

عناصر وکالت سے مراد وہ عناصر ہیں جو عقد وکالت کی تکمیل میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی ایک عنصر بھی مفقود ہو تو عقد وکالت کامل نہیں ہوتا۔ فقہاء کرام نے وکالت کے یہ چار عناصر بیان کیے ہیں۔

۱۔ موکل

موکل (Client) سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے معاملات طے کرنے کے لیے کسی کو وکیل کو مقرر کرتا ہے۔

۲۔ وکیل

وکیل (Advocate/Agent) اس شخص کو کہا جاتا ہے جسے موکل اپنی ضرورت کے تحت کسی کام کو سرانجام دینے کے لیے مقرر کرتا ہے۔

۳۔ موکل فیہ

موکل فیہ (Case) سے مراد وہ امور و معاملات ہیں جن کو کرنے کے لیے موکل اپنا وکیل نامزد کرتا ہے۔

۴۔ صیغہ وکالت

وہ الفاظ یا طریقہ (Grammtical form) جس سے موکل اپنے وکیل کو مقرر کرتا ہے صیغہ وکالت کہلاتا ہے۔(۱۸)

ارکان وکالت

ارکان(۱۹) وکالت سے مراد وکالت کے وہ بنیادی ارکان ہیں جو موکل اور وکیل کے درمیان

پردہ نشین عورت سے مراد وہ عورت ہے جو غیر محرم آدمیوں سے نہ ملتی ہو یا ملنے سے شرم محسوس کرتی ہو۔ اگرچہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ(۱۲) ایسی پردہ نشیں عورتیں چونکہ اپنے گھروں سے باہر نہیں نکلتیں نہ ہی عام لوگوں سے کاروباری لین دین کرتی ہیں۔ نیز عورتیں عدالتوں میں جانے سے بھی گریزاں ہوتی ہیں لہٰذا ایسی پردہ نشین عورتیں پردہ نشینی (Modesty) کے باعث اپنے مسائل و معاملات کے لیے وکیل مقرر کرسکتی ہیں۔

۱۰۔ عذر شرعی

اگر کسی شخص کو عدالت میں حاضری کے لیے کوئی شرعی عذر (Religious objection) مانع ہو تو بھی وکیل خصومت فریق ثانی کی رضامندی کے بغیر مقرر کیا جا سکتا ہے۔ جیسے موکل کا اعتکاف میں ہونا یا اگر عدالت مسجد میں لگائی گئی ہو اور حیض و نفاس والی عورت کسی مقدمہ میں شریک ہو تو وہ ان حالات میں مسجد میں نہیں آسکتی لہٰذا اس شرعی عذر کے باعث وہ اپنا وکیل مقرر کرسکتی ہے۔(۱۳)

۱۱۔ آسائش

ان مذکورہ اسباب میں سے اگر موکل کسی بھی سبب سے دو چار نہ ہو تو بھی موکل اپنے معاملات طے کرنے کے لیے وکیل مقرر کرسکتا ہے اور ایسا کرنا شرعاً جائز ہے۔ اس لیے فقہاء نے "ترفہاً اوعجزاً"(۱۴) کے الفاظ استعمال کیے ہیں یعنی وکالت خواہ آسائش (Facility) کی بناء پر ہو یا کسی عجز و معذوری کے باعث وہ وکالت جائز ہوگی۔

آسائش کی بناپر وکالت کی اجازت اس حدیث سے ملتی ہے جسے حضرت ابوہریرہؓ نے روایت کیا ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ ایک شخص کا اونٹ واجب الادا تھا۔ جب وہ شخص اپنا اونٹ لینے آیا تو آپؐ نے صحابہ کرام سے فرمایا اسے اونٹ دے دو۔(۱۵)

اس حدیث کے ضمن میں علامہ قرطبی فرماتے ہیں:

کہ یہ حدیث موکل کے صحت مند ہونے کے باوجود وکالت کا جواز پیش کرتی ہے کیونکہ جب آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو اونٹ واپس کرنے کا حکم فرمایا تو اس وقت آپ بیمار تھے اور نہ مسافر(۱۶)

قاضی وکیع بن خلف نے بلا عذر و سبب وکیل مقرر کرنے کے جواز کا ذکر اس طرح کیا کہ محمد بن عمر اور عبداللہ بن جعفر نے کہا کہ انہوں نے ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کو خصومت میں وکیل نامزد کیا۔ "**وهو حاضر المصر لاعلة به**"(۱۷) حالانکہ وہ مصر میں تھے اور انہیں کسی طرح کا کوئی سبب لاحق نہ تھا۔

"**امابیان رکن التوکیل فھو الایجاب والقبول**"(۲۰)

وکالت کے ارکان دو ہیں۔ ایجاب اور قبول۔

علامہ موفق الدین ابن قدامہ نے المغنی میں اس طرح ارکان وکالت کا ذکر کیا ہے۔

"**لاتصح الوکالۃ الا بالایجاب والقبول**"(۲۱)

وکالت ایجاب اور قبول کے بغیر صحیح نہیں ہوتی۔

ایجاب

دیگر عقود کی طرح وکالت بھی ایک عقد ہے جس طرح باقی عقود کی تکمیل ایجاب اور قبول سے ہوتی ہے اسی طرح عقد وکالت کی تکمیل کے لیے بھی ایجاب و قبول کا ہونا ضروری ہے۔ ایجاب (Offer) سے مراد موکل کی طرف سے وکیل کو وکالت کی پیش کش کرنا ہے جیسے کوئی کہے۔

میں نے تجھے فلاں کام کے لیے وکیل بنایا ہے۔ تو یہ کام کریا میں نے تجھے فلاں کام کرنے کی اجازت دی۔ تو ان الفاظ سے وکالت منعقد ہو جائے گی۔ ایجابی الفاظ کے متعلق فتاوی ہندیہ میں ہے۔

"**کل لفظ یدل علی الاطلاق**"(۲۲)

عقد وکالت میں ان الفاظ کا ہونا ضروری ہے جو مفہوم وکالت کو واضح کریں جیسے "**وکلتک**" میں نے تجھے وکیل کیا۔ "**ھویت**" میں نے خواہش کی۔ "**احببت**" میں نے پسند کیا۔ "**شئت**" میں نے چاہا اور "**اردت**" میں نے ارادہ کیا۔ اسی طرح اگر ایجاب وکالت کے لیے موکل نے کسی سے کہا۔

"میری زندگی میں تو میرا وصی ہے یا فلاں قرض کی وصولی میں تو میرا وکیل ہے یا موکل نے صرف کام کا ذکر کیا جیسے الف نے ب سے کہا۔ میں تیرا نکاح کردوں تو ب نے جواباً" کہا ہاں تو ان الفاظ سے وکالت کا اثبات ہو جائے گا"(۲۳)

اگر ایجاب کے یہ الفاظ ہوں۔ "**فوضت امری الیک**" میں نے اپنا کام تیرے سپرد کیا۔ "**الیک امر دیونی**" میرے قرض کا معاملہ تیرے سپرد ہے۔ "**فوضت امر دوابی**" میرے جانور کا معاملہ تیرے سپرد ہے۔ ان الفاظ سے بھی وکالت کا اثبات ہو جائے گا۔

اگر موکل نے کسی سے کہا:

"**فوضت امراتی الیک**" میں نے اپنی بیوی تیرے سپرد کی۔ تو اس سے صرف حق طلاق حاصل ہو گا۔(۲۴) اگر موکل نے ایجاب کے لیے یہ کہا کہ فلاں شخص میرے ہر معاملے میں وکیل ہے اور کس

خاص تصرف کا ذکر نہیں کیا تو اس سے صرف ادنی تصرف(۲۵) (حفظ مال) کی وکالت ثابت ہو گی۔(۲۶)
اگر موکل نے وکیل سے کہا "**انت وکیلی فی کل شئی جائز**" تو میرے ہر جائز کام میں وکیل ہے تو اس سے مراد معاوضات و تصرفات مالیہ(۲۷) ہوں گے لیکن اس میں طلاق اور ھبہ جیسے معاملات شامل نہیں ہوں گے البتہ اگر کسی نے اپنی زوجہ سے کہا: "**انت وکیلی فی کل شئی**" تو میرے ہر معاملے میں میری وکیل ہے۔ تو وہ بیوی اپنے شوہر کے تمام امور بشمول تصرفات مالیہ میں وکیل ہو گی۔(۲۸)

ایجاب ان الفاظ سے ہونا چاہیے جو لغوی' عرفی اور قانونی لحاظ سے درست ہوں۔ اگر لغوی اور عرفی معنی میں اختلاف ہو تو عرفی معنی قابل ترجیح ہو گا۔(۲۹) اگر ایجاب میں عمومیت ہو یعنی موکل نے یہ کہا ہو۔

کہ تو جو کچھ میرے لیے کرے وہ جائز ہے یا یہ کہا کہ میں نے اپنے معاملات میں تمہیں وکیل بنایا ہے تو اس سے توکیل عام ثابت ہو گی۔ اگر ایجاب میں کسی خاص موکل فیہ کا ذکر کیا تو اس خاص امر میں وکالت ثابت ہو گی۔(۳۰) اگر ایجاب کے وقت موکل نے موکل فیہ واضح ہی نہیں کیا اور نہ ہی کوئی قرینہ ہو تو ایجاب باطل ہو گا جیسے ابن ابی الدم (م ۶۴۲ھ) نے لکھا ہے۔

اگر موکل نے کسی شخص سے کہا "**وکلتک بکل قلیل وکثیر ولم یجز لانہ غرر کبیر**"(۳۱)
میں نے تجھے ہر کم اور زیادہ پر وکیل کیا تو یہ وکالت جائز نہ ہو گی کیونکہ یہ بڑا دھوکہ ہے۔(۳۲)

ایجاب کو اگر کسی وقت یا امر جائز کے ہونے یا نہ ہونے سے مشروط کیا تو شرط پوری ہونے پر ایجاب موثر ہو گا۔(۳۳)

توکیل عام کے ایجاب کے وقت موکل کا پیشہ بھی معروف و معلوم ہونا چاہیے اگر بوقت ایجاب موکل کا کوئی پیشہ معروف نہ ہو تو بھی وکالت باطل ہو گی۔ فتح القدیر میں ہے:

"**وان لم یکن لہ صناعۃ معلومۃ ومعاملاتہ مختلفۃ فالوکالۃ باطلہ**"(۳۴)

اگر وکیل کا پیشہ معلوم نہ ہو اور امر وکالت اس کے پیشے سے مختلف ہو تو وکالت باطل ہو گی۔

ایجاب کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ موکل وکیل کو پہچانتا ہو اگر موکل وکیل کو ایجاب وکالت کے وقت پہچانتا نہ ہو تو بھی وکالت درست نہ ہو گی۔ الاقناع میں ہے۔

"**فلو وکل زیدا وھو لایعرفہ اولم یعرف الوکیل موکلہ لم یصح**"(۳۵)

اگر زید نے کسی کو وکالت کی پیش کش کی اور وہ اسے پہچانتا نہ ہو یا وکیل اپنے موکل کو نہ

پہچانتا ہو تو وکالت درست نہ ہوگی۔

شریعت اسلامیہ میں ایجاب محض اطلاع دینے اور وکیل کا اطلاع سن کر خاموشی اختیار کرنے سے بھی ثابت ہو جاتا ہے اگرچہ اطلاع دینے والا عادل و صالح ہو یا فاسق و فاجر۔(۳۶) لیکن پھر بھی موجودہ دور کے قانونی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ عقد وکالت کو تحریر میں لایا جائے بالخصوص کسی اہم معاملے میں کس کو جب وکیل مقرر کرنا ہو تو تحریری معاہدہ بہت سے خدشات سے بچنے کا سبب بنتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"یاایھا الذین امنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوہ"(۳۷)

اے ایمان والو جب تم کسی مقررہ مدت کے لیے قرض لو تو اسے لکھ لو۔

امام قرطبی فرماتے ہیں:

اشارۃ ظاھرۃ الی انہ یکتبہ بجمیع صفۃ المبینۃ لہ المعربۃ عنہ لاختلاف المتوھم بین المتعاملین(۳۸)

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ تمام معاملات جن میں فریقین میں وہم کی بنا پر جھگڑا اور اختلاف کا اندیشہ ہو انہیں تحریر کرلیا جائے۔

قبول

قبول (Acceptance) سے مراد وکیل کی طرف سے قبولیت کا اظہار کرنا ہے یہ اظہار قولی بھی ہو سکتا ہے، عمل اور اشارہ سے بھی۔(۳۹) قبولیت کا اظہار فوری بھی ہو سکتا ہے اور کسی سبب کی بنا پر کچھ تاخیر سے بھی۔(۴۰)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن صحابہ کرامؓ کو اپنے معاملات میں وکیل مقرر کیا تھا ان کے متعلق علامہ بھوتی فرماتے ہیں:

"لان وکلاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم ینقل عنھم سوی امتثال اوامرہ"(۴۱)

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وکلاء نے قبولیت کا اظہار اپنے عمل سے کیا تھا۔

قولی اظہار رضامندی کے لیے ماضی کا صیغہ استعمال کرنا چاہیے کیونکہ مستقبل کے صیغے سے عقد وکالت کی تکمیل نہیں ہوتی۔ اگر موکل اور وکیل دونوں نے ماضی کا صیغہ استعمال کیا یا موکل نے حال کا اور وکیل نے ماضی کا صیغہ استعمال کیا تو بھی اثبات وکالت ہو جائے گا۔

موکل کے لیے ضروری ہے کہ وہ جس شخص کو وکیل مقرر کر رہا ہے وہ اسے پہچانتا بھی

شخص کو اس کی عدم موجودگی میں وکیل مقرر کیا تو جونہی اسے وکیل بننے کی خبر موصول ہو گی وکالت کا اثبات ہو جائے گا۔ بشرطیکہ اس وکیل نے اس خبر پر رضا مندی کا اظہار کر دیا ہو۔ یہ خبر وکیل کو تحریری طور پر یا پیغام رسانی کے کسی بھی جدید طریقہ سے دی جا سکتی ہے۔ اگر وکیل کو تقرری وکالت کی خبر دینے والا شخص عادل نہ بھی ہو تو بھی عقد وکالت کا اثبات ہو جائے گا۔(۴۳)

اگر وکیل قبولیت وکالت کو کسی وقت یا معروف اور جائز شرط سے معلق کر دے اور موکل نے بھی اس شرط پر رضا مندی کا اظہار کر دیا ہو تو شرط پوری ہونے پر وکالت کا اثبات ہو گا پہلے نہیں۔(۴۴)

قبولیت وکالت کے لیے ضروری ہے کہ وکیل موکل کو پہچانتا ہو۔ اگر ایجاب کے بعد وکیل موکل کی عدم پہچان ظاہر کرے اور پھر قبولیت کا اظہار بھی ہو تو وکالت ثابت نہیں ہو گی۔(۴۵)

اگر خصوصی اور اہم معاملات میں وکالت کا ایجاب ہو تو قبولیت تحریری ہونی چاہیے اگرچہ فقہاء کے نزدیک اس کا تحریری ہونا ضروری نہیں۔(۴۶) لیکن عصر حاضر میں عقد تحریری نہ ہونے پر کئی طرح کے خدشات و خطرات جنم لے سکتے ہیں۔

فصل سوم

شرائط و حکم وکالت

شرائط وکالت

عناصر وکالت کے لحاظ سے شرائط وکالت کی درج ذیل اقسام ہیں۔

i۔ موکل سے متعلق شرائط۔
ii۔ وکیل سے متعلق شرائط۔
iii۔ موکل فیہ سے متعلق شرائط۔
iv۔ صیغہ وکالت سے متعلق شرائط۔

شرائط کی ان اقسام پر اب مفصل بحث کی جاتی ہے۔

موکل سے متعلق شرائط

فقہاء کرام کے نزدیک موکل سے متعلق یہ شرائط ہیں۔

i۔ عاقل ہونا

موکل سے متعلق پہلی شرط یہ ہے کہ وہ عاقل (Sensible) ہو کیونکہ وہ شخص جو مکمل جنون کی حالت میں ہو وہ کسی کا موکل نہیں بن سکتا۔ البحرالرائق میں ہے۔

"**فلا يصح توكيل مجنون**"(۴۷) یعنی مجنون شخص کی وکالت درست نہیں ہوتی۔

اس کا سبب یہ ہے کہ مجنون کسی کام کو انجام دینے اور کسی ملکیت میں تصرف کرنے کے اہل نہیں ہوتا اس بنا پر اس کی وکالت درست نہیں ہوگی۔(۴۸)

وہ انسان جو کبھی مجنون ہو اور کبھی عاقل۔ ایسے شخص کی حالت جنون میں کی گئی وکالت غیر موثر ہوگی اور افاقے کی حالت میں کی گئی وکالت درست ہوگی۔(۴۹) بشرطیکہ دورے اور افاقے کے اوقات معلوم و معروف ہوں اور افاقہ کی حالت سے یقینی تمیز کی جا سکے۔

معتوہ یعنی ناقص العقل کی توکیل کسی صورت میں صحیح نہیں ہوتی۔

ii۔ بلوغت

موکل کے لیے دوسری شرط (بلوغت Adolescence) ہے یعنی موکل بالغ ہو۔(۵۰) ابن نجیم نے لکھا ہے:

"فلایصح توکیل صبی لایعقل مطلقاً"(۵۱)

بچے کی وکالت درست نہیں ہوتی کیونکہ وہ مطلقاً" عقل اور تصرف کا اختیار نہیں رکھتا البتہ اگر عاقل و سمجھدار بچہ اگرچہ بالغ نہ بھی ہو تو وہ تصرفات نافعہ یعنی نفع آور امور میں موکل بن سکتا ہے اگرچہ اس کے ولی نے اسے توکیل کی اجازت نہ دی ہو۔ جیسے ھبہ اور صدقہ قبول کرنا۔ وہ امور جن میں نفع اور نقصان دونوں کا احتمال ہو جیسے عقود تملیکات(۵۲) وغیرہ۔ اس صورت میں اگر اس عاقل بچے کو ولی(۵۳) کی طرف سے تجارت کرنے کی اجازت حاصل ہو تو توکیل درست ہو گی۔ اگر ولی کی طرف سے اجازت نہ ہو تو پھر توکیل ولی کی اجازت پر موقوف ہو گی۔(۵۴)

وہ امور جن میں عاقل بچے کو تصرف کا خود اختیار نہ ہو اور واضح طور پر ان میں نقصان ہو جیسے طلاق، ھبہ اور صدقہ وغیرہ۔ ان معاملات میں سمجھدار بچے کی بھی وکالت کسی صورت میں جائز نہیں ہو گی اگرچہ اس کے ولی نے اسے اجازت دی ہو۔ کیونکہ ان امور میں موکل ہونے کے لیے بلوغت شرط ہے۔(۵۵)

امام شافعی فرماتے ہیں کہ صبی کو اگرچہ اس کے باپ یا حاکم وقت نے بھی تصرف کا اختیار دیا ہو تو بھی اس کی بیع درست نہیں ہو گی کیونکہ وہ شرعاً" مکلف نہیں۔ اس طرح اس کی وکالت بھی درست نہیں ہو گی۔(۵۶)

(iii) اسلام

موکل کے لیے مسلمان ہونا شرط نہیں۔ بدائع الصنائع اور فتاوی ہندیہ میں ہے کہ اگر موکل مرتد ہو اور اسی ملک میں مقیم ہو تو اس کی وکالت درست ہو گی(۵۷) اس طرح اگر غیر مسلم جو بطور ذمی اسلامی ملک کا شہری ہے اسے وہاں تمام حقوق حاصل ہیں تو وہ بھی مسلمان کا موکل ہو سکتا ہے۔ سوائے ان امور کے جن میں موکل کا مسلمان ہونا ضروری ہو جیسے غیر مسلم کا اپنے نکاح کے لیے کسی مسلمان کو وکیل بنانا درست نہیں۔ لہٰذا اسلامی ریاست کا کوئی غیر مسلم شہری کسی مسلمان کو اپنا وکیل مقرر کرے تو یہ درست نہ ہو گا۔ کیونکہ اسلامی حکومت کے ذمہ ذمیوں کے حقوق کا تحفظ بھی اس طرح لازم ہے جس طرح مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ لازم ہے۔

اگر کوئی غیر مسلم کسی مسلمان کو اس لیے وکیل مقرر کرے کہ وہ اس کی طرف سے شراب کی قیمت وصول کرے تو مسلمان کی قیمت وصول کرنا جائز ہو گا۔(۵۸) اگر اس موکل نے مسلم وکیل کے پاس نقد رقم یا کسی اور چیز کے عوض شراب رہن رکھی تو یہ رہن بھی درست ہو گا۔(۵۹)

(iv) ارتداد

اگر کسی مرتد شخص نے مسلمان کو وکیل بنایا تو اس کی سونپی ہوئی وکالت مرتد کے دوبارہ مسلمان ہونے پر منحصر ہو گی یعنی اگر وہ مسلمان ہو گیا تو اس کی وکالت برقرار رہے گی اور اگر اسے ارتداد (Apostacy) کی سزا میں قتل کر دیا گیا۔(۶۰) یا اسلامی حکومت سے نکل کر کسی دشمن ملک میں چلا گیا تو یہ وکالت باطل ہو جائے گی کیونکہ اب اس وکالت پر عملی طور پر عمل نہیں کیا جا سکتا۔

اگر مرتد موکل اس ملک کا شہری ہو جہاں حد ارتداد کا نفاذ نہ ہو تو اس کی وکالت جائز ہو گی جیسے مرتدہ عورت کی وکالت برقرار رہتی ہے۔(۶۱)

اگر مرتد دارالحرب میں جا کر وہاں مسلمان ہو گیا اور اس نے اس ملک کی شہریت اختیار کر لی جس کی توثیق وہاں کی حکومت نے بھی کر دی تو بھی اس کی وکالت باطل ہو گی کیونکہ یہ ابطال مرتد ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ وکالت پر عمل نہ ہونے کی وجہ سے ہو گا۔ اگر مرتد وہاں کی شہریت اختیار کرنے کی بجائے واپس مسلمان ہو کر اسلامی ملک میں آ گیا۔ اگر مسلمان حکومت کی جانب سے دارالحرب کے ساتھ اس کے الحاق کا حکم نامہ جاری کیا جا چکا ہو تو وکالت ختم ہو جائے گی لیکن اگر وہ مذکورہ حکم نامہ جاری کیے جانے سے پیشتر واپس آ گیا تو وکالت بحال ہو جائے گی(۶۲) اس لیے امام طحاوی نے مرتد موکل کی وکالت کا حکم یہ بیان کیا ہے۔

"فیصح توکیل المرتد ولا یتوقف"(۶۳)

مرتد موکل کی وکالت درست ہے اور اس کی صحت میں کوئی شک نہیں۔

اگر مرتد نے دارالحرب میں رہتے ہوئے دارالاسلام میں اپنے مال میں سے کسی شی کی فروخت کے لیے کوئی وکیل مقرر کیا تو وکالت صحیح نہیں ہو گی کیونکہ دارالحرب کے ساتھ لاحق ہونے کی بنا پر اس کی ملکیت زائل ہو چکی ہے۔(۶۴)

مرتدہ عورت کی توکیل جائز ہے کیونکہ اس کے ارتداد سے اس کی ملکیت میں کچھ فرق نہیں پڑتا۔ اگر کسی مرتدہ عورت نے مرتد ہونے سے پہلے کسی کو وکیل بنایا اور پھر وہ مرتد ہو گئی تو اس کے

وکالت میں اس کا نکاح ہوا تو نکاح باطل ہو گا۔(۶۵) اگر مرتدہ موکلہ مسلمان ہو گئی اور پھر اس کے وکیل نے عقد کیا تو وہ درست ہو گا۔(۶۶) اسی طرح اگر مسلمان عورت نے اپنے نکاح کے لیے کسی کو وکیل بنایا پھر وہ مرتد ہو گئی لیکن بعد میں دوبارہ اسلام قبول کر لیا پھر اس کے بعد اُس کے وکیل نے اس کا نکاح کیا تو یہ نکاح جائز نہ ہو گا کیونکہ عورت کے ارتداد کی وجہ سے نکاح کے وکیل کی وکالت ختم ہو چکی تھی۔(۶۷) امام سرخسی فرماتے ہیں:

"توکیل المرتدہ بالتصرفات التی تملک مباشرتھا بنفسھا صحیحۃ سواء وکلت بذلک مرتدۃ مثلھا اومسلما"(۶۸)

وہ معاملات جن میں مرتدہ عورت خود مالک ہو ان میں اس کی توکیل جائز ہے ایسی صورت میں مسلمان اور مرتدہ کی توکیل صحیح ہونے پر برابر ہے۔

امام کاسانی فرماتے ہیں۔

"یجوز التوکیل من المرتدۃ بالاجماع لان تصرفاتھا نافذۃ"(۶۹)

مرتدہ عورت کی جانب سے توکیل بالاجماع درست ہے کیونکہ اس کے تصرفات بالاتفاق نافذ ہوتے ہیں اس لیے اگر کسی ملک میں حد ارتداد کا نفاذ نہ ہو۔ (جیسے پاکستان) اور مرتد بھی اسی ملک میں رہے تو اس کی وکالت جائز ہو گی۔

۷۔ تصرف

موکل کے لیے پانچویں شرط یہ ہے کہ جس کام کے لیے وہ کسی کو وکیل مقرر کر رہا ہے اس میں اسے مکمل تصرف (Elegibility and Authority) حاصل ہو۔ ہدایہ میں ہے۔

"من شرط الوکالۃ ان یکون الموکل ممن یملک التصرف ویلزمہ الاحکام"(۷۰)

وکالت کی ایک شرط یہ ہے کہ موکل جس کام میں وکیل مقرر کرے اسے اس کا مکمل تصرف ہو اور وہ موکل احکام کا مکلف ہو۔

تصرف کی شرط اس لیے ضروری ہے کہ موکل فیہ پر اگر موکل کا تصرف نہ ہو یعنی اس پر قبضہ و اختیار نہ ہو۔ تو وہ وکالت باطل ہو گی۔ اس لیے ابن قدامہ فرماتے ہیں۔

"ومن لا یملک التصرف فی شئی نفسہ لا یصح ان یتوکل فیہ"(۷۱)

یعنی جو شخص بذات خود کسی چیز پر تصرف و قبضہ نہیں رکھتا اس معاملے میں اس کا موکل بننا

جیسے مسلمان مرد کافرہ عورت سے اور مسلمان عورت کافر مرد سے نکاح کرنے کا اختیار نہیں رکھتی۔(۷۲) لہٰذا اگر کوئی مسلمان مرد موکل کسی غیر مسلم عورت سے نکاح کرنے کے لیے کسی کو وکیل مقرر کرے یا کوئی مسلمان عورت (موکلہ) کسی غیر مسلم مرد سے نکاح کے لیے وکیل مقرر کرے۔ تو یہ وکالت باطل ہوگی۔ کیونکہ یہاں پر موکل اس امر کا اختیار نہیں رکھتا۔ اس طرح اگر کوئی شخص کسی ایسی عورت کو طلاق دینے کے لیے کسی کو وکیل مقرر کرے جو اس کے نکاح میں نہیں ہے تو یہ وکالت بھی عدم تصرف کی بنا پر باطل قرار پائے گی۔

اگر کسی معاملے میں موکل کو مکمل تصرف ہو لیکن عارضی طور پر وہ تصرف معطل بھی ہو جائے تو بھی اس معاملے میں موکل کا وکیل مقرر کرنا جائز ہو گا جیسے حالت احرام میں محرم کے لیے جانوروں کا قتل اور شکار ممنوع ہے(۷۳) لیکن اس حالت میں اگر موکل نے کسی کو شکار کرنے کے لیے وکیل مقرر کیا تو یہ وکالت درست ہوگی۔

اس طرح اگر غیر مسلم نے مسلمان کو شراب اور خنزیر کی قیمت وصول کرنے کے لیے وکیل مقرر کیا تو اس کی یہ وکالت درست ہوگی اگرچہ مسلمان کے لیے شراب اور خنزیر کی تجارت ممنوع ہے۔(۷۴)

صبی اور مجنون کو بھی اسی عدم تصرف کے باعث موکل بننے کی اہلیت سے خارج کیا گیا ہے۔(۷۵)

فقہائے کرام نے کسی بھی معاملے میں کسی موکل یا انسان کے عدم تصرف یہ دو اسباب بیان کیے ہیں۔ (۱) دینی عوارض (۲) جسمانی عوارض

دینی عوارض سے مراد وہ اسباب ہیں جن کے باعث اسلام نے کسی مسلمان کو کسی امر میں اختیارات استعمال کرنے سے روک دیا ہو جیسے مسلمان مرد اور عورت کو کافر عورت اور مرد سے نکاح کرنے کا اختیار اسلام نے ختم کر دیا ہے۔ اسی طرح دوران حج حالت احرام میں کوئی عورت اپنے نکاح کے لیے کسی کو وکیل مقرر نہیں کر سکتی۔(۷۶)

جسمانی عوارض سے مراد وہ وجوہ ہیں جو انسان کے جسم سے متعلق ہیں جیسے صغر سنی اور مجنون ہونا اسی طرح مجور(۷۷) بھی تصرف ملکیت سے محروم ہو جاتا ہے لہٰذا بچہ، مجنون اور مجور وکالت کے اہل نہیں ہوتے۔(۷۸)

عقد وکالت کی تکمیل کے لیے موکل سے متعلق چھٹی شرط یہ ہے کہ وہ عقد وکالت کے بعد وکیل کو باقاعدہ اطلاع (Information) دے اگرچہ یہ اطلاع زبانی ہو یا تحریری یا کسی بھی مروجہ ذرائع اطلاعات ہے۔ جیسے خود اطلاع دینا' خط یا قاصد کے ذریعہ سے وغیرہ۔ اس شرط کے متعلق علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں:

"فلو وکله ولم یعلم فتصرف توقف علی اجازۃ الموکل او الوکیل بعد علمه" (۷۹)

اگر موکل نے کسی کو وکیل مقرر کیا اور وکیل کو اس وکالت کی کوئی اطلاع نہ ہو اور اس وکیل نے اس شخص کا کوئی کام کیا ہو تو اس کے بارے میں موکل کی اجازت یا وکیل کو اطلاع ملنے کے بعد عمل کو دیکھا جائے گا۔ یہ اطلاع دینے کے لیے عادل(۸۰) شخص کا ہونا ضروری نہیں اگرچہ دو پیغام دینے والوں میں سے دونوں غیر عادل ہوں یا ایک غیر عادل۔(۸۱)

vii۔ مکرہ نہ ہونا

موکل کے لیے ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ موکل کسی کو وکیل مقرر کرنے پر مکرہ (Compelled) اور مجبور نہ ہو۔ کیونکہ اسلام میں مکرہ کے تصرفات موثر نہیں ہوتے۔(۸۲) لہٰذا تقرری وکالت کا وہ عقد موثر ہو گا جو موکل نے بلا جبرو اکراہ کیا ہو۔

vii۔ عورت ہونا

وہ امور جن میں عورت خود مختار اور اہل ہو ان میں وہ آزادانہ طور پر موکل بن سکتی ہے لیکن اگر معاملہ اس کے شوہر کا ہو تو پھر وہ اپنے شوہر کی اجازت کے بعد کسی کو وکیل مقرر کر سکتی ہے۔(۸۳) امام محمد فرماتے ہیں عورت کا موکل ہونا جائز ہے۔(۸۴)

یہ وہ شرائط ہیں جن کا عقد وکالت کی تکمیل کے وقت موکل میں ہونا ضروری ہیں۔

وکیل سے متعلق شرائط

موکل کی طرح وکیل سے متعلق بھی فقہاء کرام نے چند شرائط مقرر کی ہیں جن کا عقد وکالت کے وقت وکیل میں پورا ہونا ضروری ہے۔ ان کی تفصیل یہ ہے۔

ا۔ عاقل ہونا

وکیل کے لیے وکالت کی ذمہ داری قبول کرنے کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ عاقل ہو۔

مکلف نہیں رہتا اور تصرفات شرعیہ اور تصرف بالمال کی اہلیت نہیں رکھتا۔(۸۵) جزوی طور پر عقل متاثر ہونے سے عقد وکالت متاثر نہیں ہوگا۔ جیسے بیماری یا منشیات کے استعمال سے کسی وکیل کی عقل متاثر ہونا۔(۸۶) اس شرط کے متعلق امام سرخسی فرماتے ہیں:

"وان کان الوکیل مجنونا لایعقل فبیعہ باطل"(۸۷)

اگر وکیل مجنون ہو اور وہ عقل نہ رکھتا ہو تو اس کی خرید و فروخت باطل ہوگی۔ اسی طرح ہدایہ میں ہے:

"یشترط ان یکون الوکیل ممن یعقل العقد"(۸۸)

وکیل مقرر ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ عقد معاملہ کو سمجھتا ہو۔ اور اسے پورا کرنے کی اہلیت رکھتا ہو۔

علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں کہ وہ شرائط جو وکیل سے متعلق ہیں ان میں سے پہلی شرط عاقل ہونا ہے۔(۸۹)

بہرحال وکیل وہ شخص ہونا چاہیے جو عاقل ہو' عقد معاملہ کو سمجھنے والا ہو' اور اسے انجام دینے کی اہلیت کا حامل ہو۔ چونکہ مجنوں اور بے عقل انسان ان اوصاف سے متصف نہیں ہوتا لہٰذا وہ وکیل مقرر نہیں ہو سکتا۔

۲۔ بالغ ہونا

وکیل مقرر ہونے کے لیے بالغ ہونا ضروری نہیں۔ احناف و حنابلہ کے نزدیک نابالغ بچہ اگر معاملات کی فہم رکھتا ہو' نفع و نقصان کو جاننے والا ہو' **غبن یسیر اور غبن فاحش**(۹۰) سے واقف ہو تو اس کی وکالت درست ہوگی۔(۹۱) المغنی میں ہے۔

"تصح وکالۃ الصبی المراھق اذا اذن لہ الولی لانہ ممن یصح تصرفہ"(۹۲)

مراہق(۹۳) بچے کا وکیل بننا درست ہے اگر اس کے ولی نے اسے اجازت دی ہو کیونکہ اس کا تصرف صحیح ہے۔ کنزالدقائق میں ہے۔

"صح التوکیل---- اذا کان الوکیل ممن یعقل العقد ولو صبیا"(۹۴)

وکالت درست ہوگی۔ اگرچہ وکیل سمجھدار بچہ ہو۔

علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں کہ اس صبی سے مراد وہ بچہ ہے جو غبن یسیر اور غبن فاحش کو

سمجھتا ہو اگر وہ اس سے واقف نہیں تو پھر اس کا تصرف درست نہیں ہوتا۔(۹۵)

ان فقہاء کے نزدیک سمجھدار بچے کا وکیل مقرر ہونا اس لیے درست ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جب حضرت ام سلمہؓ(۹۶) سے نکاح ہوا تو حضرت ام سلمہؓ کی طرف سے ان کے بیٹے عمر بن ام سلمہ(۹۷) نے نکاح کی وکالت کی اور اس وقت ان کی عمر نو سال تھی۔(۹۸)

فقہاء کا ایک قول یہ بھی ہے کہ صبی کی موجودگی میں اگر کوئی بالغ موجود ہو تو پھر صبی کو وکیل مقرر نہیں کرنا چاہیے۔ جیسے خیبر میں جب حضرت عبداللہ بن سہلؓ(۹۹) قتل ہو گئے۔ تو ان کے ورثاء نے ان کے قتل کا الزام یہود پر لگایا۔ اس سلسلہ میں آپ کے دونوں بھائی محیصہ' حویصہ اور چچا عبدالرحمٰن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ محیصہ نے چاہا کہ میں بات کروں کیونکہ وہی خیبر میں گئے تھے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بزرگی کی رعایت کریعنی حویصہ جو بڑا بھائی ہے اسے بات کرنے دے پھر حویصہ نے پہلے اور اس کے بعد محیصہ نے بیان کیا۔(۱۰۰)

۳۔ اسلام

وکیل مقرر ہونے کے لیے مسلمان ہونا بالاتفاق شرط نہیں یعنی ایک مسلمان کسی غیر مسلم کو اپنا وکیل مقرر کر سکتا ہے صحیح بخاری میں روایت ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے امیہ بن خلف سے اس بات پر وکالت کی کہ وہ مکہ میں میرے مال کی اور میں مدینہ میں اس کے مال کی حفاظت کروں گا(۱۰۱) کتاب الوکالت میں ایک باب کے ترجمۃ الباب میں امام بخاری فرماتے ہیں۔

"اذا وکل المسلم حربیا" فی دار الحرب او فی دار السلام جاز"(۱۰۲)

ایک مسلمان کافر کی جانب سے اور کوئی کافر مسلمان کی طرف سے وکیل مقرر ہو تو جائز ہے۔

احناف کے نزدیک اگرچہ مسلمان غیر مسلم کو وکیل مقرر کر سکتا ہے لیکن کوئی مسلمان ایسے معاملات میں غیر مسلم کو وکیل مقرر نہیں کر سکتا جسے وہ انجام نہ دے سکتا ہو۔(۱۰۳) یا جنھیں انجام دینے کے لیے مسلمان ہونا ضروری ہو۔ جیسے نکاح کے لیے وکیل مقرر کرنا یا حج بدل میں وکیل مقرر کرنا وغیرہ۔

اگر ایک مسلمان نے کسی حربی(۱۰۴) کو وکیل مقرر کیا تو یہ توکیل عدم تصرف کی بنا پر باطل ہو گی۔(۱۰۵) غیر مسلم موکل کا مسلمان وکیل اور مسلمان موکل کا غیر مسلم وکیل ایک ملک میں اور غیر مسلم ممالک میں جہاں تصرفات ہو سکتے ہو بن سکتا ہے جیسے وہ مسلمان تاجر جس کا کاروبار اور جائیداد

طرح کی وکالت درست قرار پائے گی۔

۴۔ ارتداد

کسی شخص کا مرتد ہو جانا اس کے وکیل بننے میں رکاوٹ نہیں ہوتا۔ بقول امام کاسانی غیر مسلم اور مرتد کی وکالت جائز ہے۔ اگر کوئی مسلمان کسی مرتد کو وکیل بنائے تو یہ وکالت درست ہوگی۔(۱۰۶) کیونکہ وکیل مرتد کے تصرفات تو اس کے موکل کی وجہ سے نافذ ہوں گے۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ ملک میں حد ارتداد کا نفاذ نہ ہو۔(۱۰۷)

اگر وکیل عقد وکالت کے وقت مسلمان ہو اور بعد میں مرتد ہو جائے تو بھی اس کی وکالت برقرار رہے گی۔ اگر مرتد کسی ایسے ملک میں چلا گیا جس سے دوستانہ یا سفارتی تعلقات اس ملک سے نہیں جس میں موکل مقیم ہے تو عدم تصرف کی بنا پر وکالت باطل ہوگی۔ بدائع میں ہے:

"لانہ اعجز عن التصرف فیما وکل بہ" (۱۰۸)

یعنی یہ وکالت درست نہیں ہوگی اس لیے کہ وہ امر وکالت کو انجام دینے سے عاجز ہے۔

جیسے موکل پاکستان میں مقیم ہو اور اس کا وکیل مرتد ہو کر اسرائیل چلا جائے تو وکالت باطل ہو جائے گی۔ البتہ اگر وہ دوبارہ مسلمان ہو کر واپس پاکستان آ جائے تو وکالت بحال ہو جائے گی۔

ابن قدامہ کے نزدیک ارتداد کے باوجود وکالت قائم رہے گی اگرچہ وکیل وہاں رہے یا دارالحرب چلا جائے۔(۱۰۹) امام سرخسی فرماتے ہیں کہ وکیل اگر دوران وکالت مسلمان تھا پھر مرتد ہو کر دارالحرب جانے سے قبل اسلام لے آیا تو اس کی وکالت نکاح کے سوا تمام معاملات میں درست ہوگی۔ کیونکہ مرتد ہونے سے نکاح کی وکالت سے مستقل طور پر نکل گیا۔ اس لیے کہ جب وہ اپنے نکاح سے نکل گیا تو نکاح میں وکیل کس طرح ہو سکتا ہے۔(۱۱۰)

۵۔ مرد ہونا

احناف کے نزدیک موکل کی طرح وکیل کے لیے بھی مرد (Male) ہونا شرط نہیں۔ لہٰذا تمام ایسے معاملات جو عورت انجام دے سکتی ہے ان میں عورت کا وکیل مقرر ہونا درست ہے(۱۱۱) البتہ وہ معاملات جن کی انجام دہی کے لیے عورت اہل نہیں ان امور میں عورت کی وکالت درست نہیں ہے جیسے نکاح کے لیے وکیل بننا(۱۱۲) یا حج بدل کی ادائیگی میں عورت کا اکیلے حج پر جانا(۱۱۳)' بیوی کا خود کو

نہیں۔(۱۱۵)

۶۔ عقد وکالت کا علم

عقد وکالت کی تکمیل کے لیے وکیل سے متعلق ایک شرط یہ بھی ہے کہ وکیل کو عقد وکالت کا علم ہو علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

"ان العلم بالتوکیل فی الجملة شرط"(۱۱۶)

وکیل کے لیے یہ شرط بھی ہے کہ اسے عقد وکالت کا علم ہو اور یہ بھی جانتا ہو کہ اسے کون وکیل مقرر کر رہا ہے۔

علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں۔

"الوکیل لایکون وکیلا" قبل العلم بالوکالة"(۱۱۷)

وکیل عقد وکالت کا علم ہونے سے پہلے وکیل نہیں ہوتا۔

البحرالرائق میں بھی آپ فرماتے ہیں کہ وکیل کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ عقد وکالت سے باخبر ہو(۱۱۸)

اگر وکیل نے عقد وکالت کا علم ہونے سے پہلے موکل کے کسی کام میں تصرف کیا تو پھر موکل کی اجازت یا وکیل کو عقد وکالت کے علم ہونے کے بعد اس کے عمل پر منحصر ہو گا کیا وہ اسے تسلیم کرنے کے لیے تیار ہے یا نہیں۔

ان شرائط کے علاوہ وکیل کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ امر وکالت کو انجام دینے کا شرعاً اہل ہو، جسمانی طور پر اس کے کرنے کی قدرت رکھتا ہو۔ وکیل بننے پر اسے مجبور نہ کیا گیا ہو۔(۱۱۹)

یہ وہ شرائط ہیں جن کا عقد وکالت کے وقت وکیل میں ہونا ضروری ہے۔

موکل فیہ سے متعلق شرائط

موکل فیہ سے متعلق فقہاء کرام نے یہ شرائط بیان کی ہیں:

۱۔ موکل فیہ کا امر مباح سے نہ ہونا

موکل فیہ کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ کام جس پر عقد وکالت طے کیا جا رہا ہے وہ امور مباحہ میں سے نہ ہو یا اس کے کرنے کی اس قدر عام اجازت نہ ہو کہ جو چاہے کسی کی اجازت کے بغیر اسے

کرتا رہے۔ چونکہ امر مباح پر کسی شخص کا خصوصی قبضہ و تصرف نہیں ہوتا لہٰذا اس پر وکالت بھی درست نہیں ہوتی۔ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:

"لاتصح الوکالۃ بالمباحات کا والا حتشاش والاستسقاء واستخراج الجواہر من المعادن"(۱۲۰)

مباحات(۱۲۱) میں وکالت درست نہیں جیسے عام جنگل سے لکڑیاں کاٹنا' گھاس کاٹنا چشموں وغیرہ سے پانی حاصل کرنا اور معدنوں سے جواہر نکالنا وغیرہ۔

چونکہ مباحات میں توکیل جائز نہیں لہٰذا اگر کوئی شخص کسی کو امر مباح میں وکیل مقرر کرے تو اس صورت میں وکیل جس چیز کی خرید و فروخت کرے گا وہ موکل کی بجائے وکیل ہی کی ہوگی۔(۱۲۲)

امام سبکی فرماتے ہیں کہ مباحات میں توکیل کے بارے میں دو اقوال ہیں۔

۱۔ ایک قول کے مطابق مباح امور میں وکالت جائز نہیں اس لیے کہ مباح چیز کی ملکیت عام ہوتی ہے تو ایسی چیز کو کسی دوسرے کی ملکیت میں نائب ہونے کی حیثیت سے نہیں دیا جا سکتا ہے جیسے عام چراگاہ کے گھاس کو کوئی شخص فروخت کرنے یا خریدنے پر وکیل مقرر کرے تو یہ درست نہیں ہو گا کیونکہ اس گھاس کی ملکیت عام ہے۔

دوسرے قول کے مطابق آپ نے امر مباح میں وکالت کو درست قرار دیا اور فرمایا: **"یجوز التوکیل فی تملک المباحات"(۱۲۳)**

یعنی مباحات کی ملکیت میں توکیل جائز ہے۔ اس لیے کہ مباحات پر اگرچہ کسی کی ملکیت خاص نہیں ہوتی لیکن کسی سبب سے وہ مباح کسی کی ملکیت میں داخل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا دیگر معاملات کی طرح اس میں بھی وکالت جائز ہے۔

علامہ بھوتی (م ۱۰۵۱ھ) بھی موخرالذکر قول کی تائید میں لکھتے ہیں۔ مباحات کی ملکیت میں توکیل جائز ہے جیسے جانوروں کا شکار کرنا اور گھاس کاٹنا وغیرہ۔(۱۲۴)

ان دونوں اقوال سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عام مباحات میں توکیل جائز نہیں البتہ وہ مباح چیز جب کسی کی ملکیت میں آ جائے تو اس میں وکالت درست ہو گی جیسے جنگل یا عام چراگاہ سے گھاس کاٹنے میں توکیل جائز نہیں لیکن وہ گھاس جب کسی کاٹنے والے کی ملکیت میں ہو جائے تو اس کی خرید و فروخت میں توکیل درست ہے۔

۲۔ موکل فیہ امر حرام نہ ہو

موکل فیہ کے لیے دوسری شرط یہ ہے کہ وہ فعل حرام (Unlawful)اور ممنوع (Prohibited) نہ ہو۔ جیسے کوئی شخص کسی مسلمان کو شراب یا خنزیر کی خرید و فروخت پر وکیل بنائے تو یہ عقد وکالت درست نہ ہو گا۔ نہایہ المحتاج میں ہے۔

"یمتنع فیما کان محرما" باصل الشرع"(۱۲۵)

ان امور میں وکالت جائز نہیں جن کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔

علامہ الدسوقی فرماتے ہیں۔

"ان الوکالۃ علی المعصیۃ باطلۃ"(۱۲۶)

بے شک گناہ کے امور پر وکالت باطل ہے۔

اس طرح موکل فیہ ظلم اور غصب سے متعلق نہیں ہونا چاہیے کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین"(۱۲۷)

(ترجمہ) تم حد سے نہ بڑھو' بے شک اللہ تعالیٰ (قانون شرعی میں) حد سے بڑھنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔

دوسرے مقام پر فرمایا گیا۔

"فمن اعتدیٰ علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدیٰ علیکم"(۱۲۸)

(ترجمہ) تم پر جو زیادتی کرے تم بھی اس پر اتنی زیادتی کرو جتنی اس نے تم پر کی ہے۔

لہٰذا امر حرام اور ظلم و غصب کے معاملات میں وکالت درست نہیں ہوتی۔

۳۔ طلب قرض سے متعلق نہ ہونا

موکل فیہ کے لیے تیسری شرط یہ ہے کہ وہ امر حصول قرض (Getting loan)سے متعلق نہ ہو۔ البحرالرائق میں ہے: **"التوکیل بالاستقراض لا یصح"(۱۲۹)** طلب قرض میں وکالت درست نہیں۔ موکل نے اگر کسی کو اس غرض کے لیے وکیل مقرر کیا کہ وہ اسے کہیں سے قرض لا کر دے تو یہ وکالت درست نہیں ہو گی۔ حصول قرض پر مقرر کردہ وکیل نے اگر کسی شخص سے کہا کہ مجھے اتنا قرض دو اور اس نے دے دیا تو اس کی ذمہ داری موکل کی بجائے وکیل پر ہو گی۔ اس صورت میں اگر مال قرض ضائع ہوگیا تو اس کا ذمہ دار بھی وکیل ہو گا۔(۱۳۰)

اگر وکیل نے سفیر کی طرح قرض طلب کیا یعنی کسی کے پاس جا کر اس نے کہا کہ میرا موکل آپ

سے قرض لینے کا تقاضا کرتا ہے اور اس نے اسے قرض دے دیا یا وکیل نے کہا فلاں شخص نے مجھے آپ کے پاس قرض لینے کے لیے بھیجا ہے۔ اس کے بعد وکیل جو رقم وصول کرے گا اس کا ذمہ دار موکل ہو گا۔(۱۳۱)

۴حدود سے متعلق نہ ہونا

حدود سے متعلق توکیل کی تین صورتیں ہیں۔

i۔ اثبات حدود میں توکیل

اثبات حد سے مراد حد کے مرتکب فرد پر جرم ثابت کرنا ہے۔ لہٰذا امر وکالت کا تعلق ان حدود شریعہ کے اثبات سے نہیں ہونا چاہیے۔ جن میں کسی مدعی کی طرف سے دعوی کرنا ضروری نہیں ہوتا جیسے حد زنا اور حد شرب خمر۔ چونکہ ان حدود کا دعوی عینی اور دیگر شہادتوں سے ثابت ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ان حدود کے ضمن میں وکیل مقرر کرنا جائز نہیں۔(۱۳۲) جب کہ حد قذف اور حد سرقہ کے اثبات میں توکیل جائز ہے۔ جیسا کہ المہذب میں ہے۔

"یجوز التوکیل فی اثبات القصاص وحد القذف لانه حق آدمی فجاز التوکیل فی اثباته کالمال"(۱۳۳)

قصاص اور حد قذف کے اثبات میں توکیل مال کی توکیل کی طرح جائز ہے کیونکہ یہ آدمی کا حق ہے۔

ii۔ استیفاء حدود میں توکیل

استیفاء حدود سے مراد مجرم پر حد شرعی کے نفاذ کا مطالبہ ہے۔ لہٰذا جب حد زنا اور حد شرب خمر کے اثبات میں وکالت درست نہیں تو اس کے استیفاء میں بھی وکالت جائز نہیں۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔(۱۳۴)

iii۔ ایفاء حدود میں توکیل

ایفاء حد کے دو مفہوم ہیں۔

اول۔ مجرم پر سزا نافذ کرنا۔

دوم۔ مجرم کا سزا بھگتنا۔

نفاذ سزا میں توکیل جائز ہے۔ جب کہ سزا بھگتنے میں توکیل جائز نہیں۔ کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"ولا تزروازرۃ وزر اخری"(۱۳۵)

(ترجمہ) اور کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

لہٰذا وکالت کے ضمن میں ایک شرط یہ ہے کہ وہ حدود میں سے صرف حد قذف اور حد سرقہ کے اثبات' استیفاء اور ایفاء سے متعلق ہو۔ اور حد زنا و حد شرب خمر کے اثبات' استیفاء اور ایفاء سے متعلق نہ ہو۔

۵۔ قصاص سے متعلق نہ ہونا

قصاص (Retaliation) کے ضمن میں ان چار امور میں وکالت ہو سکتی ہے۔ یعنی اثبات قصاص' استیفاء قصاص' ایفاء قصاص' عفوعن القصاص۔ اثبات قصاص سے مراد جرم قتل کو ثابت کرنا' استیفاء قصاص سے مراد قصاص کی سزا کے نفاذ کا مطالبہ کرنا' ایفاء قصاص سے مراد قصاص میں قتل کرنا یا قتل ہونا اور عفوعن القصاص سے مراد سزا قصاص کو معاف کرنا ہے۔

ان امور میں سے اثبات قصاص' استیفاء اور ایفاء قصاص میں سے قصاص میں قتل کرنے اور عفوعن القصاص میں وکالت درست ہے۔ لیکن قصاصاً" قتل ہونے میں توکیل جائز نہیں۔ اس کی بنیاد بھی سورۃ النجم کی یہ آیت ہے۔

"ولاتزروازرۃ وزراخری"(۱۳۶)

اور کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔

اس کے علاوہ یہاں مراد عفوعن القصاص یعنی قصاص میں قتل ہونے والے مجرم کو معاف کرنا بھی ہے بشرطیکہ یہ وکالت موکل کی عدم موجودگی میں کی جائے کیونکہ عفوعن القصاص کی وکالت موکل کی موجودگی میں ہی ہو سکتی ہے۔ غیر موجودگی میں نہیں۔

امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ حدود و قصاص کی جوابدہی میں اقرار کے ضمن میں بھی توکیل جائز نہیں اس لیے کہ حدود و قصاص شبہات سے ساقط ہو جاتے ہیں جیسے عورتوں کی شہادت سے بھی قصاص کی معافی ثابت ہو جاتی ہے۔(۱۳۷) لہٰذا اگر کسی نے حدود قصاص کی جوابدہی میں اقرار کے لیے وکیل مقرر کیا اور اس نے عدالت میں اقرار کر لیا۔ اگرچہ یہ اقرار قیاساً جائز ہے لیکن استحسان درست نہیں۔ وجہ استحسان یہ ہے کہ ممکن ہے کہ موکل نے اس قتل کے جرم کے اقرار کا اسے اختیار نہ دیا

٦۔ موکل فیہ حقوق العباد سے متعلق ہو

موکل فیہ کے لیے چھٹی شرط یہ ہے کہ موکل فیہ کا تعلق حقوق العباد (Human Rights) سے ہو۔ حقوق العباد دو طرح کے ہوتے ہیں۔

١۔ وہ حقوق جو شبہ کی بنا پر ساقط ہو جاتے ہیں جیسے حدود یا قصاص کا حق وغیرہ۔

٢۔ وہ حقوق جن کا مطالبہ شبہ کے باوجود کیا جا سکتا ہے جیسے قرض اور مال وغیرہ۔

اول الذکر حقوق میں وکالت کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ جب کہ موخرالذکر حقوق کی ادائیگی اور وصولی میں کسی کو وکیل مقرر کرنا بالاتفاق درست ہے اگرچہ یہاں پر بھی مالک کا اپنے حق کو معاف کرنے یا حق سے دستبردار ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔ لیکن یہاں وکیل کو ادائیگی اور وصولی دونوں کا حق ہے۔ جیسے خرید و فروخت، اجارہ، نکاح، طلاق، خلع، صدقات و ھبہ کی وصولی و تقسیم، ودیعت، رہن، عاریت میں اشیاء کا دینا اور لینا اور قرض کی وصولی و ادائیگی وغیرہ وغیرہ۔ وہ تمام امور ہیں جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ ان تمام امور میں وکالت جائز ہے۔ اگرچہ ان میں سے بعض امور میں وکیل معاملات کے دوران اپنی طرف نسبت کرتا ہے۔ اور بعض میں اس کی حیثیت سفیر کی سی ہوتی ہے اور ان معاملات کی اپنے موکل کی طرف نسبت کرتا ہے۔(١٣٩)

٧۔ موکل فیہ موکل کی ملکیت ہونا

موکل فیہ کی اس شرط سے مراد یہ ہے کہ جس چیز پر کسی کو وکیل بنایا جا رہا ہے وہ موکل کی ملکیت میں ہو کیونکہ کسی غیر کی ملکیت پر وکیل بنانا درست نہیں۔ امام الشربینی فرماتے ہیں۔

"شرط الموکل فیہ ان یملکہ الموکل"(١٤٠)

موکل فیہ کے لیے ایک شرط یہ ہے۔ کہ وہ موکل کی ملکیت ہو جیسے کسی زمین کا الف مالک ہے لیکن ب اس زمین کی فروخت کے لیے ج کو وکیل مقرر کرے تو یہ وکالت درست نہ ہو گی کیونکہ ب اس زمین کا مالک ہی نہیں اس طرح اگر ایک شخص دوسرے سے کہے کہ میں اس عورت کو طلاق دینے میں آپ کو وکیل بناتا ہوں جس سے میں نکاح کرنے والا ہوں تو یہ وکالت بھی باطل ہو گی کیونکہ شادی سے قبل موکل طلاق کا مالک ہی نہیں ہوتا۔

٨۔ موکل فیہ قابل نیابت ہو

نہ ہو بلکہ وہ قابل توکیل ہو۔ مغنی المحتاج میں ہے:

"ان یکون قابلا للنیابۃ"(۱۴۱)

یعنی موکل فیہ قابل نیابت ہو۔ کیونکہ متعدد ایسے امور ہیں جو قابل نیابت نہیں ہیں جیسے ایلاء، ظہار، عبادات بدنیہ وغیرہ۔ اگر کوئی شخص یہ قسم اٹھائے کہ اللہ کی قسم میں اپنی بیوی کے پاس نہیں جاؤں گا تو اب اس قسم کو توڑنے کے لیے کسی کو وکیل مقرر کرے تو یہ وکالت باطل ہو گی کیونکہ یہ فعل قابل نیابت نہیں ہے۔ علامہ الشربینی فرماتے ہیں:

"ولا فی شہادۃ وایلاء ولعان وسائر الایمان ولا فی الظہار"(۱۴۲)

یعنی وکالت گواہی، ایلاء، لعان، تمام قسم کی قسموں اور ظہار میں نہیں ہے کیونکہ یہ امور قابل نیابت نہیں ہیں۔

۹۔ موکل فیہ کا واضح اور معلوم ہونا

موکل فیہ کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ جس معاملے میں وکیل بنایا جا رہا ہے وہ معلوم اور واضح ہو۔ کیونکہ مبہم اور نامعلوم امور میں وکالت درست نہیں ہوگی۔ علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں:

"لا یصح توکیل مجہول"(۱۴۳)

مجہول معاملات میں توکیل درست نہیں۔ علامہ الشربینی فرماتے ہیں:

"ولیکن الموکل فیہ معلوما من بعض الوجوہ ولا یشترط علمہ من کل وجہ"(۱۴۴)

موکل فیہ کو بعض وجوہ سے ہی معلوم ہو جانا کافی ہے ہر پہلو سے اس کا معلوم ہونا ضروری نہیں۔

ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے کہا:

"وکلتک فی کل قلیل وکثیرا و فی کل تصرف یجوزلی"(۱۴۵)

میں نے آپ کو اپنے ہر کم اور زیادہ یا تمام میرے جائز اختیارات میں وکیل مقرر کیا۔ چونکہ اس جملے میں موکل فیہ مبہم اور غیر واضح ہے لہٰذا اس کلمے سے وکالت کا اثبات نہیں ہوگا۔

۱۰۔ عبادات سے متعلق نہ ہونا

اسلام میں عبادات دو طرح کی ہیں۔

i۔ وہ عبادات جو قابل نیابت نہیں ہیں جیسے نماز اور روزہ وغیرہ۔

ii۔ وہ عبادات جن کی ادائیگی قابل نیابت ہے جیسے تقسیم زکاۃ' حج' عمرہ و ذبح قربانی وغیرہ۔

عبادات میں توکیل کے متعلق علامہ الشربینی فرماتے ہیں۔

"فلا یصح فی عبادۃ الا الحج و تفرقۃ زکاۃ و ذبح اضحیۃ"(۱۴۶)

عبادات میں ماسوا حج' تقسیم زکاۃ اور ذبح قربانی کے علاوہ وکالت درست نہیں۔ الاقناع میں ہے کہ عبادات میں وکالت درست نہیں جیسے نماز' روزہ اور طہارت وغیرہ(۱۴۷)

۱۱۔ موکل فیہ تفویض شدہ ہو

عقد وکالت میں موکل فیہ سے متعلق ایک شرط یہ ہے کہ وہ امر وکالت وکیل کو باقاعدہ تفویض کیا ہو۔ کیونکہ غیر تفویض شدہ امر اگر وکیل نے کیا تو یہ درست نہیں ہو گا۔ الدر المختار میں ہے۔

"بکل ما یباشرہ الموکل بنفسہ لنفسہ"(۱۴۸)

یعنی وکالت صرف اس امر میں درست ہے جسے موکل اپنی ذات کے لیے خود کرتا ہو۔ اور تفویض وہی امر ہو سکتا ہے جو انسان خود اپنے لیے کرتا ہے۔ اس لیے فقہاء نے یہ شرط عائد کی ہے تاکہ وکیل موکل کی اجازت کے بغیر وہ کام نہ کرے جس کے متعلق اسے کہا نہ گیا ہو۔ جیسے موکل کی اجازت کے بغیر وکیل کا وکیل ثانی مقرر کرنا جائز نہیں ہے۔

صیغہ وکالت سے متعلق شرائط

صیغہ وکالت سے مراد وہ الفاظ ہیں جن سے عقد وکالت کا انعقاد ہوتا ہے۔ ان کی شرائط ارکان وکالت کے لحاظ سے یہ ہیں:

۱۔ صیغہ وکالت کی شرائط بلحاظ موکل

بلحاظ موکل صیغہ وکالت میں مندرجہ ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

i۔ مفہوم واضح ہونا

موکل کے لحاظ سے صیغہ وکالت کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ موکل انعقاد وکالت کے لیے جو الفاظ استعمال کرے وہ لغوی' عرفی اور قانونی لحاظ سے درست اور واضح ہوں' اگر ان الفاظ میں لغوی اور عرفی مفہوم کا اختلاف ہو جائے تو عرفی معنی قابل ترجیح ہو گا۔ صیغہ وکالت میں مخصوص الفاظ ہونا ضروری نہیں بلکہ ان الفاظ میں وکالت کا مفہوم ہونا ضروری ہے۔(۱۴۹)

انعقاد وکالت کے لیے بلحاظ موکل دوسری شرط یہ ہے کہ صیغہ وکالت ماضی یا حال کے صیغہ میں ہو یعنی موکل یہ کہے کہ میں نے فلاں کو وکیل مقرر کیا یا وکیل مقرر کر رہا ہوں۔ مستقبل کے صیغہ استعمال کرنے سے عقد وکالت منعقد نہیں ہو گا۔ اگر صیغہ وکالت کو کسی جائز اور قابل عمل شرط یا مقررہ وقت سے مشروط کیا گیا ہو تو شرط پوری ہونے پر عقد وکالت قائم ہو گا۔(۱۵۰)

اگر موکل نے عام الفاظ میں وکالت کے لیے کہا تو وکالت عام ہو گی اور اگر وکالت کے لیے خاص الفاظ ہوں تو وکالت خاصہ ہو گی۔

۲۔ صیغہ وکالت کی شرائط بلحاظ وکیل

وکیل کی طرف سے کہے گئے صیغہ وکالت کی بھی دو شرطیں ہیں:

i۔ واضح الفاظ

موکل کی طرف سے وکالت کی پیش کش کے بعد وکیل کی طرف سے جن الفاظ میں قبولیت کا اظہار کیا جائے وہ بھی واضح ہونے چاہیں۔ البتہ اس کا اظہار اس وقت بھی ہو سکتا ہے اور کسی سبب سے تاخیراً" بھی۔(۱۵۱)

ii۔ صیغہ ماضی

بلحاظ صیغہ وکیل کے لیے ضروری ہے کہ وہ عقد وکالت کی قبولیت کا اظہار ماضی کے صیغہ میں کرے یعنی یوں کہے:

"میں نے تیری وکالت قبول کی۔"

اگر وکیل اور موکل دونوں ماضی کا صیغہ استعمال کریں یا ان میں سے ایک ماضی کا اور دوسرا حال کا صیغہ استعمال کرے تو بھی انعقاد وکالت درست ہو گا۔

۳۔ صیغہ وکالت کی شرائط بلحاظ موکل فیہ

موکل فیہ کے لحاظ سے صیغہ وکالت کی ایک شرط یہ ہے کہ جس کام کے لیے وکیل مقرر کیا جا رہا ہے اس کی نوعیت واضح اور معلوم ہو۔ اگر عام الفاظ ہوں تو وکالت عام اور اگر خاص الفاظ ہوں تو وکالت خاصہ منعقد ہو گی۔ اگر صیغہ وکالت میں نوعیت معاملہ کا ذکر نہ ہو اور کوئی قرینہ وغیرہ بھی نہ ہو تو وکالت باطل ہو گی۔

حلم وکالت

عقد وکالت کی تمام شرائط پوری ہو جانے کے بعد وکیل کے لیے موکل کی جانب سے تفویض کردہ تمام اختیارات کا نفاذ اور اجراء درست اور جائز ہو گا۔ اس طرح وکیل کا اپنے موکل کی نیابت اور وکالت کرنا اور اس کی اس معاملے میں نیابت یا قائم مقامی کرنا جائز ہے۔

وکالت کے نتیجے میں دو افراد کے مابین جو معاہدہ طے پاتا ہے دیگر معاہدات اور معاملات کی طرح دونوں فریقوں پر اس کی پابندی ضروری ہے۔ وکیل کا فرض ہے کہ وہ حدود وکالت میں رہتے ہوئے امانتداری کے ساتھ فرائض انجام دے اور اس معاملے کو انجام تک پہنچائے جو اس کے ذمہ لگایا گیا ہے اور موکل کو چاہیے کہ وہ زیر توکیل معاملے میں ہر ممکن اس کی مدد اور معاونت کرے۔

اگر وکیل نے کسی معاملے میں دی گئی ہدایات کی پابندی نہ کی اور وکالت کی حدود سے تجاوز کیا تو موکل اس کے معاملات اور عقود کا پابند نہیں ہو گا وہ اگر چاہے قبول کرے اور چاہے تو ان کی ذمہ داری قبول نہ کرے۔ نیز عقد وکالت فاسد بھی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا وہ معاملہ خود وکیل کی اپنی جانب سے ہو گا۔(۱۵۲) السید سابق نے لکھا ہے:

"ومتی تمت الوکالة کان الوکیل امینا فیما وکل به فلا یضمن الا بالتعدی او التفریط"

(۱۵۳)

عقد وکالت کی تکمیل کے بعد وکیل صرف اسی صورت میں ضامن ہو گا جب کہ حدود وکالت کو توڑے یا زیادتی سے کام لے۔

امام شربینی فرماتے ہیں کہ اگر وکیل موکل کی ہدایات کی مخالفت کرے تو اس کے تصرفات و اعمال باطل ہوں گے۔(۱۵۴)

علامہ سبکی کے نزدیک وکیل کو چاہیے کہ اس کا عمل وہ ہو جس پر اعتماد کیا جا سکے اگر وکیل موکل کی ہدایات کی مخالفت کرے تو اس کا تصرف باطل ہو گا۔(۱۵۵)

وکیل کو چاہیے کہ وہ زیر تکمیل معاملے میں اپنے موکل کے مفاد اور اس کی بہتری کا خیال رکھے اگر وکیل اس بارے میں خیانت کرے یا بدعہدی کا مرتکب ہو تو وہ گناہ گار' امانت میں خائن' بدعہدی کا مرتکب اور بے وفائی کر کے قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں مذکور تمام وعیدوں کا مستحق ہو

جب موکل کسی شخص کو وکیل مقرر کرے تو عقد وکالت کی تکمیل کے بعد موکل کے حکم کی وکیل کے لیے کیا شرعی حیثیت ہوتی ہے اس کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں:

۱۔ موکل کا حکم وکیل کے لیے واجب ہونا

یہ اس وقت جب موکل وکیل کو عبادات مالیہ کی وکالت سونپے یا کسی انسان کی حفاظت کی ذمہ داری سونپے، کسی تکلیف دینے والی چیز یا کسی خطرہ کو دور کرنے کے متعلق کہے، یا اس کا حکم کس مجرم کو پکڑنے کے متعلق ہو یا وکیل کو کسی کے مال اور عزت کی حفاظت سونپی گئی ہو۔ بھوکے کو کھانا کھلانا یا مریض کے لیے دوا خریدنے کی وکالت ہو۔ ان تمام امور میں وکیل پر واجب ہوتا ہے کہ اپنے موکل کے حکم کی اطاعت کرے۔

۲۔ موکل کا حکم وکالت حرام ہونا

جس وقت موکل کسی کو امر حرام کے ارتکاب کے لیے وکیل مقرر کرے جیسے کسی کو قتل کرنا کسی کی چوری کرنا یا شراب کی خریداری، کافر مرد یا کافرہ عورت یا پانچویں عورت سے نکاح کے لیے وکیل مقرر کرنا، پہلے سے مخطوبہ لڑکی کے متعلق پھر پیغام نکاح کے لیے وکیل مقرر کرنا، اور اموال مغصوبہ کی خرید و فروخت پر وکیل مقرر کرنا وغیرہ۔ ان تمام امور میں سے وکیل نے اگر کسی ایک پر بھی عمل کیا تو یہ حرام ہو گا۔(۱۵۶)

۳۔ وکالت کا حکم مستحب ہونا

موکل نے جب وکیل کو کسی مستحب امر کے کرنے پر وکیل مقرر کیا جیسے ادائیگی قرض، سپردگی ھبہ اور قربانی کے جانور کو ذبح کرنا۔ وکیل کا ان امور کو کرنا مستحب ہوتا ہے۔

۴۔ وکالت کا حکم مکروہ ہونا

جب موکل نے وکیل کو مکروہ امور پر وکیل مقرر کیا ہو یا مکروہ اشیاء کی خرید و فروخت سونپی ہو جیسے سگریٹ کی خرید و فروخت وغیرہ ان امور میں وکیل کا موکل کی طرف سے تفویض کردہ امر کو کرنا مکروہ ہو گا۔

۵۔ وکالت کا حکم مباح ہونا

وہ عمومی امور جن کو کرنا شرعاً جائز ہو ان میں وکالت مباح ہوتی ہے جیسے عام اشیاء کی خرید و

فروخت پر کسی کو وکیل مقرر کرنا وغیرہ۔ اگر وکیل ان امور وکالت کو انجام دے گا تو یہ اس کے لیے مباح ہو گا(۱۵۷)

خلاصہ یہ کہ وکالت کا حکم عقد وکالت میں کسی بھی حکم یا امر کی حیثیت سے ہو گا۔

حواشی و حوالہ جات

١۔ سورۃ البقرہ، ٢/١٨٥۔

٢۔ سورۃ الحج، ٢٢/٨٧۔

٣۔ البخاری، (کتاب الایمان باب الدین یسر)، ١/١٠۔
نسائی، (کتاب الایمان، باب الدین یسر)، ٢/٢٧٢۔

٤۔ البخاری، ١/١٠۔

٥۔ امام احمد، ١/ ٢٨٣، ٣٦٥۔

٦۔ سرخسی، المبسوط، ١٩/٢۔

٧۔ ابو اسحاق ابراہیم شیرازی، المھذب، دار المامون، مصر، (ت۔ ن)، ١/٣٣٨۔

٨۔ علاؤالدین حنفی، الدر المختار، ص ٦٨٤۔

٩۔ ابو اللیث سمرقندی، فتاوی النوازل، بلوچستان بک ڈپو، کوئٹہ، ١٩٨٥ء، ص ٣١٩۔
محمود نسفی، کنز الدقائق، سعید کمپنی، کراچی، (ت۔ ن)، ص ٢٧٢۔

١٠۔ ابن نجیم، الاشباہ والنظائر، ص ٥٠٠۔
ابن نجیم، البحر الرائق، ٧/ ١٤٣۔

١١۔ فتاوی ہندیہ، ٣/٦١٥۔

١٢۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ٦/٢٢۔ فتاوی ہندیہ، ٣/٦١٥،
ابن شحنہ، لسان الحکام، ص ٢٥٠۔

١٣۔ فتاوی ہندیہ، ٣/٦١٥۔

١٤۔ علاؤالدین حنفی، الدر المختار، ص ٦٨٤۔

١٥۔ البخاری، (کتاب الوکالۃ)، ١/٣٠٩۔

١٦۔ سید سابق، فقہ السنہ، ٣/٢٣٣۔

١٧۔ وکیع، اخبار القضاۃ، ١/١٣٩۔

١٨۔ السید البکری، اعانۃ الطالبین، دار احیاء التراث العربی، بیروت، (ت۔ ن)، ٣/٨٥۔

خطیب الشربینی' مغنی المحتاج' ۲/۲۱۷۔

کاسانی' بدائع الصنائع' ۶/۲۰۔

۱۹۔ ارکان رکن کی جمع ہے۔ رکن کا معنی "**رکن الشئی: جانبه الاقوی**" یعنی مضبوط طرف۔ "**الناحية القوية وماتقوی به**" یعنی وہ چیز جس سے کسی کو تقویت پہنچی ہو (لسان العرب ۱۳/ ۱۸۵۔ تاج العروس' ۹/۲۱۹) قرآن مجید میں حضرت لوط علیہ السلام کا یہ ارشاد منقول ہے "**اواوی الی رکن شدید**" سورۃ ہود' ۱۱/۸۰۔ یا میں کسی محکم سہارے کی پناہ لے لوں۔ فقہاء کے نزدیک رکن کی تعریف یہ ہے: "**مالایقوم الشئی الابه**" وہ چیز جس کے بغیر کوئی چیز قائم نہ ہو سکے۔ رواس قلعہ جی' معجم لغۃالفقہاء' ص ۲۲۶)

۲۰۔ کاسانی' بدائع الصنائع' ۶/۲۰۔

۲۱۔ ابن قدامہ' المغنی' ۵/۹۲۔ سبکی' تکملہ شرح المجموع' ۱۴/۱۰۵۔

۲۲۔ فتاوی ہندیہ' ۳/۵۶۴۔

۲۳۔ ایضا'' ص ۵۶۵۔

۲۴۔ ابن نجیم' البحرالرائق' ۷/۱۳۹۔

۲۵۔ ادنی تصرف سے مراد حفظ مال کی وکالت ہے امام محمد فرماتے ہیں کہ یہ وکالت قیاسا" نہیں استحسانا ثابت ہو گی کیونکہ اللہ تعالی فرماتا ہے "**واللہ علی مانقول وکیل**" (سورۃ یوسف' ۱۲/ ۶۶) یعنی جو کچھ ہم کہتے ہیں اللہ تعالی اس کا محافظ ہے یہاں وکیل حفیظ کے معنی میں ہے اس لیے یہاں بھی وکیل سے مراد ادنی تصرف یعنی اشیاء کی محافظت ہو گا (ابن بزاز' فتاوی بزازیہ علی ھامش فتاوی ہندیہ' ۵/۴۵۹)

۲۶۔ احسن نانوتوی' غایۃ الاوطار شرح الدر المختار' سعید کمپنی' کراچی' ۱۳۹۸ھ' ۳/۳۶۲۔

۲۷۔ تصرفات مالیہ سے مراد بیع و شراء' ھبہ و صدقات کی ادائیگی و وصولی کی وکالت ہے۔ (فتاوی ہندیہ' ۳/۵۶۵)

۲۸۔ سمرقندی' فتاوی نوازل' ۳۱۹۔

۲۹۔ الجزیری' کتاب الفقہ' ۳/۱۷۹۔

۳۰۔ طحطاوی' حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار' ۳/۲۶۴۔

۳۱۔ ابن ابی الدم' ادب القضاء' (نمبر ۸۱۷)' تحقیق' مصطفی الزحیلی' دار الفکر' بیروت' ۱۹۸۲' ص

۳۲۔ احناف کے نزدیک اس سے بھی حفظ مال کی وکالت ہو گی (خالد اتاسی' شرح الجلہ' ۴/۴۰۲)

۳۳۔ کاسانی' بدائع الصنائع' ۶/۲۰۔

۳۴۔ ابن ہمام' فتح القدیر' ۶/ ۵۵۳۔

۳۵۔ شرف الدین مقدسی' الاقناع' ۲/ ۲۳۲۔

۳۶۔ کاسانی' بدائع الصنائع' ۶/۲۱۔ فتاوی ہندیہ ۳/۵۶۱۔

۳۷۔ سورۃ البقرہ' ۲/ ۲۸۲۔

۳۸۔ قرطبی' الجامع لاحکام القرآن' ۳/ ۳۸۲۔

۳۹۔ السید سابق' فقہ السنہ' ۳/۲۳۰۔

۴۰۔ قفال الشاشی' حلیلہ العلماء' ۵/۱۱۶۔

۴۱۔ بھوتی' کشاف القناع' ۳/ ۴۶۲۔

۴۲۔ ابن بزاز' فتاوی بزازیہ' علی حامش' فتاوی ہندیہ' ۵/ ۴۶۴۔
مقدسی' الاقناع' ۲/ ۲۳۲۔

۴۳۔ فتاوی ہندیہ' ۳/۵۶۱۔

۴۴۔ کاسانی' بدائع الصنائع' ۶/ ۲۰۔

۴۵۔ فتاوی ہندیہ' ۳/ ۵۶۲۔
مقدسی' الاقناع' ۲/ ۲۳۲۔

۴۶۔ ابن نجیم' البحرالرائق' ۷/ ۱۴۰۔

۴۷۔ الشربینی' مغنی المحتاج ۲/ ۲۱۷۔
ابن نجیم' البحرالرائق' ۷/ ۱۴۱۔

۴۸۔ کاسانی' بدائع الصنائع' ۶/ ۲۰۔

۴۹۔ فتاوی ہندیہ' ۳/ ۵۶۱۔

۵۰۔ بلوغ کا لغوی معنی ملنا ہے شریعت میں بلوغ سے مراد انسان کا صغر سنی کی انتہا کو پہنچنا ہے۔ بلوغت کے بعد انسان شرعی احکام کا مکلف ہو جاتا ہے اور عام تصرفات کی آزادی ختم ہو جاتی ہے۔ لڑکا احتلام' انزال اور مجامعت کرنے پر اور لڑکی احتلام ہونے' حیض آنے' اور حاملہ ہونے

پر بالغ ہوتی ہے۔ اگر یہ علامات ظاہر نہ ہوں تو لڑکے کی بلوغت کا آغاز بارہ برس کی عمر میں اور لڑکی کی بلوغت پندرہ برس کی عمر میں ہوتی ہے (عمیم الاحسان' قواعد الفقہ' الصدق پبلشرز' کراچی' ۱۹۸۶ء' ص ۲۱۰) پاکستان میں مروجہ قانون کے مطابق بلوغت کی عمر ۱۸ سال ہے۔ (محمد شفیع باجوہ' شرح مجموعہ تعزیرات پاکستان' ناشر' احسان الحق قریشی' لاہور' ۱۹۸۹' ص ۲۸۴۔

۵۱۔ ابن نجیم' البحرالرائق' ۷/۱۴۱۔

۵۲۔ عقود تملیکات سے مراد وہ معاملات ہیں جن میں موکل کسی چیز کا خود مالک بنتا ہے یا کسی دوسرے کو مالک بنا دیتا ہے جیسے بیع و شرا' نکاح' اجارہ' ھبہ اور وصولی قرض وغیرہ۔

۵۳۔ فقہی اصطلاح میں ولی سے مراد باپ ہوتا ہے اس کے بعد دادا اور پھر وقت کا قاضی ولی ہوتا ہے۔ (عمیم الاحسان' قواعد الفقہ' ص ۵۴۸)

۵۴۔ ابن عابدین' ردالمختار' ۴/۴۴۵۔

۵۵۔ کاسانی' بدائع الصنائع' ۶/۲۰۔

۵۶۔ امام محمد بن ادریس شافعی' کتاب الام' دارالمعرفۃ' بیروت' ۱۹۷۳' ۳/۲۳۵۔

۵۷۔ کاسانی' بدائع الصنائع' ۶/۲۰۔ فتاوی ہندیہ' ۳/۵۶۲۔

۵۸۔ ابن نجیم' البحرالرائق' ۷/۱۴۲۔

۵۹۔ الجزیری' کتاب الفقہ' ۳/۱۷۰۔

۶۰۔ مرتد کی سزا قتل احادیث سے ثابت ہے ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**من بدل دینہ فاقتلوہ**" جو اسلام چھوڑ کر کسی اور دین کو اختیار کرو اسے قتل کر دو۔ (دار قطنی' کتاب الحدود' حدیث نمبر ۱۰۸)' ۳/۱۱۳' مسند امام احمد میں بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین مسلمانوں کو قتل کیا جا سکتا ہے' شادی شدہ زانی' قاتل عمد اور مرتد۔ (امام احمد' ۱/۶۳)

احناف کے نزدیک مرتدہ عورت کی وکالت اس لیے جائز رہتی ہے کہ ارتداد کے بعد بھی اس کے تصرفات نافذ ہوتے ہیں اور اس کا قتل واجب نہیں کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے "**نھی عن قتل النساء والصبیان**" (ابن ماجہ ابواب الجھاد' باب الغارۃ والبیات وقتل الصبیان' ص ۲۰۳۔ ابوداود' کتاب الجھاد' باب فی قتل النساء' ۲/۳۶۲) اسی بنا پر وہ مرتدہ عورت اسلامی ریاست میں

ہی رہے گی۔ احناف کے نزدیک اگرچہ یہ حدیث جنگ میں کافر عورتوں سے متعلق ہے لیکن مرتدہ کے ساتھ بھی اصل کافرہ جیسا سلوک کیا جائے گا (جزیری 'کتاب الفقہ' ۵/۴۲۶) سنن دار قطنی میں یہ حدیث بھی ہے کہ مرتدہ عورت کو قتل نہیں قید کیا جائے گا (حدیث نمبر ۱۲۰) کتاب الحدود' ۱۱۸/۳۔ دار قطنی ہی کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ مرتدہ عورت کو اسلام لانے پر مجبور کیا جائے گا۔ (۱۱۸/۳)

باقی آئمہ کے نزدیک مرتدہ عورت کو بھی قتل کیا جائے گا۔ (کتاب الفقہ ۴۲۶/۵) کیونکہ سنن دار قطنی میں ہی متعدد روایات ایسی ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرتدہ عورتوں پر اسلام پیش کرو اگر وہ اسلام کی طرف رجوع نہ کریں تو قتل کر دیا جائے۔ (دار قطنی' حدیث نمبر ۱۲۱۔ ۱۲۸) کتاب الحدود' ۱۱۸/۳ تا ۱۲۰۔)

۶۱۔ کاسانی' بدائع الصنائع' ۲۰/۶۔

۶۲۔ عبدالواحد' شرعی قانون عقد وکالت' سہ ماہی منہاج' (جلد نمبر ۵' شمارہ ۱۔۲) جنوری تا جون ۱۹۹۸ء' دیال سنگھ لائبریری' لاہور' ص ۱۰۰۔

۶۳۔ طحطاوی' حاشیہ الطحطاوی' ۲۶۵/۳۔

۶۴۔ عبدالواحد' شرعی قانون عقد وکالت' سہ ماہی منہاج' ص ۱۰۰۔

۶۵۔ یہ اس لیے کہ نکاح کے گواہوں کی ایک شرط یہ ہے کہ وہ مسلمان ہوں لہٰذا نکاح کے وکیل کے لیے مسلمان ہونا بدرجہ اولی ضروری ہے۔ (مرغینانی' ہدایہ' ۲۸۶/۲)۔

۶۶۔ سرخسی' المبسوط' ۱۴۱/۱۹۔ کاسانی' بدائع الصنائع' ۲۰/۶۔

۶۷۔ عبدالواحد' شرعی قانون عقد وکالت' ص ۱۰۱۔

۶۸۔ سرخسی' المبسوط' ۱۴۱/۱۹۔

۶۹۔ کاسانی' بدائع الصنائع' ۲۰/۶۔

۷۰۔ مرغینانی' ہدایہ' ۱۷۸/۳۔
السید البکری' اعانۃ الطالبین' ۸۵/۳۔

۷۱۔ ابن قدامہ' المغنی' ۸۸/۵۔

۷۲۔ مسلمان مرد اور کافر عورت کے نکاح کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے **"ولاتنکحوا المشرکات حتی یومن ولا تنکحوا المشرکین حتی یومنوا"** (سورۃ البقرۃ' ۲۲۱/۲۔) مشرک

عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان قبول نہ کرلیں اور نہ مسلمان عورتیں مشرک مردوں سے نکاح کریں یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔

۷۳۔ حالت احرام میں ہر قسم کا شکار اور جانوروں کا قتل ممنوع ہے اگر کسی وجہ سے کوئی جانور قتل ہو جائے تو جنایت ادا کرنا پڑتی ہے' (احسن نانوتوی' غایۃ الاوطار' ۱/۶۴۹)

۷۴۔ جزیری' کتاب الفقہ' ۳/۱۷۰۔

۷۵۔ ابن نجیم' البحرالرائق' ۷/۱۴۱۔

۷۶۔ ابو زکریا شرف نووی' منھاج الطالبین علی متن مغنی المحتاج لشربینی' ۲/۲۱۷۔

۷۷۔ مجور کا لفظ حجر سے ہے جس کا لغوی معنی ہے روکنا۔ فقہی اصطلاح میں کسی شخص کو مالی معاملات میں حق تصرف سے روکنا حجر کہلاتا ہے۔ عام طور پر مجور کرنے کے فقہاء نے تین اسباب بیان کیے ہیں۔ ۱۔ کم عمری ۲۔ جنوں ۳۔ مدہوشی و بے عقلی' اول الذکر دو اسباب کے باعث مجور کرنا بالاتفاق درست ہے البتہ فاتر العقل اور نابالغ بچہ جو معاملات کو درست انجام نہ دے سکتا ہو اسے اس کا باپ یا باپ کی طرف سے مقرر کردہ وصی مجور کر سکتا ہے۔ ان دونوں کی عدم موجودگی میں یہ اختیار قاضی یا جج کو مل جاتا ہے۔ اگر کسی بچے میں بالغ ہو کر بھی عقل و شعور پیدا نہ ہو تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک پچیس سال کی عمر کے بعد اسے معاملات میں حق تصرف دے دیا جائے گا جب کہ صاحبین کے نزدیک عقل و سمجھ آنے کے بعد ہی حق تصرف دیا جائے۔ خواہ کتنی عمر ہو جائے۔ (جزیری' کتاب الفقہ' ۲/۳۵۲)

ان اسباب کے علاوہ کسی اور معقول بنا پر عدالت بھی کسی مالک کو اس کی اپنی ملکیت میں حق تصرف سے روک سکتی ہے۔ (فتاوی ہندیہ' ۵/۵۶' ابن نجیم' البحرالرائق' ۸/۷۸)

۷۸۔ ابن نجیم' البحرالرائق' ۷/۱۴۱۔ ۱۴۲۔

۷۹۔ ابن عابدین' ردالمحتار' ۴/۴۰۰۔ الطحاوی' حاشیہ' ۳/۲۶۵۔

۸۰۔ اسلام میں عادل سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں قذف یعنی تہمت زنا کی حد نہ لگی ہو' سورۃ نور کی آیت نمبر ۴ اور ۵ میں محدود بالقذف کی گواہی قبول نہ کرنے کا حکم ہے۔ (عبدالمالک عرفانی' اسلامی قانون شہادت' قانونی کتب خانہ' لاہور' ۱۹۸۰' ص ۳۷' ۳۹)

۸۱۔ کاسانی' بدائع الصنائع' ۶/۲۰۔ فتاوی ہندیہ' ۳/۵۶۱۔

۸۲۔ مکرہ سے مراد وہ شخص ہے جسے ضرب شدید یا ڈرا دھمکا کر کسی کام کے کرنے کا کہا جائے اس

کی دو قسمیں ہیں۔ ا۔ کامل اکراہ۔ جس میں کسی شخص کو ڈرانے کی نوبت قتل جان یا کسی عضو کو ضائع کرنے تک ہو۔ ۲۔ ناقص اکراہ۔ وہ اکراہ جس میں کسی کو ضرب شدید کا خوف نہ دیا جائے۔ ضرب شدید کی چار علامتیں ہیں۔ ا۔ تہدید ۲۔ خوف دلانا ۳۔ تلف عضو ۴۔ قتل۔ صرف قید کرنا اکراہ ناقص ہوگا۔ (احسن نانوتوی' **غاية الاوطار**' ۴/۸۶۔۸۷)

۸۳۔ احمد حمد' نظریہ النیابہ' ص ۴۲۔

۸۴۔ امام محمد بن حسن شیبانی' کتاب الاصل' ادارۃ القرآن والعلوم اسلامیہ' کراچی' (ت۔ ن)' ص ۸۴۔

۸۵۔ ابن رشد' بدایہ المجتہد' ۲/۲۲۶۔

ابن ہمام' فتح القدیر' ۶/۵۶۳۔

۸۶۔ فتاوی ہندیہ' ۳/۵۶۲۔

۸۷۔ سرخسی' المبسوط ۱۹/۴۵۔

۸۸۔ مرغینانی' ہدایہ' ۳/۱۷۸۔

۸۹۔ ابن عابدین' ردالمختار' ۴/۴۴۷۔

۹۰۔ غبن سے مراد خرید و فروخت میں دھوکہ دینا ہے اس کی دو قسمیں ہیں (i) غبن یسیر (کم دھوکہ)۔ اس کی صورت یہ ہے کہ دس روپے میں خریدی ہوئی چیز نو روپے میں فروخت کر دینا (ii) غبن فاحش۔ (بڑا دھوکہ) دس روپے میں خریدی ہوئی چیز پانچ روپے میں فروخت کرنا غبن فاحش کہلاتا ہے۔ یہ دھوکہ خواہ بائع کی طرف سے ہو یا مشتری کی طرف سے غبن ہی کہلاتا ہے۔ (امجد علی' بہار شریعت' غلام علی' لاہور' (ت۔ ن)' ۱۱/۷۵)

۹۱۔ ابن نجیم' البحرالرائق' ۷/۱۴۲۔

۹۲۔ ابن قدامہ' المغنی' ۵/۸۸۔

۹۳۔ مراھق سے مراد وہ بچہ ہے جو بلوغت کے قریب ہو اور اس میں نفسانی خواہشات پیدا ہونا شروع ہو جائیں۔

(صمیم الاحسان' قواعد الفقہ' ص ۴۷۷)

۹۴۔ محمود نسفی' کنز الدقائق' ص ۲۷۲۔

۹۵۔ ابن عابدین' **منحة الخالق** علی البحرالرائق' ۷/۱۴۲۔

۹۶۔ آپ کا اصل نام ہند بنت ابی امیہ مخزومی تھا۔ بعض کے نزدیک آپ کا نام رملہ تھا۔ لیکن اول الذکر نام زیادہ صحیح اور معروف ہے (احمد بن قسطلانی' المواہب اللدنیہ' المکتب الاسلامی' بیروت' ۱۹۹۱ء' ۲/۸۴)

۹۷۔ عمر بن سلمہ کا نام بعض کتب میں عمرو بھی مذکور ہے (کاسانی' بدائع الصنائع' ۶/۲۰)

۹۸۔ آپ پانچویں سال نبوت ہجرت حبشہ کے دوران حبشہ میں پیدا ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ام سلمہؓ سے نکاح ۴ھ کو ہوا۔ اس لحاظ سے اس نکاح کے وقت آپ کی عمر نو برس تھی۔ آپ کے باشعور ہونے کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ سلم سے آپؓ نے پوچھا کہ کیا روزے کی حالت میں آپ اپنی ازواج سے تقبیل کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ سوال اپنی والدہ سے کرو۔ چنانچہ آپ نے پھر یہ سوال اپنی والدہ سے کیا تو آپ نے ہاں میں جواب دیا۔ (مسلم' "کتاب الصیام' باب بیان **ان القبلہ فی الصوم لیست محرمۃ**" ۱/۳۵۳۔ ابن عبد البر' الاستیعاب علی ہامش الاصابہ فی تمیز الصحابہ (نمبر ۱۸۸۲)' ۸/۲۷۴' ابن حجر عسقلانی' الاصابہ' (۵۷۳۵)' مکتبہ الکلیات الازہریہ' مصر' ۱۹۷۷ء' ۷/۷۷)

۹۹۔ عبداللہ بن سہل انصاری خیبر میں گئے تو انہیں وہاں کے یہودیوں نے شہید کر دیا۔ انہی کی وجہ سے قسامت ہوئی ان کی گردن توڑ کر ایک چشمے میں ڈال دیا گیا۔ (ابن اثیر جزری' اسد الغابہ (۲۹۹۶)' ۳/۲۷۰' ابن البر' الاستیعاب (نمبر ۱۵۶۷)' ۶/۲۳۶۔ ابن حجر عسقلانی' الاصابہ (۴۷۲۴)' ۶/۱۱۳۔

۱۰۰۔ امام مالک' موطا' (کتاب القسامت' باب تبداۃ اھل الدم فی القسامۃ) میر محمد' کتب خانہ' کراچی' (ت۔ن)' ص ۶۸۱۔
البخاری' (کتاب الاحکام' باب کتاب الحاکم الی عمالہ)' ۲/۱۰۶۷۔

۱۰۱۔ البخاری' (کتاب الوکالۃ)' ۱/۳۰۸۔

۱۰۲۔ ایضاً۔

۱۰۳۔ جزیری' کتاب الفقہ' ۳/۱۷۱۔

۱۰۴۔ حربی سے مراد اس ملک کا شہری ہے جس سے جنگی حالات ہوں اور اس سے ہر طرح کے تعلقات منقطع ہوں (عمیم الاحسان' قواعد الفقہ' ص ۲۶۲۔)

۱۰۵۔ جزیری' کتاب الفقہ' ۳/۱۷۱۔

۱۰۶۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۲۰/۶۔
طحاوی، حاشیہ، ۲۶۵/۳۔

۱۰۷۔ جیسے پاکستان میں ۱۰ فروری ۱۹۷۹ء بمطابق ۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ کو اسلامی حدود کا نفاذ ہوا لیکن حد ارتداد کو نافذ نہیں کیا (محمد شفیع، شرح مجموعہ تعزیرات پاکستان، ص ۲۸۴)

۱۰۸۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۳۹/۶۔

۱۰۹۔ ابن قدامہ، المغنی، ۱۲۶/۵

۱۱۰۔ سرخسی، المبسوط، ۱۳۹/۱۹۔

۱۱۱۔ امام محمد، کتاب الاصل، ص ۸۴۔

۱۱۲۔ السید البکری، اعانۃ الطالبین، ۸۵/۳۔

۱۱۳۔ جزیری، کتاب الفقہ (مترجم) ۱۰۳۶/۱۔

۱۱۴۔ ایضاً" ۶۷۶/۴۔

۱۱۵۔ ابن رشد، بدایۃ المجتہد، ۲۲۶/۲۔

۱۱۶۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۲۰/۶۔

۱۱۷۔ ابن نجیم، الاشباہ والنظائر، ص ۲۹۹۔

۱۱۸۔ ابن نجیم، البحرالرائق، ۱۴۰/۷۔

۱۱۹۔ احمد حمد، نظریۃ النیابۃ، ص ۴۷۔۴۸۔

۱۲۰۔ قاضی خاں، ۱۴۷/۳۔
فتاوی ہندیہ، ۵۶۴/۳۔

۱۲۱۔ شریعت میں مباح سے مراد کسی کام کے کرنے کا جائز ہونا ہے لیکن کسی ملک میں کس کام کو بلا روک ٹوک کیا جا سکتا ہے اور کس میں حکومت کی اجازت ضروری ہے یہ تعین وقت کی حکومت ہی کرتی ہے۔ وقت بدلنے سے مباحات میں بھی تبدیل آ جاتی ہے جیسے علامہ قاضی خاں نے معادن سے جواہرات نکالنا مباحات میں شامل کیا ہے لیکن عصر حاضر میں ایسا نہیں بلکہ یہ حکومت کا ایک معقول ذریعہ آمدن ہے۔

۱۲۲۔ قاضی خاں، ۱۴۷/۳۔

۱۲۳۔ امام سبکی، تکملۃ المہذب، ۹۶/۱۴۔

۱۲۴۔ بھوتی، کشاف القناع، ۳/ ۴۶۴۔

۱۲۵۔ شمس الدین، نھایہ المحتاج، ۵/ ۲۳۔

۱۲۶۔ محمد عرفہ الدسوقی، حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر، داراحیاء التراث العربی، بیروت، (ت۔ ن)، ۳/ ۳۸۰۔

۱۲۷۔ سورۃ البقرہ، ۲/ ۱۹۰۔

۱۲۸۔ ایضاً، ۱۹۴۔

۱۲۹۔ ابن نجیم، البحرالرائق، ۷/ ۱۴۳۔

۱۳۰۔ قاضی خاں، ۳/ ۷/ ۱۴۔ فتاوی ہندیہ، ۳/ ۵۶۴۔

۱۳۱۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۶/ ۲۳۔

۱۳۲۔ الجزیری، کتاب الفقہ، ۳/ ۱۷۱۔

۱۳۳۔ شیرازی، المھذب، ۱/ ۳۴۹۔

۱۳۴۔ ایضاً۔

۱۳۵۔ سورۃ الانعام، ۶/ ۱۶۴، سورۃ الفاطر، ۳۵/ ۱۸، سورۃ الزمر، ۳۹/ ۷

۱۳۶۔ سورۃ النجم، ۵۳/ ۳۸۔

۱۳۷۔ اس لیے کہ اس سے شہادت کی تکمیل میں کمی آجاتی ہے۔

۱۳۸۔ مرغینانی، ہدایہ، ۳/ ۱۷۷۔

۱۳۹۔ جزیری، کتاب الفقہ، ۳/ ۱۷۲۔

عبدالوہاب شعرانی، میزان الکبری، دارالفکر، بیروت، (ت۔ ن)، ۲/ ۸۳۔

۱۴۰۔ الشربینی، مغنی المحتاج، ۲/ ۲۱۹۔

۱۴۱۔ الشربینی، مغنی المحتاج، ۲/ ۲۱۹۔ السید البکری، اعانۃ الطالبین، ۳/ ۸۵۔

۱۴۲۔ ایضاً، ص ۲۲۰۔

۱۴۳۔ ابن نجیم، الاشباہ والنظائر، ص ۲۹۷۔

۱۴۴۔ خطیب الشربینی، المغنی المحتاج، ۲/ ۲۲۱۔

۱۴۵۔ ابن قدامہ، المغنی، ۵/ ۹۴۔

۱۴۶۔ الشربینی، مغنی المحتاج، ۲/ ۲۱۹۔

۱۴۷۔ مقدسی، الاقناع، ۲/ ۲۳۴۔

۱۴۸۔ علاؤ الدین، الدر المختار، ص ۶۸۴۔

۱۴۹۔ الجزیری، کتاب الفقہ، ۳/ ۱۷۹۔

۱۵۰۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۶/ ۲۰۔ الشربینی، مغنی المحتاج، ۲/ ۲۲۳۔

۱۵۱۔ السید سابق، فقہ السنہ، ۳/ ۲۳۰۔

۱۵۲۔ الجزیری، کتاب الفقہ، ۳/ ۱۸۸۔

۱۵۳۔ السید سابق، فقہ السنہ، ۳/ ۲۳۳۔

۱۵۴۔ الشربینی، مغنی المحتاج، ۲/ ۲۲۹۔

۱۵۵۔ سبکی، تکملہ المجموع، ۱۴/ ۱۱۱۔

۱۵۶۔ شمس الدین، نھایہ المحتاج، ۵/ ۲۳۔

۱۵۷۔ احمد حمد، نظریہ النیابہ، ص ۵۹۔ ۶۰۔

باب چہارم

احکام وکالت

۱۳۰- ۳۱۳

باب چہارم

احکام وکالت

فصل اول

اسلامی وکالت کے بنیادی اصول

احکام وکالت تفصیلاً بیان کرنے سے قبل اسلامی وکالت کے ان بنیادی اصولوں کا ذکر کیا جاتا ہے جو تمام امور کی وکالت کے ضمن میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں:

۱۔ عقد وکالت کی تکمیل کے لیے ارکان وکالت (موکل، وکیل، موکل فیہ اور صیغہ وکالت) کو ان شرائط پر پورا اترنا چاہیے جو اس سے قبل باب چہارم میں بیان کی جا چکی ہیں۔

۲۔ فریقین انواع وکالت میں سے جس نوع کی وکالت منعقد کریں گے۔ عقد وکالت بھی اسی نوع سے متعلق ہو گا۔ یعنی اگر وکالت مطلقہ ہے تو وکالت عامہ منعقد ہو گی۔ اگر وکالت مقیدہ ہو تو پھر موکل کی شرائط و قیود کو پیش نظر رکھنا ہو گا۔(۱)

۳۔ توکیل ثانی موکل کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہو گی۔ اگر وکیل کو مختار عام یا وکالت عامہ حاصل ہو تو پھر موکل کی اجازت کے بغیر ہر معاملے میں توکیل ثانی جائز ہو گی۔(۲)

۴۔ عقد وکالت میں اگر جہالت کثیرہ ہو اور وکیل نے اس جہالت کی بنا پر امر وکالت کو انجام دیا ہو تو موکل کو اختیار ہو گا اسے قبول کرے یا رد کر دے۔(۳)

۵۔ اگر موکل نے کسی معاملے میں دو وکیل مقرر کیے ہوں تو جہاں اظہار رائے کی ضرورت ہو یا عقد کی پختگی کی۔ وہاں اگر ایک وکیل نے اس امر کو انجام دیا تو اس کا یہ فعل جائز نہیں ہو گا۔ اگر اظہار رائے کی ضرورت نہ ہو تو ایک وکیل کا امر وکالت انجام دینا درست قرار پائے گا جیسے مقررہ قیمت پر کسی چیز کو فروخت کرنا یا امانت ادا کرنا۔ وغیرہ(۴)

۶۔ وہ معاملات جن میں مال کا دخل نہیں ہوتا جیسے رد عاریت اور رد ودیعت وغیرہ۔ ان معاملات میں وکیل موکل کی اجازت کے بغیر بھی توکیل ثانی کر سکتا ہے۔ وہ معاملات جن میں مال بدل ہو جیسے خرید و فروخت اور مضاربت وغیرہ ان میں بلااجازت موکل وکیل مقرر نہیں کر سکتا۔ اِلّایہ کہ اسے وکالت عامہ حاصل ہو۔ اگر وکیل نے بلااجازت موکل وکیل ثانی مقرر کیا تو وہ اس کے قول اور فعل کا ذمہ دار ہو گا۔(۵)

۷۔ عام معاملات میں موکل جب چاہے وکیل کو اطلاع دے کر وکالت سے معزول کر سکتا ہے۔ اور وکیل جب چاہے خود کو وکالت سے دستکش کر سکتا ہے۔ اگر عقد کا تعلق تیسرے فریق سے متعلق ہو یا ایسے امر وکالت سے ہو جسے ادھورا چھوڑنے پر موکل کو نقصان ہو سکتا ہے تو پھر کام کی تکمیل کے بعد ہی وکیل عقد وکالت کو ختم کر سکتا ہے۔(۶)

۸۔ اگر عقد وکالت میں موکل فیہ سے متعلق جہالت یسیرہ ہو یا کم جہالت ہو تو عرف کا لحاظ رکھا جائے گا جیسے اگر موکل نے وکیل کو کسی چیز کی فروخت کے لیے مقرر کیا اور قیمت فروخت نہ بتائی تو عام قیمت فروخت مراد ہو گی۔(۷)

۹۔ وکیل عقد وکالت کے بعد موکل کے حکم اور طے شدہ شرائط کی مخالفت نہیں کر سکتا۔ مخالفت کی صورت میں ہونے والے نقصان کا وکیل ذمہ دار ہو گا۔ البتہ وہ مخالفت جو موکل کے فائدے میں ہو تو وہ قابل قبول ہو گی جیسے موکل کی طرف سے مقررہ قیمت کی بجائے زیادہ قیمت پر موکل فیہ کو فروخت کرنا۔(۸)

۱۰۔ ھبہ، رہن، عاریت، ودیعت و امانت رکھنا، قرض دینا، شرکت، مضاربت، صلح عن انکار، (یعنی دعوی تسلیم نہ کرتے ہوئے مال پر مصالحت کرنا) نکاح، طلاق، خلع، صدقہ، دین و قرض سے بری کرنا اور قتل عمد پر صلح کرنا۔ ان معاملات میں وکیل پر لازم ہے کہ وہ عقد کی اضافت موکل کی طرف کرے اگر وکیل نے اضافت موکل کی طرف نہ کی تو عقد موکل پر نافذ نہیں ہو گا کیونکہ ان معاملات میں وکیل کی حیثیت محض سفیر کی ہوتی ہے۔(۹)

۱۱۔ مالی معاملات میں ایک ہی شخص دو اطراف سے وکیل نہیں بن سکتا۔ فتاوی ہندیہ میں ہے کہ ادائیگی قرض کے معاملے میں ایک ہی شخص مطلوب کی طرف سے ادا کرنے اور طالب کی طرف سے وصول کرنے کا وکیل نہیں ہو سکتا۔(۱۰)

فصل دوم

احکام وکالت عقود تملیکات

عقود تملیکات سے مراد وہ معاہدے ہیں جن میں عقد کے بعد فریقین میں سے ایک فریق کسی چیز کا مالک بن جاتا ہے۔ یہ عقود مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) عقد نکاح (۲) عقد بیع (۳) عقد اجارہ (۴) عقد ھبہ (۵) عقد وصولی قرض

احکام توکیل نکاح

نکاح کا لفظ "نکح" سے مشتق ہے جس کا لغوی معنی ہے **"الوطء والبضع"**(۱۱)

یعنی پیوست ہونا' مباشرت کرنا اور نفع اٹھانا۔ قرآن مجید میں یہ لفظ عقد نکاح' وطی اور مباشرت کے معنی میں استعمال ہوا ہے' ارشاد ہوتا ہے۔

"فان طلقها فلاتحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره"(۱۲)

(ترجمہ) اگر مرد اپنی بیوی کو طلاق دے تو اس وقت تک وہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہوگی جب تک کہ وہ دوسرے شخص کے ساتھ نکاح نہ کرے۔ یہاں نکاح کا لفظ عقد نکاح مع مباشرت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔(۱۳)

اصطلاحی طور پر نکاح سے مراد یہ ہے۔

"وضعه الشارع لیرتب علیه انتفاع الزوج ببضع الزوجة وسائر بد نها من حیث التلذذ فالزوج یملک بعقد النکاح هذا الانتفاع"(۱۴)

وہ عقد جس سے خاوند اپنی بیوی کے تمام جسم سے محظوظ ہو سکے اس کے بعد خاوند مکمل انتفاع کا مالک ہو جاتا ہے۔ نکاح کو انگریزی میں Marriage کہتے ہیں۔

توکیل نکاح

توکیل نکاح سے مراد کسی مسلمان مرد یا عورت کا اپنے انعقاد نکاح سے متعلق کسی شخص کو قائم

مقام مقرر کرنا ہے۔ اس کی مشروعیت حضور اکرم ﷺ کی اس حدیث سے ثابت ہوتی ہے جسے ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نے روایت کیا ہے۔

عن ام سلمة رضی اللہ عنہا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعث الیہا یخطبہا فارسلت الیہ انی امراۃ مصبیة وانی اغیر وان لیس احد من اولیائی شاھدا فقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اما کونک اغیر فسادعو اللہ فیذھب غیرتک واما کونک مصبیة فان اللہ سیکفیک صبیانک واما ان احد من اولیاک لیس شاھدا فلیس احد من اولیائک لا شاھد ولا غائب الاسیر ضانی فقالت ام سلمة قم یا عمر فزوج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم(۱۵)

حضرت ام سلمہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف پیغام نکاح بھیجا میں نے جواب میں عرض کی کہ میں بچوں والی عورت ہوں اور مجھ میں (سوکنوں کے معاملے میں) زیادہ غیرت ہے اور میرا کوئی ولی بھی یہاں موجود نہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا۔ جہاں تک تیری غیرت کا معاملہ ہے۔ تو میں دعا کروں گا تو اللہ تعالیٰ اس کو دور کر دے گا۔ رہا تمہارے بچوں کا معاملہ تو اللہ تعالیٰ تمہارے بچوں کی کفایت کرے گا اور یہ کہ تمہارا کوئی ولی یہاں موجود نہیں۔ تو تمہارا کوئی ولی حاضر ہو یا غائب ایسا نہیں جو مجھ پر راضی نہ ہو۔ یہ سن کر میں نے اپنے بیٹے سے کہا اے عمر! کھڑے ہو جاؤ اور رسول اللہ ﷺ سے میرا نکاح کر دو۔

اس حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ انعقاد نکاح کے لیے توکیل جائز ہے۔ توکیل نکاح کی مشروعیت سے متعلق مزید احادیث باب دوم کی فصل سوم میں موجود ہیں۔

شرائط

وکالت نکاح کے لیے خصوصی شرائط یہ ہیں۔

۱۔ اگر موکلہ عورت ہو تو وکیل کے لیے مسلمان ہونا ضروری ہے کیونکہ مسلمان عورت کے نکاح کے لیے کافر کو وکیل نہیں بنایا جا سکتا۔

۲۔ وکیل حالت احرام میں نہ ہو کیونکہ کوئی شخص احرام کی حالت میں کسی کا وکیل نہیں بن سکتا۔

۳۔ امام مالکؒ کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ عورت کے نکاح کا وکیل مرد ہو، عورت نہ ہو۔ اس لیے کہ عورت کا عورت کے نکاح کے لیے وکیل بننا درست نہیں۔

۴۔ اگر موکل مرد ہو تو حالت احرام کے علاوہ باقی عمومی شرائط کا ہونا ضروری ہے۔(۱۶)

حنابلہ کے ہاں ایجاب نکاح میں فاسق آدمی کی توکیل درست نہیں۔(۱۷)

بہرحال ہر شخص جسے کسی امر میں تصرف کا حق حاصل ہو اسے اختیار ہے کہ وہ کسی اور کو نکاح میں وکیل مقرر کرے بشرطیکہ وہ اس کا نمائندہ بننے کا اہل ہو۔ عقد نکاح بھی ان معاملات میں سے ہے جن کی انجام دہی کے لیے وکیل مقرر کیا جا سکتا ہے۔ ہر وہ شخص جو عقد نکاح کے لیے ولی ہو کسی اور کو وکیل مقرر کر سکتا ہے۔ احناف کے نزدیک عورت خواہ بالغہ کنواری ہو یا شادی شدہ اسے حق حاصل ہے کہ وہ خود کسی شخص کو اپنا عقد نکاح انجام دینے کے لیے اپنا وکیل بنائے۔ توکیل نکاح پر اگر گواہ نہ بھی ہوں تو یہ درست ہو گا کیونکہ توکیل نکاح کے لیے گواہ مقرر کرنا شرط نہیں۔(۱۸)

توکیل نکاح میں وکیل کی حیثیت سفیر کی سی ہوتی ہے۔ لہٰذا وکیل کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ اپنے موکل یا موکلہ کے عقد نکاح کو اس کی طرف منسوب کرے اور اس طرح کہے:

میں نے اپنی موکلہ فلاں عورت جو فلاں کی بیٹی ہے کی شادی تمہارے ساتھ کر دی اور فریق ثانی کہے گا میں نے قبول کیا۔ اگر عقد میں دوسری جانب آدمی کا وکیل ہے تو عورت کا ولی اس سے یوں کہے گا کہ میں نے اپنی فلاں بیٹی کا نکاح کیا تو آدمی کا وکیل کہے گا کہ میں نے اس کا عقد فلاں بن فلاں کے ساتھ قبول کیا اگر وکیل نے فلاں کے ساتھ یعنی موکل کا نام مع ولدیت نہ لیا تو نکاح نہیں ہو گا خواہ اس کی نیت کیسی ہو۔ کیونکہ گواہوں کی نیت کا علم نہیں ہو سکتا اور وکیل پر لازم ہے کہ وہ اپنے وکیل ہونے کی صراحت کر دے جب کہ خاوند اور گواہوں کو اس کا علم نہ ہو۔(۱۹)

اگر دونوں جانب سے وکیل ہوں تو وہ یوں کہیں گے۔

کہ میں نے اپنی موکلہ فلاں بنت فلاں کا نکاح کیا اور مرد کا وکیل کہے گا کہ میں نے اسے اپنے موکل فلاں بن فلاں کے حق میں قبول کیا۔(۲۰) نکاح کا وکیل عقد نکاح کے وقت ایجاب یا قبول کی نسبت اپنی طرف نہیں کر سکتا اگر اس نے اپنی طرف نسبت کی تو اس کا نکاح اس سے ہو جائے گا۔

احکام

۱۔ وکالت نکاح میں اگر عمومیت ہو تو وکیل جس طرح بھی نکاح کرے گا منعقد ہو گا۔ بشرطیکہ نکاح کی عمومی شرائط پر پورا اترتا ہو۔(۲۱)

۲۔ موکل نے وکیل سے کہا کہ فلاں عورت سے نکاح کرا دے پھر اس نے ایک عورت سے اس

شرط پر نکاح کرا دیا کہ طلاق کا حق اس عورت کو ہو تو نکاح جائز ہے لیکن شرط باطل۔(۲۲)

۳۔ موکل نے وکیل سے کہا کہ فلاں شہر یا فلاں قبیلے کی ایک عورت سے نکاح کرا دے تو اس نے دوسرے شہر یا دوسرے قبیلہ کی عورت سے نکاح کر دیا تو مخالفت کی بنا پر نکاح جائز نہ ہو گا۔(۲۳)

۴۔ موکل نے وکیل سے کہا کہ میرا نکاح کسی عورت سے کرا دے۔ وکیل نے عقد واحد میں دو عورتوں سے نکاح کرا دیا تو موکل کے حکم کی مخالفت اور ناقابل عمل ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہو گا۔ کیونکہ جماع کسی ایک معین عورت ہی کے ساتھ ہو سکتا ہے اور ان دونوں میں سے کسی ایک کو معین نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے کہ موکل نے مطلق نکاح کا لفظ استعمال کیا تھا۔(۲۴)

۵۔ کسی شخص کی منکوحہ نے دوسرے شخص سے کہا کہ میں اپنے شوہر سے خلع کرنا چاہتی ہوں اس کے بعد تو میرا نکاح فلاں شخص سے کرا دے تو یہ صحیح ہو گا۔(۲۵)

۶۔ وکیل نے اگر موکل سے کہا کہ میرا عقد دو عورتوں سے کرا دے لیکن وکیل نے اپنے موکل کا عقد تین عورتوں سے کر دیا۔ یہ مخالفت کی بنا پر موکل کی اجازت پر موقوف ہو گا۔ اگر موکل نے دو عورتوں سے عقد کرانے کے متعلق وکیل سے کہا اور وکیل نے ایک عورت سے اس کا نکاح کر دیا تو یہ جائز ہو گا۔(۲۶)

۷۔ ایک شخص نے وکیل سے کہا کہ وہ فلاں عورت سے اس کا نکاح کرا دے تو موکل نے اس کی چھوٹی یا بڑی بہن سے نکاح کرا دیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں جب کہ صاحبینؒ کے نزدیک جائز ہے۔(۲۷)

۸۔ اگر کسی عورت نے اس بات پر وکیل مقرر کیا کہ وہ اس سے نکاح کرے یا اس کے چھوٹے بچے کے ساتھ نکاح کرا دے تو یہ درست نہیں ہو گا۔ اسی طرح اگر کسی مرد نے کسی عورت کو وکیل کیا کہ وہ کسی عورت سے اس کا نکاح کرا دے تو اس عورت نے خود اس سے نکاح کر لیا تو یہ بھی جائز نہیں۔ اس لیے کہ وکیل اپنے حق میں وکالت نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر اس نے ایسا کیا تو بعض فقہاء کے نزدیک وہ وکالت سے معزول ہو جائے گی۔(۲۸)

اگر کسی مخصوص عورت سے شادی کرنے کے لیے کسی شخص نے وکیل مقرر کیا پھر موکل نے اس عورت کی ماں یا بیٹی سے نکاح کرا دیا تو وکیل کی وکالت ختم ہو جائے گی اس لیے کہ وہ مخصوص عورت اس پر حرام ہو جائے گی۔(۲۹)

۹۔ اگر موکل نے کہا کہ فلاں عورت سے میرا نکاح کرا دو۔ پھر موکل نے اس عورت سے خود

نکاح کر لیا بعد میں اس موکل نے اسے طلاق دے دی تو اب اگر وکیل نے خود اس سے نکاح کر لیا تو جائز ہو گا۔(۳۰)

۱۰۔ کسی شخص نے اس امر پر وکیل مقرر کیا کہ اس کی بیٹی کا نکاح کر دو تو اب وکیل موکل یعنی باپ کی موجودگی میں نکاح کر سکتا ہے۔(۳۱)

۱۱۔ کسی نے عورت سے نکاح کرنے کے لیے وکیل کیا لیکن وکیل نے مہر مثل(۳۲) سے زیادہ پر نکاح کر دیا۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ نکاح درست ہو گا کیونکہ موکل نے مطلقاً" نکاح کے متعلق کہا تھا۔ اور مہر وغیرہ مقرر کرنے کی کوئی قید نہیں لگائی تھی جب کہ صاحبینؒ کے نزدیک یہ نکاح درست نہیں ہو گا اگر عام مہر سے زیادہ ہو کیونکہ مطلق کی صورت میں عرف سے ہی مہر متعین ہوتا ہے۔(۳۳)

۱۲۔ اگر کسی خاص عورت سے نکاح کرنے کے لیے وکیل مقرر کیا لیکن وکیل نے مہر مثل سے اتنے زیادہ پر نکاح کر دیا جو مہر مثل کے زمرے میں آتا ہو تو جائز ہے۔ اگر اس سے بھی زائد ہو تو امام اعظمؒ کے نزدیک جائز ہے کیونکہ عورت اگرچہ خاص تھی لیکن توکیل نکاح کا حکم مطلق تھا اور مہر کی کوئی قید نہ تھی۔ لیکن صاحبینؒ کے نزدیک یہ نکاح ناجائز ہو گا۔(۳۴)

۱۳۔ موکل نے وکیل سے کہا کہ میرا نکاح دس ہزار روپے حق مہر پر کرا دو اور وکیل نے دس ہزار روپے سے زائد رقم پر نکاح کر دیا اگر زائد مجہول البدل ہو (یعنی یوں کہا کہ مہر دس ہزار روپے سے زائد ہو گا) تو مہر مثل کو دیکھا جائے گا۔ اگر عورت کا مہر مثل دس ہزار روپے سے زائد ہو تو جب تک موکل اجازت نہ دے تو نکاح جائز نہ ہو گا۔(۳۵)

اگر رقم مقررہ ہو یعنی یہ کہا ہو کہ دس ہزار روپے حق مہر پر نکاح کرو لیکن وکیل نے پندرہ ہزار روپے حق مہر پر نکاح کر دیا تو یہ نکاح درست نہ ہو گا۔ اگر موکل نے اس زیادتی کو قبول کر لیا تو نکاح درست ہو جائے گا۔(۳۶)

۱۴۔ اگر موکل نے وکیل سے کہا کہ وہ دو ہزار روپے مہر معجل اور آٹھ ہزار روپے مہر موجل پر نکاح کرائے لیکن اس نے تین ہزار روپے مہر معجل اور سات ہزار روپے مہر موجل پر نکاح کر دیا تو یہ نکاح موکل کی اجازت پر موقوف ہو گا۔(۳۷)

۱۵۔ اگر کسی خاص عورت نے متعین مہر پر نکاح کرانے کے لیے وکیل مقرر کیا۔ بعد میں اتنے ہی مہر کے عوض وکیل نے خود نکاح کر لیا تو یہ بھی جائز ہے۔(۳۸)

۱۶۔ موکل نے کسی خاص عورت سے نکاح کرنے کے لیے وکیل مقرر کیا پھر موکل مرتد ہو کر دارالحرب چلا گیا۔ اس کے بعد وکیل نے دعوی کیا کہ میں نے حالت اسلام میں اس کا نکاح کر دیا تھا۔ موکل جب مسلمان ہو کر واپس آیا تو اس نے اور اس کے وارثوں نے اس سے انکار کیا تو اس معاملے میں وکیل اور عورت کا قول معتبر نہیں ہو گا۔ کیونکہ وکیل ایسی بات کی خبر دیتا ہے جس کا وہ مالک نہیں اس لیے کہ وہ موکل کے مرتد ہونے کے بعد معزول ہو گیا اور وہ اس کام کے استیناف کا مالک نہیں۔ اگر فریقین نے گواہ پیش کیے تو عورت کے گواہوں کی گواہی معتبر سمجھی جائے گی۔ اگر دونوں کے پاس گواہی نہ ہو تو وارثوں سے ان کے علم پر قسم لی جائے گی۔(۳۹)

۱۷۔ اگر نکاح کے بعد عورت شادی سے انکار کرے اور خاوند دعوی کرے تو وکیل کا اقرار حلف کے بغیر بھی قابل تسلیم ہو گا اگر خاوند کا دعوی نہ ہو تو وکیل کا اقرار بے سود ہو گا۔(۴۰)

۱۸۔ کسی شخص نے وکیل نکاح سے کہا **"ماصنعت من شئی فھو جائز"** تو جو کچھ کرے وہ جائز ہے۔ یعنی وکالت مطلقہ دی اور اس وکیل نے وکیل ثانی مقرر کیا یا اس نے وکیل ثانی کے تقرر کی وصیت کی تو یہ جائز ہے۔(۴۱)

اگر اس نے کسی دوسرے شخص کو وکیل کیا اور وکیل ثانی نے وکیل اول کے سامنے نکاح کر دیا تو یہ جائز ہے۔(۴۲)

۱۹۔ کسی نے غیر مقررہ عورت سے نکاح کرنے میں توکیل کی تو اس نے غیر کفو(۴۳) سے نکاح کر دیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عموم کی وجہ سے یہ نکاح جائز ہو گا اور صاحبینؒ کے نزدیک قیاساً جائز ہے استحساناً جائز نہیں۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔ **"تخیروا لنطفکم و انکحوا الاکفاء وانکحوا الیھم"**(۴۴) اپنے نطفوں کے لیے اچھی عورت اختیار کرو اور کفو مردوں سے نکاح کرو اور کفو والوں سے نکاح کرو۔

امام سرخسی فرماتے ہیں کہ اگر کسی عورت نے کہا کہ میرا نکاح غیر کفو میں کر دو اور وکیل نے غیر کفو میں نکاح کر دیا تو یہ جائز نہیں کیونکہ عورت خود غیر کفو میں نکاح کرنے کا اختیار نہیں رکھتی البتہ اگر وکیل نے غیر کفو میں نکاح کر دیا تو جائز ہو گا۔(۴۵) علامہ قاضی خاں کے نزدیک عورت غیر کفو میں بھی نکاح کی توکیل کر سکتی ہے۔(۴۶) امام سرخسی فرماتے ہیں کہ اگر وکیل نے کفو کے ساتھ اس کا نکاح کیا اگرچہ وہ شوہر اندھا ہو' اپاہج ہو یا کم عقل ہو تو بھی جائز ہے۔(۴۷)

۲۰۔ عورت نے کسی شخص کو اپنے امور کا مختار بنایا' وکیل نے اس سے نکاح کر لیا عورت نے کہا کہ مختار بنانے سے میری مراد بیع و شراء کے امور تھے لہٰذا نکاح جائز نہیں ہو گا کیونکہ اگر وہ اپنا نکاح کرانے کے لیے بھی وکیل بناتی تو اس وقت بھی وہ اپنی موکلہ سے نکاح نہیں کر سکتا تھا تو اس صورت میں بدرجہ اولی نکاح نہیں کر سکتا۔(۴۸)

۲۱۔ وکیل سے اگر موکل نے کہا کہ وہ اس کا نکاح کسی عورت سے کرا دے تو اس نے اپنی بالغ یا نابالغ بیٹی سے یا اپنی بھتیجی سے نکاح کر دیا اگر وہ اس کا ولی ہو تو جائز نہیں ہو گا البتہ اگر اپنی بالغہ بہن یا بیٹی کے ساتھ موکل کی رضامندی سے کر دیا تو جائز ہو گا۔(۴۹)

۲۲۔ عورت کا وکیل اپنی موکلہ کا نکاح اپنے بیٹے یا باپ کے ساتھ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نہیں کر سکتا جب کہ نابالغ بیٹے کے ساتھ بالاتفاق نہیں کر سکتا۔

۲۳۔ اگر موکل نے وکیل سے کہا کہ وہ میرا نکاح عورت سے کرا دے تو وکیل نے ناقابل جماع لڑکی سے نکاح کرا دیا تو بھی جائز ہے اس لیے کہ عورت کا لفظ اسم جنس ہے اور یہ چھوٹی و بڑی عورت سب پر صادق آتا ہے۔ لہٰذا نکاح کی ملکیت چھوٹی بڑی سب پر ثابت ہو جاتی ہے۔(۵۰)

۲۴۔ وکیل کو موکل نے حکم دیا کہ فلاں لڑکی کو نکاح کا پیغام دو۔ وکیل لڑکی کے باپ کے پاس آیا اور کہا کہ اپنی بیٹی مجھے دے دو باپ نے کہا دی۔ پھر وکیل نے دعوی کیا کہ میرا ارادہ اپنے موکل کے ساتھ نکاح کا تھا۔ اب اگر وکیل کا کلام بطور پیغام نکاح کے تھا۔ اور باپ کا کلام بھی اس کے جواب کے طور پر تھا عقد نکاح کے طور پر نہیں تھا تو ان کے درمیان نکاح نہیں ہوا۔ اور اگر عقد نکاح کے طور پر کلام ہوا تو وکیل کا اپنا نکاح منعقد ہو جائے گا موکل کا نہیں۔ کیونکہ جب وکیل نے کہا کہ اپنی بیٹی مجھے دے دو اور باپ نے کہا دی تو ان کے درمیان عقد نکاح مکمل ہو گیا۔(۵۱)

۲۵۔ اگر موکل نے کہا کہ فلاں عورت یا فلاں عورت سے میرا نکاح کرا دو وکیل نے جس بھی عورت سے نکاح کر دیا تو جائز ہو گا اس جہالت سے توکیل باطل نہیں ہو گی۔ اور اگر ایک ہی عقد میں دونوں کے ساتھ نکاح کر دیا تو کسی کا نکاح بھی صحیح نہیں ہو گا۔ (۵۲)

۲۶۔ موکل یا موکلہ نے وکیل نکاح کو وکالت سے معزول کر دیا لیکن وکیل کو اس معزولی کا علم نہ ہوا تو وکیل وکالت سے خارج نہیں ہو گا اس دوران اگر وکیل نے اپنے موکل یا موکلہ کا نکاح کر دیا تو جائز ہو گا۔

۲۷۔ جس شخص کی چار عورتیں ہوں اس نے کسی کو وکیل نکاح مقرر کیا تو یہ وکالت اس وقت

متصور ہو گی جب ان چار میں سے کسی ایک کو طلاق دے یا کوئی ایک فوت ہو جائے۔(۵۳)

۲۸۔ وکیل کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنی موکلہ کا نکاح کسی، مجنون اور مجبوب (نامرد) سے کرے یا اپنے موکل کا نکاح اس کی رضامندی کے بغیر کسی اندھی، مجنون اور ناقابل جماع عورت سے کرائے۔(۵۴)

۲۹۔ اگر دو آدمیوں کو موکل نے اپنا وکیل نکاح مقرر کیا پھر ان میں سے کسی ایک نے نکاح کر دیا تو جائز نہیں بلکہ انہیں اکٹھے باہمی رضامندی سے نکاح کرنا ہو گا۔(۵۵)

۳۰۔ ایک شخص دونوں جانب یعنی مرد اور عورت کی طرف سے وکیل ہو سکتا ہے۔ لیکن ایک طرف سے اس کی حیثیت اصیل اور دوسری طرف سے اس کی حیثیت وکیل کی ہو گی۔(۵۶)

۳۱۔ اگر زوجہ کی تعیین میں موکل اور وکیل کے درمیان اختلاف ہو گیا یعنی وکیل نے کہا کہ میں نے فلاں عورت سے تمہارا نکاح کیا اور موکل نے کہا کہ اس نے فلاں عورت سے نکاح کرانے کو کہا تھا تو اس اختلاف میں موکل کا قول معتبر ہو گا۔ کیونکہ ملک زوج کی ہے۔(۵۷)

۳۲۔ موکل نے اگر وکیل کی ماں یا دیگر محرمات میں سے کسی سے نکاح کر لیا تو اس کی وکالت ختم ہو جائے گی۔(۵۸)

۳۳۔ اگر موکل حالت احرام میں ہو اور وہ اپنے عقد کے لیے یا ولی ہونے کی صورت میں کسی کے نکاح کے لیے کسی کو وکیل بنائے تو یہ غلط ہو گا کیونکہ موکل حالت احرام میں ہوتا ہے اور وکیل موکل کے قائم مقام ہوتا ہے البتہ ارکان حج و عمرہ سے فارغ ہو جانے کے بعد وکیل عقد کر سکتا ہے اگرچہ احرام نہ اتارا ہو۔ کیونکہ موکل کے فقط احرام باندھنے سے وکیل منصب وکالت سے معزول نہیں ہوتا۔(۵۹)

۳۴۔ کسی شخص نے اپنی لڑکی کا نکاح کرنے کے لیے کسی کو وکیل مقرر کیا وکیل نے اس کے ساتھ اپنا نکاح کر لیا اور موکل یعنی لڑکی کا باپ اس پر راضی نہ ہوا تو اس کا نکاح باطل ہو گا کیونکہ وکیل بالنکاح اپنی ذات اور اپنے اصول و فروع (باپ، دادا، بیٹا و پوتا) کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا۔(۶۰)

احکام توکیل بیع

بیع کا لغوی معنی ہے **"مبادلۃ شئی بشئی مالا اولا"**(۶۱)

ایک چیز کا دوسری چیز سے تبادلہ کرنا خواہ وہ چیزیں مال ہوں یا نہ ہوں بیع کہلاتا ہے۔ کسی بھی چیز کے بیچنے والے کو بائع کہتے ہیں۔ لیکن یہ لفظ خرید و فروخت کے معنی میں یکساں استعمال ہوتا ہے جیسے قرآن مجید میں ہے۔

"یاایھا الذین امنوا اذا نودی للصلوۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللّٰہ و ذروا البیع(۶۲)

(ترجمہ) اے ایمان والو! جب جمعہ کے روز جمعہ کی اذان ہو تو اللہ کے ذکر کی طرف آؤ اور بیع چھوڑ دو۔

اس آیت میں مذکور لفظ بیع کے مفہوم کو بیان کرتے ہوئے امام فخرالدین رازی نے حضرت حسن بصری، عطاء اور فراء کا یہ قول نقل کیا ہے۔

لم یحل الشراء والبیع"(۶۳)

یعنی جب موذن جمعہ کی اذان دے تو خرید و فروخت جائز نہیں۔

شراء کا لغوی معنی ہے **"الشئی ملکہ بالبیع"**(۶۴) یعنی معاوضہ میں کچھ دے کر کسی شے کا مالک بن جانا، یا مال دے کر کسی مال پر قبضہ کرنا۔

شراء کا لفظ بھی عربی میں خرید اور فروخت دونوں مفہوم میں مستعمل ہے۔ جیسے سورۃ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق ہے۔

"وشروہ بثمن بخس دراھم معدودۃ"(۶۵)

(ترجمہ) حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے انہیں حقیر سی قیمت پر چند درہموں کے عوض فروخت کر دیا۔

تفسیر قرطبی میں یہاں "شروہ" کا معنی "**باعوہ**"(۶۶) بیان کیا ہے یعنی آپ کو فروخت کر دیا۔

اسی طرح سورۃ بقرہ میں اشتری کا لفظ خریدنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

"اولئک الذین اشتروا الضلالۃ بالھدی"(۶۷)

(ترجمہ) یہ وہ لوگ (منافقین) ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی۔(٦٨)

اس آیت میں اشتروا کا لفظ خریدنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

اس طرح یہ دونوں الفاظ باہمی متبادل المعنی ہیں یعنی بیع اور شری دونوں خرید اور فروخت کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔

احکام بیع کے ضمن میں یہاں بیع سے مراد فروخت کرنا اور شری سے مراد خریدنا ہوگا۔

فقہی اصطلاح میں بیع کی تعریف ہے۔

"مبادلة شئی مرغوب فیه بمثله"(٦٩)

ایک مرغوب چیز کو دوسری مرغوب چیز کے عوض فروخت کرنا۔

علامہ نسفی فرماتے ہیں کہ بیع سے مراد ہے۔

"هو المبادلة المال بالمال بالتراضی"(٧٠)

مال کا مال سے رضامندی کے ساتھ تبادلہ کرنا بیع کہلاتا ہے۔

فقہاء کرام کے نزدیک بیع کی معروف یہ قسمیں ہیں۔

١۔ **بیع نافذ:** اس سے مراد وہ بیع ہے جو شرعی اصولوں کے مطابق منعقد ہو جاتی ہے جس میں فوراً اشیاء مبادلہ پر حق ملکیت حاصل ہو جائے۔ اسے بیع قطعی بھی کہتے ہیں۔

٢۔ **بیع موقوف:** وہ بیع جو کسی جائز شرط سے مشروط ہو اور وہ شرط پوری ہو جانے کے بعد بیع نافذ ہو جاتی ہو۔ اسے بیع مشروط بھی کہتے ہیں جیسے بیع خیار العیب' بیع خیار الرویت اور بیع خیار الشرط وغیرہ۔

٣۔ **بیع فاسد:** وہ بیع جو باعتبار اصل مشروع اور جائز ہو' بیع میں مال متقوم ہو لیکن باعتبار وصف غیر مشروع ہو جیسے حلال چیز کو حرام چیز کے عوض فروخت کرنا یا غیر شرعی شرط سے بیع کو معلق کرنا اسے بیع ناقص بھی کہا جاتا ہے۔

٤۔ **بیع باطل:** وہ بیع جو باعتبار اصل اور باعتبار وصف ہی غیر مشروع ہو جیسے حرام اشیاء کی بیع بوقت آذان جمعہ۔ اسے بیع غلط بھی کہا جاتا ہے۔(٧١)

بیع کو انگریزی میں Selling کہا جاتا ہے۔ چونکہ عقد بیع میں بیع اور شراء دونوں آتے ہیں لہٰذا اس لحاظ سے یہاں وکیل دو طرح کے ہوں گے۔ (١) وکیل بیع (٢) وکیل شراء۔

وکیل بیع اور اس کی شرائط

وکیل بیع سے مراد وہ وکیل ہے جسے اشیاء کی فروخت کے لیے مقرر کیا جائے۔ وکیل بیع مقرر کرنے کے لیے مندرجہ ذیل شرائط ملحوظ نظر رکھنا ضروری ہیں۔

i۔ موکل فیہ کا علم ہونا

وکیل بیع مقرر ہونے کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ جس چیز کی فروخت کے لیے وکیل مقرر کیا جائے اس کے متعلق اسے اچھی طرح علم ہونا چاہیے تاکہ موکل کی ہدایات پر پوری طرح عمل کیا جا سکے۔ اگر وکیل موکل فیہ کے متعلق کلیتاً" علم نہ رکھے تو وکالت باطل ہوگی۔ بشرطیکہ موکل وکیل کو وکالت خاصہ تفویض کرے جیسے موکل وکیل سے کہے کہ میرے لیے فلاں جانور خریدو۔ اگر وکیل اس جانور کے متعلق کچھ علم نہ رکھے تو وکالت باطل ہو جائے گی البتہ اگر وکیل کو وکالت عامہ حاصل ہو تو پھر کسی ایک چیز کے علم نہ ہونے کے باوجود وکالت درست ہوگی۔(۷۲)

ii۔ وکیل مشتری کا قریبی رشتہ دار نہ ہو

وکیل بیع کے لیے ثانی شرط یہ ہے کہ موکل فیہ جس شخص کو فروخت کرنا ہے وہ وکیل کا قریبی رشتہ دار نہ ہو۔ اس سے مراد وہ رشتہ دار ہے جس کی گواہی اس کے حق میں درست نہ ہو۔ جیسے باپ' بیٹا' بیوی اور شوہر وغیرہ اس لیے کہ مواضع تہمت وکالت سے مستثنیٰ ہیں۔ اور یہ بھی ایک تہمت کا مقام ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح ان لوگوں کی گواہی ان کے حق میں قابل قبول نہیں اس طرح ان کے منافع بھی باہم متصل ہیں لہٰذا ایک لحاظ سے انہیں فروخت کرنا اپنے ہاتھ فروخت کرنے کے مترادف ہے جو کہ جائز نہیں۔(۷۳)

صاحبینؒ کے نزدیک وکیل کے قریبی عزیز بھی اس شے کو خرید سکتے ہیں بشرطیکہ اس کی قیمت وہی ہو جو عام بازار کی قیمت ہو۔ کیونکہ توکیل مطلق ہر شی کو شامل ہوتی ہے اور تہمت کا مقام اس لیے نہیں ہوتا کہ قریبی عزیز ہونے کے باوجود ہر ایک کی ملکیت جدا ہوتی ہے اور کسی کو دوسرے کی ملک سے شرعی طریقے کے بغیر فائدہ حاصل کرنے کا حق نہیں۔(۷۴) اسی لیے مغنی المحتاج میں ہے۔

وکیل اس چیز کو اپنے بالغ بیٹے اور اپنے باپ کے لیے خرید سکتا ہے۔ البتہ وہ بیٹا جس کی الگ ملکیت نہ ہو اس کے لیے وکیل اس چیز کو نہیں خرید سکتا۔ اس لیے کہ وکیل اپنے چھوٹے بچے کو مبیع فروخت نہیں کر سکتا۔ اگر موکل وکیل کو وہ چیز اس کے قریبی عزیز یا رشتہ دار کو فروخت کرنے کی اجازت دے دے تو بالاتفاق جائز ہے۔(۷۵)

علامہ المرادوی (م ۸۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ

"لایجوز للوکیل فی البیع ان یبیع لنفسہ"(۷۶)

وکیل کے لیے یہ جائز نہیں کہ موکل کی کوئی چیز اپنے لیے خرید سکے اس لیے کہ انسان طبعاً سستی و ارزاں چیز خریدنا چاہتا ہے اور موکل کی غرض اس چیز کو مہنگے داموں فروخت کرنا ہوتی ہے چونکہ دونوں اغراض ایک دوسرے کے متضاد ہیں لہٰذا وکیل بیع موکل فیہ کو خود نہیں خرید سکتا۔(۷۷)

دوسری وجہ یہ ہے کہ ایک شخص ایک ہی وقت میں بائع اور مشتری نہیں بن سکتا۔(۷۸) امام مالک کے نزدیک اگر وکیل عام قیمت سے زیادہ کی پیش کش کرے تو خود بھی خرید سکتا ہے۔(۷۹)

علامہ جزیری فرماتے ہیں کہ قریبی عزیز اور خود خریدنے کا علاوہ وکیل ایسے شخص کو بھی وہ چیز فروخت نہیں کر سکتا جو صغر سنی' دیوانگی اور بے عقلی کی وجہ سے معاملات کے لیے نااہل قرار دے دیا گیا ہو۔(۸۰)

(iii) وکالت کا تعلق بیع فاسد سے نہ ہو

وکیل بیع کی تقرری کے لیے تیسری شرط یہ ہے کہ عقد وکالت کا تعلق بیع فاسد(۸۱) سے نہ ہو۔ المہذب میں ہے۔

"وان وکل فی بیع فاسد لم یملک الفاسد لان الشرع لم یاذن فیہ ولا یملک الصحیح لان الموکل لم یاذن فیہ"(۸۲)

اگر موکل نے بیع فاسد میں وکیل مقرر کیا تو وہ بیع فاسد کا مالک نہیں ہو گا۔ کیونکہ شریعت نے بیع فاسد کی اجازت نہیں دی اور نہ ہی وہ بیع صحیح کا مالک ہو گا۔ کیونکہ موکل نے اسے بیع صحیح کی اجازت نہیں دی۔ علامہ ابن قدامہ بھی المغنی میں فرماتے ہیں۔

"ان وکلہ فی عقد فاسد لم یملکہ لان اللّٰہ تعالیٰ لم یاذن فیہ ولان الموکل لایملکہ فالوکیل اولی ولایملکہ الصحیح"(۸۳)

اگر کسی کو عقد فاسد میں وکیل مقرر کیا تو وہ اس کا مالک نہیں ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت نہیں دی اور جب موکل ہی اس کا مالک نہیں تو وکیل بدرجہ اولیٰ اس کا مالک نہیں ہو گا۔

امام محمدؒ کے نزدیک بھی بیع فاسد کے وکیل کو وکالت صحیحہ کا اختیار نہیں ہوتا کیونکہ بیع فاسد خود جائز کے حکم میں نہیں ہے اور بیع صحیح جائز کے حکم میں ہے۔ چونکہ یہ دونوں ایک دوسرے سے مختلف

ہیں لہٰذا ایک کے لیے توکیل دوسرے کے لیے درست نہیں ہوگی۔ جب کہ شیخین کے نزدیک بیع فاسد کے وکیل کو بیع صحیح کا اختیار ہوتا ہے اس لیے کہ جب کسی شخص کو ادنیٰ کے لیے وکالت دی جائے تو اس سے بہتر کے لیے وکیل ہوتا ہے۔ لہٰذا وکیل بیع فاسد کو بیع صحیح کا اختیار ہوگا۔(۸۴)

احکام

فقہاء کرام نے وکالت بیع کے ضمن میں درج ذیل احکام بیان فرمائے ہیں۔

۱۔ موکل نے وکیل بیع مقرر کیا۔ کیا وکیل موکل کی طرف سے موکل فیہ کی مقررہ قیمت سے کم و بیش پر فروخت کر سکتا ہے یا نہیں۔ اس کے متعلق صاحب ہدایہ نے امام ابو حنیفہؒ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

"الوکیل بالبیع یجوزبیعہ بالقلیل و الکثیر والعرض عند ابی حنیفہ وقالا لایجوز بیعہ بنقصان لایتغابن الناس"(۸۵)

وکیل کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ موکل کی کسی چیز کو اس کی طرف سے مقرر کردہ قیمت سے کم و بیش میں فروخت کرے۔ کمی کی صورت میں اگرچہ غبن فاحش (یعنی انتہائی کم قیمت پر چیز کو فروخت کرنا) ہو یا زیادہ کی صورت میں مرابحہ ہو۔ اس لیے کہ بیع مطلق توکیل ہے اور یہ غیر مواضع تہم پر بھی مطلق رہے گی۔ نیز مطلق حکم وکالت اس وکالت کے ساتھ مقید ہوتا ہے جو متعارف ہو اور مطلق وکالت اس متعارف اور محدود وقت کے لیے ہوگی۔

یہ بات مسلمہ ہے کہ مطلق حکم عرف اور رواج کے ساتھ مقید ہوتا ہے۔ لیکن بعض حالتوں میں استثناء بھی ہوتا ہے جیسے موکل کو رقم کی شدید ضرورت ہو یا وہ اپنا سامان طویل عرصے سے فروخت نہ ہونے کے باعث بیزار ہو گیا ہو تو عرفی و رواجی قیمت کی بجائے زیادہ خسارے میں بھی وکیل فروخت کر سکتا ہے۔(۸۶)

اسی طرح کسی موکل نے قربانی کا جانور فروخت کرنے کے لیے کسی کو وکیل مقرر کیا تو اس کی وکالت ایام تشریق(۸۷) تک رہے گی لہٰذا وہ وکیل اس جانور کو کم قیمت پر بھی فروخت کر دے تو جائز ہوگا۔(۸۸)

علامہ کاسانی فرماتے ہیں کہ توکیل مطلق میں مروجہ بیع کے ضمن میں عرف کی رعایت ہوگی(۸۹) اگر موکل کو رقم کی اشد ضرورت ہو تو غبن فاحش پر بھی موکل فیہ کو فروخت کرنا معمول بھی ہے اور جائز بھی۔ جیسے کوئلہ سردیوں میں مہنگا اور گرمیوں کی آمد پر ارزاں ہو جاتا ہے۔ یا قربانی کا جانور

آخری ایام تشریق میں سستا ہو جاتا ہے۔ البتہ بلاوجہ بیع کو کم قیمت پر فروخت کرنا جائز نہیں۔(۹۰)

بعض فقہاء کے نزدیک بیع کی مطلق وکالت میں اگر مثلی قیمت پر فروخت کرنے کا لفظی قرنیہ موجود ہو تو وکیل کم قیمت یا نقصان پر موکل فیہ کو فروخت کرنے کا مجاز ہے۔

جیسے موکل نے کہا ہو کہ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں اس چیز کو خود فروخت کروں تو کہیں نقصان نہ کر بیٹھوں لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ تم اپنی رائے سے اس چیز کو فروخت کرو تاکہ میرے مال کی حفاظت ہو سکے یا موکل نے وکیل کو اپنا سامان فروخت کرنے کو کہا وکیل نے پوچھا اسے کتنے میں فروخت کروں تو اس نے کہا تم ہی اس سامان اور اس کی قیمت سے زیادہ باخبر ہو۔ ان دونوں صورتوں میں وکیل بازار کی معروف قیمت سے کم پر فروخت نہیں کر سکتا۔(۹۱)

صاحبین اور امام شافعی کے نزدیک موکل فیہ کو غبن فاحش یا اتنی کم قیمت پر فروخت کرنا وکیل کے لیے درست نہیں جسے برداشت نہ کیا جائے۔ کیونکہ غبن فاحش ایک طرح کا ہبہ ہوتا ہے۔ اور ایک طرح سے بیع۔ غبن فاحش سے چیز فروخت کر کے وکیل مشتری کو وہ چیز ہبہ کرتا ہے جس کی موکل نے اجازت نہیں دی ہوتی۔ موکل نے صرف بیع کی اجازت دی ہوتی ہے۔ لہٰذا وکیل کا موکل فیہ کو اتنی کم قیمت پر فروخت کرنا جائز نہیں جسے برداشت نہ کیا جائے۔(۹۲)

سید سابق نے لکھا ہے کہ فقہاء احناف اور شوافع اس بات کے قائل ہیں کہ جس طرح وکیل کو مقررہ قیمت سے کم پر فروخت کرنا جائز ہے اسی طرح مقررہ قیمت سے زائد قیمت پر فروخت کرنا بھی جائز ہے جیسے موکل نے کسی چیز کو ۵۰۰ روپے میں فروخت کرنے کے لیے وکیل مقرر کیا لیکن وکیل اس چیز کو ۷۰۰ روپے میں فروخت کر دے۔(۹۳) موکل فیہ کو مطلوبہ قیمت سے کم و بیش پر فروخت کرنے کا جواز ان احادیث سے ثابت ہے۔ جو حضرت حکیم بن حزامؓ اور حضرت عروہ بن الجعد البارقیؓ سے مروی ہیں۔

حضرت حکیم بن حزامؓ کو رسول اکرم ﷺ نے ایک دینار(۹۴) سے قربانی کا جانور خریدنے کا حکم فرمایا۔ آپ نے ایک دینار کے عوض ایک جانور خریدا پھر اسے دو دینار میں فروخت کر دیا۔ ان میں سے ایک دینار سے قربانی کا جانور خریدا۔ اس کے بعد قربانی کا جانور اور ایک درہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے اس درھم کو صدقہ کر دیا۔(۹۵)

دوسری حدیث حضرت عروہ بن الجعدؓ سے مروی ہے کہ آپ کو بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دینار سے قربانی کا ایک جانور خریدنے کا حکم فرمایا۔ آپ نے ایک دینار کے عوض دو

بکریاں خرید لیں ان میں سے ایک بکری کو آپ نے ایک دینار میں فروخت کر دیا پھر آپ ایک دینار اور ایک بکری لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔(۹۶)

علامہ ابن حزم کے نزدیک وکیل کا موکل فیہ کو مقررہ قیمت سے کم یا زیادہ پر فروخت کرنا جائز نہیں۔ آپ ان احادیث کو منقطع(۹۷) قرار دیتے ہیں اس لیے ان سے آپ استدلال نہیں کرتے۔(۹۸)

شارح مجلّہ کے نزدیک اگر موکل نے موکل فیہ کی قیمت مقرر کر دی ہے تو اب اس سے کم قیمت پر وکیل فروخت نہیں کر سکتا اگر وکیل نے وہ چیز کم قیمت پر فروخت کر دی تو بیع منعقد ہو جائے گی لیکن موکل کی اجازت پر موقوف رہے گی۔ کیونکہ یہ اصول ہے کہ وکیل بیع اگر اپنے موکل کے خلاف کرے تو بیع نافذ نہیں ہوتی بلکہ موکل کی اجازت پر موقوف ہوتی ہے۔ وکیل نے اگر موکل کی خلاف ورزی کر کے بیع کی اور فروخت کردہ مال مشتری کے سپرد کر دیا پھر مشتری کے قبضے میں وہ ہلاک ہو گیا تو وکیل کو اس مال کی معروف قیمت کے مطابق تاوان ادا کرنا ہو گا کیونکہ موکل کی خلاف ورزی سے وہ غاصب بن گیا۔(۹۹)

جیسے موکل نے اگر وکیل کو حکم دیا کہ وہ اس کی سائیکل ایک ہزار روپے میں فروخت کر دے لیکن وکیل نے وہ سائیکل پانچ سو روپے میں فروخت کر دی حالانکہ بازار میں بھی اس کا نرخ ایک ہزار روپے تھا اور مشتری نے اس سائیکل پر قبضہ کر لیا پھر مشتری سے وہ سائیکل ضائع ہو گئی تو مالک کو اختیار ہو گا چاہے تو وکیل سے اور چاہے مشتری سے تاوان وصول کرے۔(۱۰۰)

۲۔ موکل نے وکیل کو کسی چیز کی فروخت پر وکیل بیع مقرر کیا تو اب کیا وہ چیز اپنی اولاد یا خود اپنے لیے خرید سکتا ہے تو اس بارے میں خالد الاتاسی نے کہا ہے کہ وکیل بیع اپنے موکل کا مال خود اپنے لیے نہیں خرید سکتا اور اسی طرح اپنے نابالغ بچے کے لیے بھی نہیں خرید سکتا اگرچہ موکل نے اسے اس کی صریحاً" اجازت بھی دی ہو۔ اور یوں کہا ہو کہ تم جس کے ہاتھ چاہو اس چیز کو فروخت کر دو یا موکل نے بعد میں وکیل کو خریدنے کی اجازت دے دی ہو اس لیے کہ خرید و فروخت جیسے معاملات میں ایک شخص جانبین (بائع و مشتری) کی نمائندگی نہیں کر سکتا اور نہ ہی ایک وقت میں ایک ہی شے میں بائع اور مشتری بن سکتا ہے۔(۱۰۱)

اپنی بالغ اولاد' بیوی یا وہ رشتہ دار جن کی گواہی اس کے حق میں جائز نہیں ان کے ہاتھ فروخت کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ متعارف قیمت سے زائد پر فروخت کرے لیکن اگر موکل نے وکالت عامہ

دی ہو اور یہ کہا ہو کہ جس کے ہاتھ چاہو فروخت کر دو تو اس وقت ان کو متعارف قیمت پر بھی فروخت کر سکتا ہے۔(۱۰۲)

۳۔ اگر موکل نے وکیل کو کوئی چیز فروخت کرنے کو کہا اور موکل نے وہ چیز نصف فروخت کر دی تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وکیل کا یہ اقدام درست ہو گا۔ بشرطیکہ وکیل نے اسے مطلقاً اس چیز کو فروخت کرنے کے متعلق کہا ہو۔ ہدایہ اور البحرالرائق میں ہے۔

"ولو وكل ببيع فباع نصفه صح"(۱۰۳)

یعنی اگر وکیل نے مبیع کو نصف فروخت کر دیا تو بھی جائز ہے۔

صاحبینؒ کے نزدیک وکیل کو مبیع اکٹھا ہی فروخت کرنا چاہیے۔ آدھی چیز فروخت کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس سے موکل کو ضرر اور نقصان کا اندیشہ ہے جیسے موکل نے ایک قطعہ زمین فروخت کرنے کے لیے وکیل مقرر کیا وکیل نے اس میں سے نصف زمین فروخت کر دی۔ نصف فروخت کرنے سے یہ اندیشہ ہے کہ دوسرا قطعہ زمین اس لیے فروخت نہ ہو سکے کہ اس میں مشتری نے کوئی ایسا کام شروع کر دیا ہو جو دوسروں کے لیے ناپسندیدہ ہو یا کسی خطرے کا باعث ہو۔ جیسے مرغی خانہ' چمڑا رنگنے کا کام یا کیمیکل کی خرید و فروخت وغیرہ اس سے دوسرے قطعہ کی قیمت میں کمی یا فروخت میں تاخیر واقع ہو سکتی ہے۔ البتہ اگر کسی چیز کے نصف اول کے فروخت کرنے سے کسی قسم کا اندیشہ نہ ہو تو نصف فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں جیسے اگر کسی نے چالیس کلوگرام گندم یا چاول فروخت کرنے کے لیے وکیل کیا اب اگر یہ وکیل بیس کلوگرام چاول فروخت کر دے گا تو جائز ہے کیونکہ اس کی تنصیف سے موکل کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں ہو گا۔(۱۰۴)

مجلّہ میں ہے کہ وہ شے جس کی تبعیض کرنے میں ضرر ہوتا ہے جیسے مکان یا سوٹ کا کپڑا وغیرہ تو اس صورت میں وکیل کے لیے جائز نہیں کہ اس کے بعض حصے کو فروخت کر دے البتہ وہ اشیاء جس کی تبعیض میں ضرر نہ ہو جیسے اناج وغیرہ تو اس کے بعض حصے کی بیع جائز ہے۔(۱۰۵)

جس شے کی تبعیض میں ضرر ہوتا ہے اس کے بعض حصے کو فروخت کرنے کے بعد اگر وکیل موکل کی مخاصمت سے پہلے باقی حصے کو فروخت کر دے تو بیع جائز ہو جائے گی ورنہ باطل۔ اس لیے کہ اس صورت میں ضرر شرکت بنتا ہے یا قیمت میں کمی واقع ہوتی ہے لہٰذا مطلق وکالت میں یہ صورتیں شامل نہ ہوں گی۔

اگر موکل نے وکیل کو ایک گٹھڑی فروخت کرنے کے لیے دی تو وکیل نے علیحدہ علیحدہ کپڑے

فروخت کیے یہاں تک کہ تمام کپڑے فروخت ہو گئے۔ اگر حاصل شدہ قیمت اتنی ہو جتنی اکھٹے فروخت کرنے کی تھی یا تھوڑی سی کم بھی ہو تو بیع بالاتفاق جائز ہو گی۔ اگر اس تبعیض سے ناقابل ادا قیمت میں کمی ہو تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز اور صاحبینؒ کے نزدیک ناجائز ہو گی۔ اگر اس گٹھڑی سے صرف ایک کپڑا فروخت کیا تو بھی امام صاحب کے نزدیک جائز ہے خواہ باقی گٹھڑی کی قیمت میں جتنی بھی کمی آئی ہو۔ جب کہ صاحبین کے نزدیک اگر باقی کپڑوں کو نقصان نہ پہنچا ہو یا قابل برداشت حد تک کمی آئی ہو تو جائز بصورت دیگر ناجائز ہو گی۔(۱۰۶)

۴۔ موکل وکیل کو مبیع کی کس وقت قیمت ادا کرے۔ اس بارے میں مجلہ میں ہے۔ **"لایجبر الوکیل بالبیع علی اداء الثمن المال الذی باعہ من مالہ اذا لم یاخذ ثمنہ من المشتری"**(۱۰۷)

وکیل بالبیع جب تک مشتری سے قیمت وصول نہ کرلے تو اس کو اس پر مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ موکل کو مبیع کی قیمت ادا کرے۔ اگر فروخت کردہ شے کی قیمت پر موکل نے قبضہ کر لیا تو صحیح ہے اگرچہ وکیل کا حق ہے لیکن شرط یہ ہے کہ بیع صَرف(۱۰۸) نہ ہو۔ اگر موکل نے مشتری سے قیمت کا مطالبہ کیا ہو تو مشتری کو حق حاصل ہے کہ وہ موکل کو قیمت نہ دے کیونکہ موکل عقد اور اس کے حقوق سے غیر عاقد ہونے کی بنا پر غیر متعلق ہے لیکن اگر مشتری موکل کو قیمت ادا کر دے تو یہ بھی جائز ہو گا۔ کیونکہ قبضہ میں لی ہوئی چیز کی قیمت بہرحال موکل ہی کا حق ہے جو اسے پہنچ گیا اور اس میں کوئی فائدہ نہیں کہ موکل سے وہ قیمت واپس لے کر پھر اسے لوٹا دی جائے۔ اس لیے اگر مشتری کا موکل پر قرض ہو تو بھی برابر ہو جائے گا۔ اگر وکیل پر مشتری کا قرضہ ہو۔ تو اس صورت میں بھی مقاصہ یعنی برابر ہو گا۔ البتہ اس صورت میں وکیل موکل کو تاوان دے گا۔ لیکن اگر وکیل کے قبضہ کے دوران قابل فروخت شے ہلاک ہو گئی اور مشتری کے سپرد نہ کی گئی تو مقاصہ بھی باطل ہو جائے گا اور وکیل موکل کو تاوان بھی ادا نہیں کرے گا کیونکہ بیع اصل سے تھی اور وہ ہلاک ہو گئی لہٰذا بیع فسخ ہو گئی۔

اگر وکیل مشتری سے بیع صَرف کرے تو موکل کا عوض مقابلہ پر قبضہ کرنا درست نہیں کیونکہ بیع صرف مجلس عقد میں عوضین پر قبضہ کرنے سے جائز ہوتی ہے لہٰذا اس میں قبضہ بمنزل ایجاب و قبول کے ہوتا ہے اس لیے جب حق قبول وکیل کے لیے ثابت ہو تو موکل کے قبول کرنے سے بیع جائز نہیں ہو گی ایسے ہی جب وکیل کے لیے قبضہ ہو تو موکل کے قبضہ کرنے سے بیع صرف نہیں ہو گی۔(۱۰۹)

اگر وکیل بلا اجرت ہو تو وہ فروخت کی ہوئی شے کی قیمت وصول کرنے پر مجبور نہیں ہوتا البتہ اس پر یہ لازم ہوتا ہے کہ وہ اپنے موکل کو قیمت کی وصولی کے لیے اپنی رضا مندی سے وکیل مقرر

کرے۔ اگر وکیل اجرت پر ہو تو وہ مشتری سے قیمت وصول کرنے کا پابند ہو گا۔(۱۱۰)

۵۔ خیار شرط سے مراد یہ ہے کہ بائع اور مشتری کسی چیز کی فروخت یا خریداری کو اس جائز شرط سے معلق کر دیں جس سے اس معاہدہ بیع کو اس شرط کے پورا ہونے کے بعد باقی رکھنے یا توڑنے کا انہیں اختیار ہو۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک خیار شرط کی مدت تین یوم ہے جب کہ صاحبین کے نزدیک فریقین کی طرف سے باہمی مقررہ مدت تک ہے۔(۱۱۱)

اگر بائع کہے کہ میں یہ مال اتنے مال پر فروخت کرتا ہوں بشرطیکہ میرا موکل اس پر رضامند ہو۔ تو ایسا کرنا وکیل کے لیے جائز ہے۔ چنانچہ المھذب میں ہے۔

لا یجوز للوکیل فی البیع ان یشترط الخیار المشتری من غیر اذن"(۱۱۲)

موکل کی اجازت کی بغیر وکیل مشتری کو خیار شرط نہیں دے سکتا۔

علامہ کاسانی بھی فرماتے ہیں کہ اگر موکل نے وکیل سے کہا کہ فلاں چیز کی فروخت میں خیار شرط دے اور وکیل نے مشتری کو خیار شرط نہ دیا تو بیع نہ ہو گی۔(۱۱۳)

خالد اتاسی نے لکھا ہے کہ موکل جب وکیل بالبیع پر ایسی شرط عائد کرے جو ہر اعتبار سے مفید ہو تو خواہ موکل نے نفی کے ساتھ اس شرط کی تاکید کی ہو یا نہ کی ہو۔ ہر حال میں اس شرط کی رعایت کرنا واجب ہوتا ہے جیسے موکل نے کہا کہ اس شے کو خیار شرط کے ساتھ فروخت کرنا تو وکیل پر ضروری ہو گا کہ وہ خیار شرط کے ساتھ بیع کرے اگر اس نے خیار شرط کے علاوہ بیع کی تو یہ بیع جائز نہ ہو گی۔(۱۱۴)

اگر موکل نے وکیل پر ایسی شرط عائد کی جو مفید ہونے کی بجائے مضر ہو تو اس شرط کو پورا کرنا وکیل کے لیے ضروری نہیں خواہ موکل نے نفی کے ساتھ تاکید کی ہو یا نہ کی ہو۔ جیسے موکل نے کہا ہو۔ کہ اس شے کو ایک ہزار روپے ادھار پر فروخت کر دینا یا کہا کہ ہزار پر ادھار کے علاوہ کسی صورت میں فروخت نہ کرنا اور وکیل نے اس شے کو نقد ہزار روپے پر فروخت کر دیا تو یہ بیع موکل کے لیے جائز ہو گی۔

موکل نے اگر وکیل پر ایسی شرط عائد کی جو ایک اعتبار سے مفید ہو اور دوسرے اعتبار سے غیر مفید۔ تو اگر موکل نے نفی کے ساتھ تاکید کی ہو تو شرط کی رعایت واجب ہو گی ورنہ نہیں جیسے موکل نے وکیل سے کہا کہ یہ شے فلاں بازار میں فروخت کرنا لیکن وکیل نے اس چیز کو کسی دوسرے بازار میں فروخت کر دیا تو اگر موکل نے نفی کے ساتھ تاکید نہیں کی تو بیع موکل پر لازم ہو گی اور اگر اس نے نفی

کے ساتھ تاکید کی تو بیع موکل پر لازم نہیں ہوگی۔(۱۱۵)

بہر حال موکل وکیل سے جو شرط بھی عائد کرے وکیل کے لیے اسے پورا کرنا ضروری ہے اگرچہ اس شرط کا تعلق خیار شرط سے ہو یا کسی اور شرط سے۔

۶۔ وکیل بیع نے مبیع کو اگر بیع فاسد کے ساتھ فروخت کیا اور مشتری سے قیمت وصول کر کے موکل کے سپرد کر دی تو وکیل کو حق ہے کہ وہ بیع کو فسخ کر دے اور موکل سے اس کی رضامندی کے بغیر بھی قیمت واپس لے کر مشتری کو واپس کر دے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ شرعی حق ہے کہ بیع فاسد کو ختم کیا جائے لہٰذا جانبین میں سے ہر ایک کو اختیار ہوگا کہ وہ دوسرے کی رضامندی کے بغیر بھی بیع کو فسخ کر سکتا ہے۔(۱۱۶)

۷۔ اگر موکل نے وکیل کو بیع مقید میں وکیل کیا تو وکیل کو اس قید کی رعایت رکھنا ہوگی۔ اگر وکیل نے ان شرائط و قیود کے خلاف کوئی کام کیا تو بیع موکل کی اجازت پر موقوف ہوگی اسے قبول کرے یا رد کر دے۔ البتہ اگر یہ قیود و شرائط وکیل کی بہتری کے لیے ہوں تو ان پر عمل کرنا ضروری ہوگا۔(۱۱۷)

۸۔ موکل نے اگر مال تجارت کی فروخت کے لیے وکیل مقرر کیا اور وکیل نے وہ مال ادھار فروخت کر دیا تو اس کا ایسا کرنا درست ہوگا۔ بشرطیکہ الفاظ توکیل میں موکل کی ضرورت کا اظہار نہ ہوتا ہو۔ اگر موکل کی بات سے اس کی ضرورت کا اظہار ہوتا ہو تو پھر وکیل ادھار فروخت نہیں کر سکتا۔ جیسے موکل وکیل سے کہے کہ یہ گندم فروخت کر دو تاکہ میں آبیانہ ادا کروں تو پھر وکیل کا ادھار فروخت کرنا ناجائز ہوگا۔(۱۱۸)

علامہ کاسانی فرماتے ہیں کہ اگر عقد وکالت بیع میں چیز نقد فروخت کرنے کی صراحت ہو اور پھر وکیل ادھار فروخت کر دے تو بیع نافذ ہی نہ ہوگی۔(۱۱۹) موکل نے اگر ادھار فروخت کرنے کی اجازت دی تو پھر کوئی مضائقہ نہیں تاہم پھر بھی عام دستور سے زیادہ مدت کے لیے ادھار نہیں ہونا چاہیے۔(۱۲۰)

ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ وکیل نے کوئی چیز ادھار فروخت کی اور موکل نے کہا کہ میں نے تو ادھار فروخت کرنے کا نہیں کہا تھا تو بیع باطل ہو جائے گی اور موکل فیہ کے تلف ہو جانے پر وکیل کو قیمت ادا کرنا ہوگی۔(۱۲۱)

علامہ ابن شحنہ کے نزدیک وکیل بیع ادھار فروخت نہیں کر سکتا بشرطیکہ اسے ادھار فروخت کرنے کی موکل نے اجازت نہ دی ہو۔(۱۲۲) اگر اس بنا پر موکل اور وکیل میں اختلاف ہو تو ابن نجیم

کے نزدیک موکل کا قول معتبر ہو گا۔(۱۲۳)

شرح المجلہ میں ہے کہ جب بیع کی وکالت مطلق ہو تو وکیل بیع نقد بھی فروخت کر سکتا ہے اور ادھار بھی۔ لیکن یہ مدت ادھار تاجروں کے درمیان متعارف مدت پر ہونی چاہیے۔ اس سے زائد نہیں۔ یہ قول امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کا ہے جب کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وکالت کے مطلق ہونے کی صورت میں وکیل کسی بھی مدت کے ادھار پر مبیع کو فروخت کر سکتا ہے۔

اگر موکل نے نقد فروخت کرنے کا ذکر کر دیا ہو اگرچہ یہ ذکر صراحتاً ہو یا **دلالتاً** تو پھر وکیل کو ادھار فروخت کرنے کا اختیار نہیں ہو گا۔ صراحتاً ذکر کی مثال یہ ہے۔

موکل وکیل سے کہے کہ یہ مال نقد فروخت کرو۔ **دلالتاً** ذکر کی چند مثالیں یہ ہیں۔

موکل کہے کہ میرا یہ مال فروخت کر کے میرا قرض ادا کرو۔ یا یوں کہے کہ یہ مال فروخت کرو کیونکہ قرض خواہ میرے پیچھے لگے ہوئے ہیں یا مجھے گھر کے اخراجات پورا کرنے کے لیے رقم کی ضرورت ہے لہٰذا میرا مال فروخت کر دو۔ اسی طرح کسی غریب شخص کا اپنا مال فروخت کے لیے دینا بھی **دلالتاً** نقد فروخت کرنے کی دلیل ہوتا ہے۔(۱۲۴)

۹۔ وکیل بیع نے اگر موکل فیہ کو اسباب یا کسی مال کے عوض فروخت کر دیا اگرچہ معاہدہ وکالت میں اس کا ذکر نہ ہو۔ تو درست ہو گا۔ اس لیے کہ فقہ میں بیع کی تعریف ہی یہی ہے:

مبادلة مال بمال علی سبیل التملیک عن تراض(۱۲۵)

ایک مال کے عوض دوسرے مال کا کسی کو رضامندی سے مالک بنانا بیع کہلاتا ہے۔ بعض فقہاء نے بیع کی یہ تعریف بھی کی ہے۔

"مبادلة المال المتقوم تملیکا و تملکا"(۱۲۶)

مال متقوم (جائز اور قیمت والا مال) کسی کو مالک بنانے کے لیے تبادلہ کرنا بیع ہے۔ جیسے اگر کسی نے کہا کہ یہ گندم فروخت کر دو وکیل نے وہ گندم گھی کے عوض فروخت کر دی تو یہ جائز ہو گا۔(۱۲۷)

اگر موکل نے مبادلہ میں جنس مقرر کر دی ہے اور وکیل نے کسی اور جنس کے بدلے میں موکل فیہ کو فروخت کر دیا تو اب موکل کی مرضی ہے کہ اس بیع کو قبول کرے یا رد کر دے۔ جیسے موکل نے کہا کہ اس گندم کو چنے کے عوض فروخت کر دو۔ لیکن وکیل نے چنے کی بجائے چاول کے عوض فروخت کر دیا تو موکل کو اختیار ہے کہ اس بیع کو قبول کرے یا نہ کرے۔(۱۲۸)

بیع کی وکالت اگر مطلق ہو لیکن نقدی کے عوض فروخت کرنے کا لفظی قرینہ ہو تو وکیل کو

سامان کے عوض فروخت کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔(۱۲۹)

۱۰۔ وکیل بیع نے اگر موکل فیہ کی قیمت کے عوض رہن رکھ لیا تو بھی جائز ہوگا۔ مجلّہ میں ہے کہ موکل کا جو مال وکیل نے فروخت کیا ہو اس کی قیمت کے مقابلے میں مشتری سے رہن بھی لے کر رکھ سکتا ہے اور کفیل و ضامن بھی(۱۳۰)

رہن سے مراد ہے کسی شے کو جو شرعاً" مالیت رکھتی ہو حصول قرض کے لیے وثیقہ یعنی پختہ ضمانت بنانا تاکہ اس شے کے اعتماد پر قرض کا حاصل کرنا ممکن ہو۔(۱۳۱)

اگر وکیل نے مذکورہ صورت میں کسی چیز کو رہن رکھا لیکن وہ مرھونہ شے وکیل کے پاس ہلاک ہوگئی یا جس نے ادائیگی رقم کی ضمانت دی تو وہ کفیل مفلس ہوگیا تو وکیل پر تاوان نہیں آئے گا۔(۱۳۲)

اس کی وجہ یہ ہے کہ بیع و شراء میں حقوق اصلاً" عقد کرنے والے کو حاصل ہوتے ہیں اور یہاں عقد کرنے والا وکیل ہے لہٰذا **اصالۃً** حقوق اسی کو حاصل ہوں گے اور حقوق میں سے قیمت پر قبضہ کرنا بھی ہے اور کفالت و رہن قیمت کی وصولی کو مضبوط اور پکا کرتے ہیں لہٰذا وکیل کو ان کا حق بھی شرعاً" حاصل ہوگا۔ چونکہ جواز شرعی تاوان کے منافی ہوتا ہے لہٰذا شے مرھونہ کے ہلاک ہونے پر وکیل پر تاوان نہیں آئے گا۔(۱۳۳)

۱۱۔ اگر وکیل بیع نے اقالہ کر لیا یعنی بیع توڑ کر مبیع واپس لے لیا اور قیمت ادا کر دی تو یہ بھی جائز ہوگا۔ اگرچہ موکل نے وکیل کو اس کی باقاعدہ اجازت نہ دی ہو۔ نیز اگرچہ اس نے مشتری سے پہلے قیمت وصول کی ہو یا نہ کی ہو۔ یہ اقالہ موکل کے حق میں نافذ نہیں ہوگا۔ اگر رقم یا مبیع کو کچھ ہو جائے تو وکیل موکل کو اتنی رقم کا تاوان ادا کرے گا جس رقم پر بیع ہوئی تھی۔(۱۳۴)

فتاوی ہندیہ میں ہے کہ طرفین کے نزدیک وکیل کا بیع سے اقالہ کرنا جائز ہے لیکن وہ ثمن کی ادائیگی کا ضامن ہوگا۔(۱۳۵)

۱۲۔ اگر وکیل بیع نے کسی چیز کو فروخت کرنے کے لیے وکیل ثانی مقرر کر لیا تو امام کاسانی کے نزدیک اگر وکیل نے موکل کی اجازت کے بغیر ایسا کیا تو جائز نہ ہوگا۔ البتہ اگر موکل نے اجازت دے دی ہو تو وکیل وکیل ثانی مقرر کر سکتا ہے۔(۱۳۶)

۱۳۔ موکل نے اگر ایک چیز کی فروخت کے لیے دو وکیل مقرر کیے تو اس کے متعلق المختصر لقدوری میں ہے۔

معاہدہ بیع کیا لیا) کو راس المال (پیشگی قیمت) ادا کرے لیکن مسلم الیہ کے لیے یہ جائز نہیں کہ راس المال وصول کرنے کے لیے کسی کو اپنا وکیل بنائے اس لیے کہ راس المال وصول کرتے ہی وکیل مال

ملکیت متصور ہو گا اور جس چیز کا سودا ہوا ہے۔ وہ اس کے ذمہ واجب الادا رہے گا۔ غرض راس المال اگر وکیل کے حوالہ کر دیا جائے تو وہ اس کے ذمہ قرض ہوتا ہے۔ پہلی صورت میں یہ جائز ہے کیونکہ اگر خریدار نے کسی شخص کو اپنی طرف سے راس المال کی ادائیگی کے لیے وکیل مقرر کیا تو اسے لازم ہے کہ اسی وقت فروخت کنندہ کے حوالے کر دے۔ اگر ادائے رقم سے پہلے مسلم الیہ سے جدا ہو جائے اور اگر موکل سے قیمت وصول کر کے فروخت کنندہ سے جدا ہو گیا تو یہ معاملہ عقد بیع سلم باطل ہو جائے گا۔

اگر موکل موجود ہو اور مال دینے سے پہلے ہی وکیل چلا جائے تو کیا وہ عقد سلم باطل ہو جائے گا یا نہیں اس بارے میں دو آراء ہیں۔

(i) بعض اصحاب کے نزدیک وکیل نائب کی حیثیت میں ہوتا ہے اگر اصل شخص موجود ہو تو نائب کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔

(ii) بعض کے نزدیک وکیل اصل معاملہ میں نائب ہوتا ہے لیکن عملدرآمد میں اس کے وہی حقوق ہوتے ہیں جو اصل شخص کے ہیں لہٰذا موکل کا موجود ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا جب کہ اس کا وکیل موجود ہو۔(۱۴۶)

احکام توکیل شراء

شراء کا لفظ کسی چیز کے خریدنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ انگریزی میں اسے "Buying اور Purchasing" کہا جاتا ہے۔ وکیل شرا سے مراد وہ وکیل ہے جسے موکل کسی چیز کو خریدنے کے لیے مقرر کرتا ہے۔ اس وکالت کی دو قسمیں ہیں۔

ا۔ وکالت عامہ

شراء میں وکالت عامہ سے مراد یہ ہے کہ موکل وکیل سے کہے کہ تمہاری جو رائے ہو وہ میرے لیے خریدلو۔ یہ وکالت درست ہے۔ کیونکہ موکل نے معاملہ کو وکیل کی رائے پر تفویض کیا ہے لہٰذا وکیل جو شے بھی خریدے گا اس میں امر پایا جائے گا۔ یہی حکم اس وقت بھی ہے جب موکل کہے کہ میرے لیے دس ہزار روپے کے کپڑے یا جانور یا اشیاء خریدو یا جو تو چاہے یا جو تیری رائے میں ہو یا جس کا اتفاق ہو خریدلو۔

اگر موکل نے فقط اتنا کہا کہ اس رقم سے میرے لیے خریداری کرلو تو از روئے استحسان یہ وکالت عامہ بھی صحیح ہے کیونکہ اس میں بھی تفویض عام ہے اور یہ جہالت بھی جائز ہے۔ گویا موکل نے یوں کہا "**اشتر ماشئت ومارایت**"(۱۴۷) تو میرے لیے جو چاہے یا جو تیری رائے میں ہو خرید۔

۲۔ وکالت خاصہ

شراء میں وکالت خاصہ سے مراد یہ ہے کہ موکل وکیل سے یوں کہے۔ "**اشتر لی ثوبا اشترلی غنما او اشترلی دارا**"(۱۴۸) تو میرے لیے کپڑا یا بکری یا گھر خرید لے۔

وکالت خاصہ کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ موکل فیہ کے بارے اتنی وضاحت ہو کہ اس کا پورا کرنا وکیل کے لیے ممکن ہو۔ جیسے اگر موکل فیہ کی جنس معلوم ہو لیکن اس کی جنس کا بیان کافی نہ ہو۔ بایں طور کہ اس کی انواع متعدد ہوں تو ضروری ہے کہ اس کی خاص نوع کا ذکر کیا جائے یا اس کی قیمت بتا دی جائے جس سے نوع کا تعین ہو سکے۔ اگر جنس کا علم نہ ہو یا جنس کا بیان ایسا ہو جس سے نوع کا تعین نہ ہو سکے تو وکالت صحیح نہیں ہوگی۔

حاصل یہ کہ جہالت اور لاعلمی اگر ایسی ہو جو امتثال امر سے مانع ہو اور جہالت کا تدارک نہ کیا

جا سکتا ہو تو وکالت صحیح نہیں ہو گی اور نہ ہی وکالت قائم ہو گی۔

فقہاء نے اس جہالت کی مندرجہ ذیل تین قسمیں بیان کی ہیں۔

۱۔ جہالت کثیرہ (فاحشہ)

جہالت کثیرہ سے مراد موکل فیہ کی جنس کا علم نہ ہونا ہے جیسے قربانی کے موقع پر موکل اپنے وکیل سے یوں کہے کہ میرے لیے ایک جانور خرید لاؤ۔ اب معلوم نہیں کہ موکل کی مراد بکرا ہے یا مینڈھا، گائے ہے یا اونٹ۔ اسی طرح اگر موکل نے کہا کہ میرے لیے کپڑا خریدو۔ اب معلوم نہیں کہ سوتی کپڑا ہے یا اونی، پہننے کے لیے ہے یا اوڑھنے کے لیے، مردانہ ہے یا زنانہ وغیرہ وغیرہ۔ چونکہ اغراض و مقاصد کے اختلاف سے جنس کا اختلاف ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسی جہالت جہالت کثیرہ ہو گی۔ ایسی وکالت شراء جس میں ایسی جہالت ہو وہ درست نہیں ہو گی۔

۲۔ جہالت قلیلہ (یسیرہ)

اس جہالت سے مراد وہ جہالت ہے جو فقط نوع میں ہوتی ہے۔ یعنی نوع معلوم ہے لیکن صنف و قسم نوع معلوم نہیں جیسے موکل نے وکیل شراء سے کہا ہو کہ میرے لیے ایک گائے خریدو اس صورت میں گائے کی خاص قسم کا ذکر نہیں کیا۔ اس عورت میں اگر قیمت کا ذکر نہ ہو تو بھی وکالت شراء جائز اور منعقد ہو گی۔ کیونکہ اس جہالت سے حصول مقصود میں خلل واقع نہیں ہوتا۔ البتہ اس گائے سے مراد ایسی گائے ہو گی جو موکل کے معاشی حالات کے مناسب ہو۔ اگر موکل کی معاشی حالت متوسط ہے اور وکیل اس کے لیے پچیس ہزار کی گائے خرید لے تو وہ موکل پر لازم نہیں ہو گی۔

۳۔ جہالت متوسطہ (درمیانی)

اس جہالت کو درمیان جہالت اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں جنس کا تو علم ہوتا ہے لیکن اس جنس کے متعدد انواع ہونے کے باعث نوع کا تعین نہیں ہوتا۔ جیسے موکل نے وکیل کو مکان خریدنے کے بارے کہا ہو لیکن اس کے بارے میں مزید کوئی وضاحت نہ ہو۔ یہ جہالت بھی انعقاد وکالت میں مانع ہو گی۔ لیکن یہ جہالت نوع کا ذکر کرنے یا قیمت بیان کرنے سے دور ہو جاتی ہے۔ کیونکہ قیمت کے بیان سے نوع کا تعین ہوتا ہے اور نوع کے بیان سے قیمت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ان دو میں سے کسی ایک کے ذکر سے اگرچہ جہالت مکمل طور پر تو ختم نہیں ہوتی لیکن کم ضرور ہو جاتی ہے اور وکالت میں وکیل اس جہالت کا متحمل ہو جاتا ہے۔ اگر ان میں سے کسی کا بھی ذکر نہ ہو تو جہالت کثیرہ میں اس کا شمار

ہو گا جو وکالت کے صحیح ہونے میں مانع ہوتی ہے لہٰذا صرف نوع کا نہ بتانا جہالت متوسطہ ہو گی اور اس جہالت کی موجودگی سے بھی وکالت درست ہو گی۔(۱۴۹)

وکالت شراء کی شرائط

وکالت شراء کے انعقاد کے لیے موکل اور وکیل سے متعلق یہ دو شرائط ہیں۔

۱۔ موکل فیہ کا علم ہونا

وکالت شراء کے ضمن میں موکل کے لیے ضروری ہے کہ وہ جس چیز کو خریدنا چاہتا ہے اس کی جنس نوع اور قیمت وکیل کو بتا دے تاکہ اسے وکالت کا بنیادی مقصد معلوم ہو جائے اور اس کے مطابق حکم کی تعمیل کرے۔ اگر وکیل کو مختار عام بنا کر یہ کہا جائے کہ تیرے لیے جو مناسب ہو خرید لو تو اس وقت جنس و قیمت کا تعین ضروری نہیں اس صورت میں وکیل جو بھی خریدے گا درست ہو گا۔ اگر وکیل کو وکالت عام حاصل نہیں تو پھر موکل فیہ کی وضاحت ضروری ہے کیونکہ اگر وکیل کو کسی ایسے لفظ سے موکل فیہ کے متعلق بتایا جو متعدد جنسوں پر مشتمل ہو یا ایسی اشیاء کے متعلق بتایا جو جنس کے معنی میں ہے تو پھر توکیل درست نہ ہو گی۔(۱۵۰)

اگر موکل نے صرف ثمن یا قیمت بتائی تو بھی موکل کی اصل مراد مبہم رہے گی۔ کیونکہ اس سے کئی قسم کی چیزیں مل سکتی ہیں اسی طرح اگر موکل نے کسی ایسی جنس کی خریداری کے متعلق بتایا جو جامع انواع ہو تو بھی توکیل درست نہ ہو گی۔ لہٰذا جنس، نوع اور ثمن کے ذکر ہی سے وکالت درست ہو گی۔(۱۵۱)

اگر وکیل نے موکل کی بتائی ہوئی جنس کے خلاف کسی اور جنس کی چیز خریدی تو اگرچہ خریدی ہوئی چیز میں زیادہ نفع ہو لیکن یہ خرید موکل کے حق میں نافذ نہیں ہو گی۔ اور موکل کا دیا ہوا مال وکیل کے ذمہ باقی رہے گا۔ بعد میں موکل کی اجازت سے بھی وہ خریداری موکل کے حق میں نافذ نہیں ہو گی۔ کیونکہ وکیل کی خریداری موکل کی اجازت پر موقوف نہیں تھی بلکہ وہ وکیل کے حق میں نافذ ہو چکی تھی۔(۱۵۲)

اس کی مثال ایسی ہے جیسے موکل نے سواری کے لیے سوزوکی وین خریدنے کے لیے وکیل کو کہا لیکن وکیل نے پک اپ لوڈر خریدلی تو یہ خریداری وکیل پر لازم ہو گی موکل پر نہیں۔ کیونکہ وکیل

نے موکل فیہ کی خریداری میں جنس کے ضمن میں موکل کے حکم کی خلاف ورزی کی۔ چونکہ وین اور پک اپ کے اغراض و مقاصد استعمال جدا جدا ہیں لہٰذا دونوں کی جنسیں مختلف ہیں۔

جنس میں خلاف کرنے کی قید اس لیے لگائی گئی ہے کہ اگر وصف یا مقدار میں مخالفت ہو تو اس کا حکم یہ ہو گا کہ اگر اس میں موکل کی بہتری ہو تو خریداری موکل پر نافذ ہوتی ہے۔ جیسے موکل نے وکیل سے کہا کہ میرے لیے یہ چیز ایک ہزار روپے میں خرید اور وکیل وہ چیز نو سو روپے میں خرید لے تو اس چیز کی خریداری موکل کے حق میں لازم اور نافذ ہو گی۔

اس طرح اگر موکل نے وکیل سے کہا کہ میرے لیے کچھ کچی کھجوریں خریدو لیکن وکیل کی طرف سے تاخیر کے باعث وہ کھجوریں پک گئیں اس کے بعد وکیل نے انہیں خریدا تو اب یہ خریداری موکل کے لیے نہیں ہو گی۔ اگر کچھ یا آدھی کھجوریں کچی ہوں اور آدھی پکی تو کچی میں وکالت باقی رہے گی اور پکی میں باطل ہو جائے گی۔ اگر صرف گنتی کے دانے پکے ہوں اور باقی کچی ہوں تو کل کھجوروں میں وکالت باقی رہے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کچی اور پکی کھجوروں میں جنس کا فرق ہے۔

موکل کی طرف سے اگر جنس کے ساتھ ثمن بھی بیان کر دیا جائے تو اس سے جنس کی نوع کا اندازہ کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس صورت میں وکالت درست ہو گی۔

جیسے موکل نے کسی کو گھر یا مکان خریدنے کے لیے وکیل مقرر کیا تو اب موکل پر لازم ہے کہ وہ اس کی قیمت اور اس کے مقام و محلے کو بیان کرے اگر موکل نے عقد وکالت کے دوران اس کا ذکر نہ کیا تو وکالت درست نہ ہو گی۔(۱۵۳)

اگر موکل نے ان دو اشیاء کی خریداری کے متعلق وکیل کو اختیار دیا جن کی قیمتوں میں بہت زیادہ فرق ہو تو موکل کے لیے ضروری ہو گا کہ وہ اس کی قیمت ضرور بیان کرے یعنی وہ کہے کہ تقریباً اتنی قیمت کی وہ چیز خریدو جیسے موکل نے وکیل سے کہا کہ میرے لیے موتی یا سرخ یاقوت خریدو۔ اس صورت میں موکل پر ضروری ہے کہ وہ اس کی قیمت بیان کرے بصورت دیگر وکالت درست نہ ہو گی۔

اگر موکل کے بیان کے بغیر وکیل نے یاقوت یا موتی خرید لیے تو وہ وکیل کے ہوں گے موکل کے نہیں کیونکہ عقد وکالت ہی درست قائم نہیں ہوا اس لیے کہ موتی اور سرخ یاقوت میں درمیان جہالت پائی جاتی ہے اور قیمت کے بیان کرنے سے جہالت واقع ہوئی نتیجتاً وکالت درست نہ ہو گی۔

اگر موکل نے یاقوت خریدنے کے لیے وکیل کیا لیکن اس کے رنگ کا ذکر نہیں کیا تو بھی جہالت قائم رہے گی کیونکہ مختلف رنگوں کے یاقوت مختلف قسموں کی مانند ہوتے ہیں۔ اس لیے اگر

صرف یا قوت کہا تو قیمت کے بیان کرنے سے بھی جہالت دور نہ ہو گی۔

موکل نے اگر وزنی یا ناپی جانے والی اشیاء کو خریدنے کے لیے کسی کو وکیل بنایا تو اس کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ موکل فیہ کی مقدار کو بھی بیان کرے۔ کہے موکل وکیل سے کہے کہ تم گندم خریدو تو اب موکل کے لیے ضروری ہے کہ گندم کی وزنی مقدار بیان کرے یا وہ رقم بیان کرے جس کی گندم خریدنی مطلوب ہے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو وکالت درست نہ ہو گی۔(۱۵۴)

اگر موکل نے عام استعمال کی اشیاء خریدنے کے لیے کسی کو وکیل مقرر کیا تو اس میں جنس، نوع یا قیمت میں سے کسی ایک کا ذکر نہیں بھی کیا تو عقد وکالت درست ہو گا اور اس چیز کی خریداری عرف عام کے مطابق ہو گی۔ جیسے موکل نے وکیل سے کچھ رقم کا دودھ خریدنے کو کہا اور کسی خاص جانور کا ذکر نہیں کیا تو اس سے مراد عام استعمال کا دودھ ہو گا۔(۱۵۵) موکل نے اگر انڈے خریدنے کو کہا اور یہ نہیں بتایا کہ کس کے انڈے خریدنے ہیں تو اس سے مراد عام رواج کے مطابق مرغی کے انڈے ہوں گے۔ اگر گھی خریدنے کو کہا تو اس سے مراد وہ گھی ہو گا جو بازار میں عام استعمال کے لیے فروخت ہوتا ہے۔(۱۵۶)

نتیجہ یہ کہ عقد وکالت کی بنیادی شرط یہ ہے کہ عقد واضح ہو اور وکیل کسی ابہام کا شکار نہ ہو۔ جنس، نوع، قیمت، رنگ اور مقدار وغیرہ کی وضاحت ضروری ہے اس سے عقد وکالت درست ہو گا، موکل نقصان سے بھی بچے گا اور وکیل کو امر وکالت انجام دینے میں آسانی ہو گی۔

۲۔ موکل فیہ با آسانی دستیاب ہو

انعقادِ وکالت شرا کے لیے دوسری اہم شرط یہ ہے کہ موکل جس جس چیز کی خریداری کے لیے کسی کو وکیل مقرر کر رہا ہے وہ با آسانی دستیاب ہو نیز ملکی قانون کے مطابق اس کی خریداری پر کوئی پابندی نہ ہو۔

جیسے موکل نے کسی سے کہا کہ میں نے تمہیں توپ یا ٹینک خریدنے کے لیے وکیل مقرر کیا ہے تو ملکی قانون عام شہری کو توپ یا ٹینک خریدنے کی اجازت نہیں دیتا لہٰذا عقد وکالت باطل ہو گا۔ اس طرح اگر موکل نے کہا کہ میں تمہیں ایک ہاتھی خریدنے پر وکیل مقرر کر رہا ہوں تو چونکہ ہاتھی عام فروخت نہیں ہوتے لہٰذا عقد وکالت باطل ہو گا۔

بایں وجہ عقد وکالت شراء کے انعقاد کے لیے دوسری بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ چیز جسے وکیل نے خریدنا ہے وہ عام دستیاب ہو۔

احکام

وکالت شراء سے متعلق مندرجہ ذیل احکامات بیان کیے ہیں۔

۱۔ وکیل شراء جب عقد کی اضافت اپنی طرف کر کے کسی چیز کو خریدے اور وہ چیز بائع کے قبضے میں ہو یا اس کے قبضے میں تو وکیل کو یہ اختیار حاصل ہو گا کہ اگر وہ خریدی ہوئی چیز میں موجود کسی عیب پر مطلع ہو تو اس کی وجہ سے وہ بائع کو واپس کر دے خواہ موکل نے اسے واپس کرنے کی اجازت دی ہو یا نہ دی ہو کیونکہ خیار العیب کی بنا پر چیز واپس کرنا عقد کے ان حقوق میں سے ہے جن کا تعلق وکیل سے ہوتا ہے اگر وہ زندہ ہو۔ اور اگر وفات پا چکا ہو تو اس کے وارث یا وصی کے ساتھ وہی حق ہوتا ہے۔ اور اگر ان میں کوئی نہ ہو تو پھر موکل کو وہ حق ملتا ہے۔ بہرحال وکیل کی زندگی میں اگر خریدی ہوئی چیز موکل کے سپرد کرنے سے پہلے کسی نے حق شفعہ کیا تو مدعا علیہ وکیل ہو گا۔ البتہ سپردگی کے بعد مدعا علیہ موکل ہو گا۔(۱۵۷)

موکل کے مبیع سپرد کر دینے کے بعد اگر وکیل کو عیب کا علم ہوا تو اس وقت موکل کی اجازت کے بغیر وکیل اسے نہیں لوٹا سکتا اس لیے کہ مبیع موکل کو سپرد کرنے سے وکالت اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔ لہٰذا اسے لوٹانے کے لیے جدید وکالت حاصل کرنا ہو گی۔(۱۵۸)

وکیل اگر عیب دار چیز کی خرید پر راضی ہو گیا تو خرید موکل پر لازم ہو گی لیکن اسے یہ اختیار بھی حاصل ہو گا کہ وہ عیب دار چیز کو قبول کرے یا وکیل کے ذمہ ڈال دے۔ اگر وکیل کے ذمہ ڈالنے سے پہلے وہ چیز ہلاک ہو گئی تو موکل کا مال ہلاک متصور ہو گا۔ البتہ موکل عیب کی مناسبت سے قیمت کا فرق وکیل سے لے سکتا ہے۔(۱۵۹)

الاقناع میں ہے کہ موکل کو سپرد کرنے سے قبل اگر وکیل عیب سے مطلع ہوا تو اس کا خریدنا درست نہیں۔(۱۶۰)

عقد شراء کی اضافت اگر وکیل نے اپنے موکل کی طرف کی جیسے اس نے یوں کہا کہ میں نے فلاں کے لیے یہ چیز خریدی تو اب موکل کی اجازت کے بغیر وکیل کو واپس کرنے کا حق حاصل نہیں ہو گا۔ کیونکہ اس صورت میں وکیل قاصد کی طرح ہے لہٰذا عقد کے حقوق موکل کے ساتھ وابستہ ہوں گے وکیل کے ساتھ نہیں۔(۱۶۱)

حقیقت یہ ہے کہ وکیل کی یہ ذمہ داری ہے کہ موکل فیہ میں کسی عیب کے ہونے کی صورت

میں موکل کو آگاہ کرے ورنہ اس کے ذمہ داری وکیل پر ہو گی۔(۱۶۲) اس صورت میں موکل اپنی طرف سے ادا شدہ رقم واپس لے سکتا ہے جیسے موکل نے وکیل کو سواری کے لیے اونٹ خریدنے کو کہا اور وکیل نے وہ اونٹ خرید لیا جو اتنا کمزور ہو جو چل بھی نہیں سکتا تو یہ بیع باطل ہو گی۔(۱۶۳)

۲۔ وکیل شراء نے کسی چیز کو خریدا لیکن اس شے کی خریداری میں موکل کی اجازت سے خیار شرط (یعنی معاہدہ شراء کو کسی شرط کے ساتھ مشروط کر دینا) کا استعمال کر سکتا ہے۔ **المہذب** میں علامہ ابو اسحاق شیرازی لکھتے ہیں۔

"ولا للوکیل الشراء ان یشترط الخیار للبائع من غیر اذن"(۱۶۴)

موکل کی اجازت کے بغیر وکیل شراء خیار شرط استعمال نہیں کر سکتا۔

۳۔ وکیل شراء نے اگر موکل فیہ کی خریداری کے بعد خود اس کی قیمت ادا کر دی تو جائز ہو گا ادائیگی قیمت سے پہلے یا بعد میں اگر وہ چیز موکل کے پاس پہنچنے سے قبل ضائع ہو گئی تو موکل ہی کا نقصان ہو گا۔(۱۶۵) کیونکہ وکیل اور موکل کے درمیان حکمی مبادلہ منعقد ہو گیا۔ عدم ادائیگی قیمت کی صورت میں وکیل قیمت کی وصولی تک بیع کو اپنے قبضے میں رکھ سکتا ہے۔ اگر دوران حبس مبیع ہلاک ہو گیا تو وکیل پر ضمان ہو گا۔(۱۶۶)

وکیل شرا مبیع پر قبضہ کرنے کے بعد موکل سے اتنی ہی رقم وصول کرنے کا حق رکھتا ہے۔ جتنی اس نے ادا کی ہو۔ موکل سے وصولی رقم کی خاطر اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ موکل فیہ کو روک لے اور موکل کے مطالبہ کے باوجود جب تک پوری قیمت موکل سے وصول نہ کرے شے موکل کو نہ دے اگرچہ خود اس نے قیمت بائع کو ابھی تک دی ہو یا نہ دی ہو۔ البتہ ادھار خریدنے پر ادائیگی کا وقت آنے سے پہلے موکل سے قیمت کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔(۱۶۷)

علامہ شیرازی فرماتے ہیں کہ موکل نے کسی چیز کو خریدنے کے لیے اگر وکیل کیا اور موکل نے اسے کچھ رقم ادا نہ کی تو اس صورت میں ادائیگی کی یہ صورتیں ہیں:

(i) ادائیگی قیمت موکل کے ذمہ ہے کیونکہ مبیع موکل کے لیے خریدا گیا البتہ وکیل بائع کے لیے ضامن ہو گا۔

(ii) قیمت کی ادائیگی وکیل کے ذمہ ہے کیونکہ مشتری وہ ہے۔

(iii) ادائیگی وکیل کے ذمہ ہے اور وکیل کا ذمہ دار موکل ہے لہٰذا وکیل موکل سے رقم لے کر ادا کرے گا۔(۱۶۸)

۴۔ شراء کے ضمن میں وکیل شراء کے لیے ضروری ہے کہ موکل کی طرف سے مقررہ چیز اتنی مالیت میں ہی خریدے جتنی عام قیمت میں لوگ خریدتے ہیں اگرچہ وہ قیمت موکل کی طرف سے مقرر قیمت سے زیادہ ہو لیکن غبن یسیر سے زیادہ نہ ہو یعنی اتنی زیادتی ہو کہ اس میں تہمت کا اندیشہ نہ ہو۔ علامہ قدوری فرماتے ہیں۔

"الوکیل بالشراء یجوز عقدہ بمثل القیمۃ و زیادۃ یتغابن الناس فی مثلھا ولا یجوز بما لا یتعابن الناس فی مثلہ"(۱۶۹)

وکیل شراء کے لیے جائز ہے کہ غبن یسیر تک چیز کی زیادہ قیمت ادا کرے لیکن غبن یسیر سے زیادہ میں قیمت ادا کرنا جائز نہیں۔

اگر وکیل نے غبن فاحش یعنی عام قیمت سے بہت زیادہ قیمت ادا کی تو وہ مال وکیل کا ہی ہو گا۔ اگر موکل نے مقررہ قیمت میں کسی چیز کو خریدنے کے متعلق کہا تو وکیل اسے زیادہ قیمت میں نہیں خرید سکتا جیسے موکل نے کہا کہ میرے لیے فلاں مکان پانچ لاکھ میں خریدو وکیل اس مکان کو چھ لاکھ میں خرید لے تو یہ خرید موکل کے حق میں نافذ نہیں ہو گی۔(۱۷۰)

شرح المجلہ میں ہے کہ اگر موکل نے وکیل کو بتا دیا ہو کہ اتنی قیمت میں فلاں چیز کو خریدنا ہے تو وکیل کے لیے جائز نہیں کہ اس سے زائد قیمت پر خریدے اگرچہ وہ زیادتی نہایت کم ہو۔ اگر وکیل نے زائد قیمت پر وہ چیز خرید لی تو وہ وکیل ہی کے لیے ہو گی۔ اگر موکل نے قیمت کا ذکر نہ کیا ہو لیکن وہ شے جس کا نرخ متعین ہو جیسے آٹا، گوشت اور دودھ وغیرہ تو وکیل اس بات کا پابند ہو گا کہ متعین نرخ پر ہی اسے خریدے زائد پر نہیں اگرچہ وہ زیادتی قلیل ہو۔ اگر موکل نے نہ قیمت کا ذکر کیا اور نہ ہی اس شے کے نرخ متعین ہیں تو وکیل اس شے کو مثلی یعنی عام رواجی قیمت پر بھی خرید سکتا ہے اور کچھ زائد قیمت پر بھی۔ اگر غبن یسیر ہو تو وہ موکل کے لیے لازم ہو گی اور اگر غبن فاحش ہو تو موکل پر لازم نہیں ہو گی۔(۱۷۱)

موکل نے اگر وکیل سے کہا کہ خاص یہ دو بکریاں تین ہزار روپے میں خریدو وکیل نے ان میں سے ایک کو اٹھارہ سو روپے میں خرید لیا، اگر وکیل نے یہ بکری بھاؤ میں تناسب سے زیادہ قیمت پر خرید لی تو موکل پر لازم نہیں ہو گی اور اگر بھاؤ میں تناسب کے مطابق خریدی تو موکل پر لازم ہو گی۔ اس

طرح اگر دوسری بکری کو بھی باقی قیمت میں خرید لیا۔ تو دونوں بکریوں کی خریداری موکل کے لیے ہو گی۔(۱۷۲) علامہ کاسانی فرماتے ہیں۔

"ان الوکیل بالشرا اذا خالف یکون مشتریا لنفسہ"(۱۷۳)

وکیل شراء نے اگر موکل کی مخالفت کرتے ہوئے زیادہ قیمت میں کسی چیز کو خریدا تو وہ اس کے لیے ہو گی۔ بشرطیکہ موکل اس کو لینے سے انکار کر دے بصورت دیگر موکل وکیل سے زیادہ ادائیگی قیمت پر قسم بھی لے سکتا ہے۔

۵۔ کیا وکیل موکل کے لیے مبیع کو مقررہ قیمت سے کم پر خرید سکتا ہے اس بارے میں امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ وکیل کو چاہیے کہ جتنی کم قیمت پر مبیع کو خریدا ہے موکل کو واپس کر دے جیسے اگر موکل نے ایک چیز ایک سو روپے میں خریدنے کو کہا وکیل نے وہ چیز پچھتر روپے میں خریدی۔ اب وکیل کو چاہیے کہ پچیس روپے موکل کو واپس کر دے۔ جب کہ امام ابو یوسفؒ اور دیگر ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ایک سو روپے میں جتنی زیادہ چیز ملے وہ اسے خرید کر موکل کو دینی چاہیے۔(۱۷۴)

خالد اتاسی نے لکھا ہے کہ اگر موکل نے وکیل سے کہا کہ یہ مکان دس لاکھ روپے میں خریدو وکیل نے اس مکان کو دس لاکھ روپے سے کم میں خرید لیا۔ چونکہ اس کمی سے موکل کا فائدہ ہے لہٰذا یہ شراء موکل کے لیے ثابت ہو گی۔(۱۷۵)

اگر موکل نے دو بکریاں تین ہزار روپے میں خریدنے کو کہا لیکن وکیل نے ایک بکری تناسب سے مطابق کم قیمت پر خرید لی تو یہ موکل کے لازم ہو گی۔(۱۷۶)

ڈاکٹر عبدالواحد کے مطابق اگر موکل نے وکیل کو ایک ہزار روپے کا دس کلو گرام بکرے کا گوشت خریدنے کو کہا۔ وکیل نے اس گوشت کو اسی روپے فی کلو گرام خرید لیا یا اس حساب سے ساڑھے بارہ کلو گرام گوشت خرید لیا۔ اس خرید میں موکل کے لیے صرف دس کلو گرام گوشت ہو گا البتہ اگر زائد مقدار میں کم ہو جیسے ایک ہزار روپے میں ساڑھے دس کلو گرام گوشت خریدا ہو تو یہ کل مقدار موکل ہی کی ہو گی۔

وکیل نے اگر ہلکی کوالٹی یا بیمار جانور کا گوشت مقررہ قیمت سے کم قیمت پر خرید لیا تو موکل کی مخالفت کی بنا پر یہ خرید وکیل کے لیے ہو گی اور موکل کو لازم نہ ہو گی۔(۱۷۷)

۶۔ موکل نے اگر وکیل کو کوئی خاص چیز خریدنے کو کہا تو اب وکیل کے لیے ضروری ہے کہ وہی چیز خریدے اگر وکیل نے وہی چیز اپنے لیے خریدی یا موکل کے خلاف خریدی تو وکیل وکالت سے معزول

ہو جائے گا۔(۱۷۸)

موکل کی اس مخالفت کی مندرجہ ذیل صورتیں ممکن ہیں۔

(الف) موکل نے کہا کہ میرے لیے سوٹ کا کپڑا خریدو۔ وکیل نے جو کپڑا خریدا وہ سوٹ کے لیے ناکافی ہو یہ خرید وکیل کے لیے ہوگی نہ کہ موکل کے لیے۔

(ب) وکیل نے اگر دو مخصوص اشیاء خریدنے کو کہا اگرچہ ان کی قیمت بیان کی یا نہ کی وکیل اگر ان میں سے ایک موکل کے لیے خریدے تو اس کا یہ تنصیف کرنا جائز ہے۔ کیونکہ یہ توکیل مطلق ہے۔(۱۷۹)

یہاں تنصیف یا تبعیض کی دو صورتیں ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ اگر وہ مبیع ایسا ہو کہ جس کی تبعیض کرنا مضر ہو جیسے چادر کا کپڑا یا کسی جانور کا خریدنا۔ اس صورت میں یہ شراء موکل کے حق میں نہیں ہوگی۔ جیسے وکیل نے آدھی چادر خریدی تو یہ خرید موقوف رہے گی اگر خصومت سے قبل وکیل بقیہ بھی خرید لے تب تو خریداری موکل پر لازم ہوگی اور اگر بقیہ کی خریداری سے پہلے موکل معاملہ عدالت میں لے جائے اور عدالت وہ (یعنی نصف چادر) خریداری وکیل پر لازم کر دے اس کے بعد بقیہ آدھی چادر خریدے تو بقیہ چادر کی خرید بالاتفاق وکیل کے لیے ہوگی۔(۱۸۰)

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ ایک چیز میں سے اگر وکیل نے نصف کو خریدا تو یہ اس بات پر موقوف ہوگی کہ دوسرا حصہ بھی خریدے اگر خریدا تو جائز ورنہ نہیں اس لیے کہ بعض اوقات نصف یا کچھ خریدنا بھی تعمیل حکم کے ضمن میں ہوتا ہے۔(۱۸۱)

اگر مبیع ایسی چیز ہو جس کی تبعیض یا تنصیف کرنا مضر نہیں ہوتا نہ ہی تبعیض و تنصیف سے اس میں عیب پیدا ہوتا ہے جیسے ناپ تول والی اشیاء مثلاً گندم، جو اور چاول وغیرہ اگر ان اشیاء میں سے کسی کو وکیل نے موکل کی بتائی ہوئی مقدار سے کم خریدا یا نصف خریدا۔ تو یہ خریداری موکل پر لازم ہوگی اور بقیہ کی خریداری پر موقوف نہیں ہوگی جیسے موکل نے کہا کہ میرے لیے ایک ہزار روپے کی ۲۰۰ کلوگرام گندم خریدو وکیل نے ۲۰۰ کی بجائے ۱۰۰ کلوگرام گندم خریدلی تو یہ خرید موکل پر لازم ہوگی کیونکہ اس تنصیف سے موکل کو کوئی نقصان اٹھانا نہیں پڑا۔

موکل نے اگر خاص مکان کی خریداری پر وکیل مقرر کیا لیکن وکیل نے نصف مکان خرید لیا اس کے بعد موکل نے باقی نصف خود خرید لیا تو اب وکیل کا خریدا ہوا نصف موکل پر لازم نہیں ہوگا۔

اور اگر موکل نے پہلے نصف مکان خریدا اور بعد میں باقی نصف وکیل نے خریدا لیا تو یہ جائز ہے اور وکیل کا خریدا ہوا یہ نصف مکان موکل کے لیے ہی متصور ہو گا۔

ان دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں مخالفت کی وجہ سے وکیل کا تصرف خود اس کے لیے واقع ہوا لہٰذا بعد میں موکل کے لیے نہیں ہو گا جب کہ دوسری صورت میں وکیل کے تصرف سے حصے نہیں ہوئے بلکہ اس سے موکل کی ملکیت کی تکمیل ہوئی ہے لہٰذا وکیل کے تصرف میں مخالفت نہ پائی گئی۔(۱۸۲)

معین چیز خریدنے کے لیے اگر وکیل مقرر کیا۔ اس مقررہ چیز میں وکیل کو عیب کا علم ہوا۔ اگر خریدنے سے قبل اس کے کسی عیب کے متعلق علم ہو گیا تو اس کا خریدنا درست نہیں ہے۔(۱۸۳)

۷۔ موکل نے وکیل کو اگر مخصوص چیز خریدنے پر وکیل مقرر کیا تو موکل کی موجودگی میں وہ چیز اپنے لیے خرید سکتا ہے جب کہ موکل کی عدم موجودگی میں وہ اپنے لیے نہیں خرید سکتا۔ کیونکہ موکل کی موجودگی میں وکیل خود کو فرائض وکالت سے سبکدوش کر سکتا ہے اور موکل کا پابند نہیں رہتا۔ البحرالرائق میں ہے:

"ولو وكله بشراء شئى بعنيه لايشتريه لنفسه اى لايجوز له ذلك لانه يودى الى تغرير الامر من حيث انه اعتمد عليه ولان فيه عزل نفسه ولا يملكه الا بمحضر من الموكل"
(۱۸۴)

اگر معین چیز کی خریداری کے لیے وکیل مقرر کیا تو وکیل اس چیز کو اپنے لیے نہیں خرید سکتا اور نہ ہی اس کے لیے ایسا کرنا جائز ہے۔ کیونکہ یہ موکل کے حکم کی مخالفت ہے۔ موکل نے اس پر اعتماد کیا ہے۔ ایسا کرنے سے وہ وکالت سے معزول ہو جائے گا البتہ موکل کی موجودگی میں اپنے لیے اس چیز کو خرید سکتا ہے۔

مغنی المحتاج میں ہے کہ کسی معین شے کی خریداری کے لیے مقرر کیا گیا وکیل اپنے چھوٹے بچے کے لیے اس چیز کو نہیں خرید سکتا ہے اگر اس نے اپنے چھوٹے بچے کے لیے خریدی یا خریدنے کے بعد اس نے اپنے لیے خریدنے کی نیت کی یا زبان سے اس کی تصریح کی تب بھی خریداری موکل کے لیے ہی شمار ہو گی کیونکہ اپنے لیے خریداری کرنے میں وکیل کا خود کو وکالت سے معزول کرنا ہوتا ہے جب کہ موکل کی عدم موجودگی میں وکیل خود کو معزول کرنے کا مجاز نہیں۔(۱۸۵)

دوسری وجہ یہ ہے کہ ہر انسان طبعاً" سستی چیز خریدنا چاہتا ہے اور موکل کی غرض مہنگے داموں

چیز کو فروخت کرنا ہوتی ہے چونکہ یہ دونوں اغراض متضاد ہیں لیکن وکیل خرید موکل کی چیز اپنے لیے نہیں خرید سکتا جب کہ امام مالک کے نزدیک عام قیمت سے زیادہ پر خرید سکتا ہے۔(۱۸۶)

ان صورتوں میں خریداری وکیل کی ہو سکتی ہے۔

i۔ موکل نے اس شے کی قیمت خرید معین کی ہو اور وکیل اس شے کو زائد قیمت پر خرید لے۔

ii۔ موکل نے اس چیز کی قیمت خرید متعین نہ کی ہو اور وکیل اس کو غبن فاحش کے ساتھ خریدے۔

iii۔ موکل کی موجودگی میں وکیل نے تصریح کی کہ وہ چیز کو اپنے لیے خرید رہا ہو کیونکہ موکل کی موجودگی میں ایسا کہنا خود کو وکالت سے معزول کرنا ہے۔

iv۔ ایک معین شے کی مذکور رقم کے عوض خریداری کے لیے وکیل مقرر کیا۔ وکیل نے مذکور قیمت کے عوض وہ شے خریدی تو وہ شے موکل کی ہو گی پھر وکیل نے اس میں کوئی عیب پایا جس بنا پر وہ شے بائع کو لوٹا دی پھر چاہا اب وہ شے اپنے لیے خریدے۔(۱۸۷)

v۔ وکیل نے اس چیز کو بالغ بیٹے یا باپ کے لیے خریدا ہو۔(۱۸۸)

vi۔ اگر وکیل نے وہ شے قبضے کے بعد عدالتی فیصلے کی مدد سے واپس کی یا قبضے سے پہلے عدالتی فیصلے کے ساتھ یا اس کے بغیر واپس کی تو وکیل اس چیز کو اپنے لیے نہیں خرید سکتا البتہ اگر وکیل نے کسی دوسری جنس کے عوض وہ چیز خریدی یا موکل کی بتائی ہوئی جنس ہی کے عوض میں خریدی لیکن زائد قیمت پر خریدی تھی تو یہ خریداری وکیل کے لیے واقع ہو گی۔

vii۔ اگر وکیل نے وہ چیز قبضے کے بعد عدالتی فیصلے کے بغیر بائع کو واپس کی تو وکیل اس کو جس قیمت پر چاہے اپنے لیے خرید سکتا ہے۔

viii۔ موکل نے وکیل سے کہا کہ یہ سائیکل میرے لیے ایک ہزار روپے میں خریدو وکیل نے اسے گیارہ سو روپے میں خریدا پھر بعد میں بائع نے سو کم کر دیے تب بھی سائیکل کی خرید وکیل کے لیے شمار ہو گی۔ اس طرح اگر ایک شخص نے کہا کہ میرے لیے فلاں سائیکل خریدو وکیل نے ہاں یا ناں کچھ نہیں کہا اور جا کر وہ سائیکل خریدی اگر وکیل نے خریدتے وقت کہا کہ یہ سائیکل میں نے موکل کے لیے خریدی تو سائیکل موکل کے لیے ہو گی اگر اس نے خریدتے وقت کہا کہ یہ سائیکل میں نے اپنے لیے خریدی تو سائیکل وکیل کے لیے ہو گی اگر اس نے خریدتے وقت کسی کی طرف نسبت نہ کی لیکن ادائیگی موکل کی دی ہوئی رقم سے کی تو بھی سائیکل موکل ہی کی ہو

گی۔(۱۸۹)

۸۔ اگر موکل نے وکیل کو شراء مقید کی خریداری کے متعلق کہا تو اس وکالت کی دو صورتیں ہوں گی۔ پہلی صورت یہ ہے کہ اگر وکالت شرائیں قیود ہیں تو بالاتفاق وکیل کو موکل کی طرف سے عائد کردہ قیود کی رعایت کرنا ہوگی۔ خواہ ان کا تعلق جنس سے ہو' نوع سے ہو یا قیمت سے۔(۱۹۰) اگر وکیل نے اس کی مخالفت کی تو اس کا ذمہ دار خود ہوگا۔ اگر ان میں سے کسی ایک کا بیان نہ ہو تو پھر موکل کی معاشی حالت کے مطابق چیز خریدنا ہوگی۔ جیسے وکیل کو موکل نے کہا کہ وہ اس کے لیے کاٹن کا سوٹ پیس خریدے موکل اگر درمیانی حیثیت کا ہو تو وکیل پر لازم ہوگا کہ وہ درمیانی قسم کی کاٹن خریدے اگر اس کی معاشی حالت بہتر ہے تو اعلیٰ قسم کی کاٹن خریدے۔ اگر وکیل نے اس معیار کو برقرار نہ رکھا تو اس کپڑے کی خریداری موکل پر لازم نہیں ہوگی۔(۱۹۱)

دوسری صورت یہ ہے کہ اگر وکیل اس قید کی مخالفت موکل کی بہتری کے لیے کرے تو وہ چیز مخالفت کے باوجود موکل ہی کی ہوگی۔ اگر اس مخالفت میں ضرر و نقصان ہو تو پھر وہ چیز وکیل کی ہوگی جیسے موکل نے کہا کہ میرے لیے دودھ دینے والی بھینس خریدو' وکیل نے وہ بھینس خریدی جو دودھ دینے کے قابل نہ ہو تو یہ بھینس وکیل ہی کی ہوگی۔(۱۹۲)

اسی طرح اگر موکل نے وکیل سے کہا کہ مجھے سواری کے لیے ایک گھوڑا چاہیے لیکن وکیل نے اندھا گھوڑا خرید لیا تو یہ گھوڑا موکل کے لیے نہیں بلکہ وکیل کے لیے ہی ہوگا۔(۱۹۳)

۹۔ اگر موکل نے وکیل کو شراء مطلق کے متعلق کہا یعنی اس نے وکیل کو یہ نہیں بتایا کہ وہ مطلوبہ شے کس عوض کے بدلے خریدے' چونکہ عام رواج نقد رقم کے عوض خریدنے کا ہوتا ہے لہٰذا وکالت نقدی کے عوض خریدنے پر محمول ہوگی۔ اگر وکیل نے نقدی کی بجائے کسی سامان کے عوض میں خریداری کی تو یہ موکل کے حکم کی مخالفت متصور ہوگی۔

مخالفت کی ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ سامان کے بدلے سامان کی خریداری ایک اعتبار سے شراء ہوتی ہے اور ایک اعتبار سے فروخت جب کہ موکل نے وکیل کو محض شراْ کا حکم دیا ہے بیع کا نہیں۔(۱۹۴) غیر نقدی کے عوض خریدنے میں مندرجہ ذیل صورتیں ہیں:

(i) وکیل نے مطلوبہ شے اپنی کسی مملوک شے جیسے ریڈیو وغیرہ کے عوض میں خریدی یا اپنے پاس موجود گندم یا چاول وغیرہ کے عوض میں خریدی اس صورت میں خریداری موکل کے حق میں نافذ نہیں ہوگی بلکہ یہ خریداری وکیل کے لیے ہوگی۔

(ii) وکیل نے مطلوبہ شے موکل کی کسی معین چیز جیسے گھوڑا یا بھینس وغیرہ کے عوض میں خریدی اس صورت میں خریداری موکل کی اجازت سے مشروط ہو گی اگر اس نے اجازت دی تو خریداری موکل کے لیے ہو گی بصورت دیگر خریداری منسوخ ہو جائے گی اور وکیل کے لیے بھی لازم نہ ہو گا کیونکہ وکیل کے لیے خریداری اس وقت لازم ہوتی ہے جب اس کی جانب سے موکل کی مخالفت پائی گئی ہو لیکن خریداری کا نفاذ پایا جاتا ہو جب کہ یہاں نفاذ نہیں کیونکہ گھوڑا مشتری (جو کہ اس وقت وکیل ہے) کا نہیں اور غیر کی ملک کے عوض سے کی گئی خریداری نافذ نہیں ہوتی۔(۱۹۵)

اس طرح اگر موکل وکیل بیع کو کسی چیز کی خریداری پر مقرر کرتا ہے اور مذکورہ شے کے متعلق یہ پابند نہیں کرتا کہ وہ چیز کہاں سے خریدے۔ اگر وہ چیز اس کے اپنے پاس موجود ہے تو موکل کی رضا مندی سے وہ چیز اس کے لیے خرید سکتا ہے اگر وہ رضامند نہ ہو تو وہ اس چیز کو نہیں خرید سکتا۔(۱۹۶)

خالد اتاسی کے نزدیک اس صورت میں وکیل موکل کے لیے نہ اپنا مال اور نہ اپنے نابالغ بچے کا مال خرید سکتا ہے خواہ موکل کا اس میں فائدہ ہو یا نہ ہو کیونکہ ایک ہی شخص عقد شراء کے دونوں اطراف کی نمائندگی نہیں کر سکتا اس لیے کہ اس صورت میں وہی قبضہ دینے والا ہو گا۔ وہی زائد طلب کرنے والا اور وہی کمی طلب کرنے والا' وہی عیب پائے جانے کی صورت میں جھگڑا کرنے والا اور اس سے جھگڑا کیا جا رہا ہو گا اور یہ کھلا تضاد ہے۔ اگر وکیل نے بیع کو ان لوگوں سے خریدا جن کی شہادت اس کے حق میں جائز نہیں' اس میں تفصیل یہ ہے۔

اگر وہ کم قیمت میں خریدے تو جائز ہے اور اگر زائد قیمت پر خریدے تو ناجائز اگر غبن یسیر ہو تو کتاب الاصل اور شرح طحاوی کے مطابق ناجائز جب کہ ذخیرہ کے مطابق صاحبین کے نزدیک جائز ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ناجائز اور اگر عام رواجی قیمت یا مثلی قیمت پر خریدے تو صاحبین کے نزدیک جائز اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ناجائز ہے۔(۱۹۷)

۱۰۔ اگر موکل نے اس چیز کی خریداری کے لیے وکیل مقرر کیا جس کی فروخت ایک خاص وقت کے لیے ہوتی ہے اور بعد میں اس کی ضرورت نہیں ہوتی تو اس صورت میں اگر وکیل اس چیز کو تاخیر کے ساتھ خریدا تو وہ چیز وکیل کی ہو گی نہ کہ موکل کی جیسے موکل نے وکیل سے کہا کہ میرے لیے موسم سرما کے لیے ایک کمبل خرید۔ لیکن وکیل نے موسم سرما گذر جانے کے بعد یا آئندہ سردیوں کی آمد سے پہلے وہ کمبل خریدا تو اب یہ کمبل موکل کے لیے لازم نہیں ہو گا۔ بلکہ وکیل کے لیے ہو گا۔

اسی طرح ایک شخص نے قربانی کا جانور خریدنے کے لیے وکیل مقرر کیا لیکن وکیل نے وہ جانور

قربانی کے ایام گذر جانے کے بعد خریدا تو اب اس جانور کی خریداری موکل پر لازم نہیں ہوگی بلکہ وکیل کے لیے ہوگی۔(۱۹۸)

۱۱۔ اگر وکیل شراء نے مقررہ چیز ادھار خریدی تو موکل کے لیے بھی وہ چیز ادھار متصور ہوگی اور وکیل موکل سے قیمت کی نقد ادائیگی کا مطالبہ نہیں کر سکتا البتہ اگر وکیل نے نقد خریدا پھر بائع نے مہلت دے دی تو وکیل موکل سے نقد ادائیگی کا مطالبہ کر سکتا ہے اگر وکیل نے نقد یا ادھار کچھ نہیں کہا پھر بائع نے مہلت دی تو موکل کے لیے بھی مہلت بنے گی۔ وکیل نے مبیع ادھار خریدا پھر وکیل مرگیا تو وکیل پر ادائیگی نقد واجب ہو جائے گی جب کہ موکل کے حق میں ادھار برقرار رہے گا۔(۱۹۹)

اگر وکیل نے موکل کے کہنے کے مطابق اس کے لیے نقد چیز خریدی لیکن بائع نے وکیل کو ادائیگی کی مہلت دی تو وکیل کو حق ہے کہ وہ موکل سے فوری رقم کا مطالبہ کرے البتہ اگر ابتدا میں ادھار کا ذکر کیا تو پھر وکیل موکل سے فوری رقم کی ادائیگی کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔(۲۰۰)

موکل نے اگر وکیل سے کہا کہ ادھار خرید لو اور وکیل نے مبیع کو نقد خرید لیا تو یہ خرید موکل کے لیے نہیں ہوگی۔ لیکن اگر موکل نے کہا کہ نقد خرید لو اور وکیل نے ادھار خرید لیا تو خرید موکل کے لیے ہوگی کیونکہ عام طور پر نقد کے مقابلے میں ادھار خریدنے میں زیادہ فائدہ سمجھا جاتا ہے۔(۲۰۱)

وکیل نے جتنی رقم کی کوئی چیز موکل کے لیے خریدی بائع نے وہ رقم وکیل کو ھبہ کر دی یا معاف کر دی۔ اس صورت میں وکیل موکل سے کل قیمت وصول کر سکتا ہے۔ اگر بعض قیمت ھبہ کی تو وکیل صرف باقی رقم موکل سے وصول کرے گا۔ جیسے اگر مبیع کی قیمت ایک ہزار روپے ہو تو بائع نے پانچ سو روپے وکیل شراء کو ھبہ کر دیے تو بعد میں باقی پانچ سو روپے بھی ہبہ کر دیے تو وکیل موکل سے صرف پانچ سو روپے کے لیے رجوع کر سکے گا کیونکہ پہلا ھبہ قیمت میں کمی شمار ہوا اور دوسرا ھبہ واقعی ھبہ ہوا۔

اس کی بنیاد یہ ہے کہ بعض قیمت کا ھبہ قیمت میں کمی متصور ہوتا ہے جب کہ کل قیمت کا ھبہ قیمت میں کمی شمار نہیں ہو سکتا کیونکہ کمی کو اصل عقد کے ساتھ لاحق کیا جاتا ہے اور بغیر قیمت کے بیع فاسد ہوتی ہے لہٰذا جب بعض کا ھبہ کیا جاتا ہے تو بیع بقیہ قیمت کے ساتھ باقی رہتی ہے لہٰذا جائز ہے جب کہ کل قیمت کے ھبہ سے بیع بلاقیمت رہ کر فاسد ہو جاتی ہے لہٰذا اس کو قیمت میں کمی شمار نہیں کیا جا سکتا بلکہ اسے ایک علیحدہ ھبہ شمار کیا جائے گا اور وکیل کو حق ہو گا کہ وہ قیمت کے لیے موکل کی طرف رجوع کرے۔

اگر کل قیمت کا دو یا زائد مرتبہ میں ھبہ کیا تو آخری مرتبہ سے پہلے کیے گئے ھبات کو قیمت میں کمی شمار کیا جائے گا اور آخری مرتبہ کے ھبہ کو علیحدہ ھبہ شمار کیا جائے گا لہٰذا آخری مرتبہ کی مقدار کے لیے وکیل موکل سے رجوع کرے گا۔(۲۰۲)

۱۲۔ اگر وکیل کے قبضے میں مبیع ہلاک ہو گیا یا اتفاق سے ضائع ہو گیا تو موکل کا مال ہلاک متصور ہو گا اور وکیل کے حق میں قیمت میں سے کچھ ساقط نہیں ہو گا کیونکہ وکیل بائع سے قبضہ کرنے میں موکل کے لیے عامل ہے اور وکیل کا قبضہ حکماً موکل کا قبضہ ہوتا ہے۔ اس لیے اگر اس دوران مبیع ہلاک ہو گیا تو گویا موکل کے قبضہ میں ہلاک ہوا اور وکیل موکل سے پوری قیمت وصول کرے گا۔(۲۰۳)

امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اگر قیمت وصول کرنے کے لیے موکل کے مطالبہ کے باوجود وکیل نے وہ چیز اپنے پاس روک لی اور پھر وکیل کے قبضے میں وہ شے ہلاک ہو گئی یا ضائع ہو گئی تو وکیل پر اس کا تاوان آئے گا۔

اگر موکل کی طرف سے ادا کردہ قیمت وکیل کے قبضے میں ہو اور بائع کو وہ قیمت ادا کرنے سے قبل ہلاک ہو گئی تو موکل کا مال ہلاک متصور ہو گا اگر وکیل نے کوئی چیز خریدی پھر موکل نے وکیل کو رقم دی اور اس سے قبل کہ وکیل وہ رقم بائع کے سپرد کر دے اور رقم ہلاک ہو گئی تو وکیل کا مال ہلاک ہو گا۔

موکل نے اگر وکیل کو دس ہزار روپے میں ایک گھوڑا خریدنے کو کہا وکیل نے گھوڑا خرید کر بائع کو اپنے پاس سے دس ہزار روپے ادا کر دیے۔ اس کے بعد موکل نے گھوڑا طلب کیا۔ لیکن اب وکیل نے مکمل ادائیگی سے قبل گھوڑا دینے سے انکار کر دیا اسی دوران گھوڑا مر گیا تو اب وکیل کے لیے پانچ ہزار روپے ہوئے اور پانچ ہزار روپے باطل ہو گئے۔ اگر شروع ہی میں وکیل گھوڑا سپرد کرنے سے انکار کر چکا ہوتا تو وکیل کو لیے ہوئے پانچ ہزار روپے بھی واپس کرنا ہوتے۔(۲۰۴)

۱۳۔ وکیل بیع کی طرح وکیل شراء کو بھی معاہدہ شراء کے بعد مبیع واپس کرنے کی اجازت نہیں۔ مجلہ احکام العدلیہ میں ہے۔

"لیس للوکیل بالشراء ان یقیل البیع بدون اذن الموکل"(۲۰۵)

وکیل شرا کے لیے جائز نہیں کہ وہ موکل کی اجازت کے بغیر بیع کا اقالہ کرے۔

۱۴۔ وکیل نے اگر موکل کے کہنے کے مطابق اس کے لیے نقد چیز خریدی لیکن بائع نے وکیل کو ادائیگی کی مہلت دی تو وکیل کو حق ہے کہ وہ موکل سے فوری رقم کا مطالبہ کرے البتہ اگر ابتدا میں ادھار کا

ذکر کیا تو پھر وکیل موکل سے فوری رقم کی ادائیگی کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔(۲۰۶)

۱۵۔ اگر موکل نے وکیل شراء سے کوئی مخصوص چیز خریدنے کو کہا لیکن وکیل بسیار کوشش کے باوجود اسے خرید نہ سکا۔ اس کے بعد وکیل کے لیے لازم ہے کہ وہ اصل رقم موکل کو واپس دے جیسے موکل نے وکیل کو رقم دی کہ وہ مسجد کے قریب جگہ لے کر مسجد میں شامل کرے۔ وکیل کی کوشش کے باوجود مالک زمین نے زمین فروخت نہیں کی تو اس صورت میں وکیل کے لیے لازمی ہو گا کہ وہ رقم مالک کو واپس کر دے کیونکہ خاص مصرف کے لیے وکیل کو دی لیکن وہ مصرف نہیں مل سکا لہٰذا اس کی وکالت بھی ختم ہو گئی۔ اگر وکیل نے اس زمین کے علاوہ کسی اور جگہ خرچ کیا تو اس پر ضمان ہو گا لیکن موکل کو اختیار ہے کہ وہ رقم جہاں چاہے خرچ کرے۔(۲۰۷)

احکام توکیل اجارہ

اجارہ کا لفظ اجر سے مشتق ہے جو عربی زبان میں متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ لسان العرب میں اسکے معانی کسی کام کا معاوضہ' ثواب اور نجات کے بیان کیے گئے ہیں۔(۲۰۸) اسی سے لفظ اجرت اور اجارہ ہے جس کا معنی ہے کسی چیز کو اجرت پر لینا۔ جیسے قرآن مجید میں حضرت شعیب علیہ السلام کے متعلق ہے کہ آپ نے حضرت موسی علیہ السلام سے فرمایا۔

"انی ارید ان انکحک احدی ابنتی ھاتین علی ان تاجرنی ثمانی حجج"(۲۰۹)

(ترجمہ) میں اپنی دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تمہارے ساتھ کر دوں بشرطیکہ تم آٹھ سال تک میرے ہاں ملازمت کرو۔ اس آیت میں تاجرنی کا لفظ ملازمت کرنے کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔

فقہی اصطلاح میں اجارہ سے مراد ہے۔ **"بیع منفعة معلومة باجر معلوم"(۲۱۰)**

وہ بیع جس میں کسی معلوم چیز سے مقررہ اجرت پر منفعت لینے کا معاملہ ہو۔ انگریزی میں اجارہ کے لیے Lease یا Rent کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ اجارہ میں وکالت دو طرح کی ہوتی ہے۔

۱۔ کسی چیز کو اجارہ پر دینے کی وکالت۔

۲۔ کسی چیز کو اجارہ پر لینے کی وکالت۔

اجارہ کی ان دو قسموں میں توکیل درست ہے اور فقہاء نے اس کی مشروعیت بیان کی ہے۔(۲۱۱) وکیل اجارہ کے تقرر کی صورت یہ ہے کہ اس وکالت میں موکل وکیل کو اجارہ پر مقرر کرتا ہے خواہ اس کی اجرت مقرر ہو یا نہ ہو۔ لیکن اس وکالت میں کار وکالت متعین ہو جانے کے بعد مدت وکالت متعین نہیں ہوتی جیسے اگر کوئی موکل وکیل سے کہے کہ میرے دو مکان بیس دنوں میں اجارہ پر دو اگر اجارہ پر دے دیے گئے تو تمہیں اجرت ملے گی ورنہ نہیں تو اس شرط سے اجارہ کی وکالت فاسد ہو جاتی ہے۔(۲۱۲)

کسی چیز کو اجارہ پر لینے کے لیے مقررہ وکیل کے اختیارات صرف اجارہ لینے تک محدود ہوتے ہیں اس کے بعد اس کی وکالت ختم ہو جاتی ہے جب کہ اجارہ پر دینے کے وکیل کو زیادہ اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ اجارہ دینے والے کو مستاجر' اجارہ پر لینے والے کو اجیر اور کرایہ کو اجر کہتے ہیں۔

احکام

اجارہ سے متعلق مندرجہ ذیل وکالت کے احکام کتب فقہ میں ملتے ہیں۔

۱۔ وکیل اجارہ اثبات اجارہ کے لیے، وصولی کرایہ کے لیے اور گھر کے کرایہ کی عدم وصولی کے معاملات میں فریق بن سکتا ہے کیونکہ یہ حقوق عقد وکالت سے متعلق ہوتے ہیں۔(۲۱۳)

۲۔ موکل کی طرف سے کسی چیز کا مقررہ کرایہ کو وکیل معاف کرنے یا کم و بیش کرنے کا اختیار نہیں رکھتا اگرچہ کرایہ رقم کی صورت میں ہو یا مال معین کی صورت میں۔ وکیل نے اگر کسی اجارہ کو معاف کر دیا تو وہ موکل کو ضمان دے گا۔(۲۱۴)

۳۔ اگر وکیل اجارہ نے اجارہ پر دی جانے والی عمارت میں کوئی کمی و بیشی کی یعنی مزید تعمیر کی، کسی حصہ کو گرا دیا یا مرمت وغیرہ کی تو ان امور کا اسے اختیار نہ ہو گا۔ البتہ عقد وکالت اجارہ کی تکمیل کے بعد اگر کسی نے اس عمارت کو کوئی نقصان پہنچایا تو اسے اس میں مخاصمت کا اختیار ہو گا۔(۲۱۵)

۴۔ عقد اجارہ کے بعد اگر وکیل فوت ہو گیا تو اس کی وفات سے اجارہ باطل نہیں ہو گا۔ یعنی کرایہ دار کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وکیل کی موت کے بعد کرائے کی چیز مالک کو واپس کر دے البتہ اگر مستاجر یعنی موکل کا انتقال ہو گیا تو اس کے انتقال سے مجیر کا اجارہ باطل ہو جائے گا۔ اور مجیر کو مکان وغیرہ اس کے ورثاء کو واپس کرنا ہو گا۔(۲۱۶)

۵۔ وکیل نے اگر مستاجز کے اجارہ کو اجر وصول کرنے سے قبل توڑ دیا تو اس کا یہ توڑنا درست ہو گا اگرچہ اجر اصل رقم کی صورت میں مقرر ہو یا قرض کی صورت میں لیکن اگر وکیل نے مجیر سے اجر وصول کر لیا تو پھر اجارہ منسوخ کرنا جائز نہیں اس لیے کہ ادائیگی اجر کے بعد اب وہ مستاجر کی ملکیت ہو چکا ہے۔(۲۱۷)

۶۔ وکیل اجارہ نے موکل کے باپ بیٹے یا کسی بھی قریبی عزیز کو زمین یا مکان اجارہ پر دیا تو یہ جائز ہے البتہ اپنے بیٹے یا اس شخص کو جس کی گواہی اس کے حق میں مقبول نہ ہو کو اجارہ پر دینے کا اختیار نہیں۔ اگر وہ ان میں کسی کو اجارہ پر دے گا تو وہ ناجائز ہو گا۔(۲۱۸)

۷۔ مشترکہ ملکیت کے مالکوں میں سے اگر ہر ایک نے اپنے اپنے حصہ کو اجارہ پر دینے کے لیے الگ الگ وکیل کیے تو ایک وکیل اپنے حصے کو دوسرے شریکوں کے ہاتھ یا کسی ایک شریک کے

ہاتھ اجارہ پر دے تو صاحبین کے نزدیک جائز ہے جب کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں۔(۲۱۹)

۸۔ اجارہ پر مقررہ وکیل اجارہ پر دیے جانے والی چیز کو کسی بھی اسباب یا مال کے معاوضہ پر بطور اجارہ دے سکتا ہے۔ لیکن اگر موکل نے بدل اجارہ کے متعلق کسی مخصوص چیز کا ذکر کر دیا تو پھر اسی بدل اجارہ پر ہی اجارہ پر دینا ہو گا مخالفت کی صورت میں اجارہ جائز نہیں ہو گا۔ اسی طرح اجارہ میں تبعیض کرنا بھی درست نہیں جیسے موکل نے وکیل سے کہا کہ یہ کھیت اجارہ پر دو لیکن وکیل وہ نصف کھیت اجارہ پر دے دے تو درست نہیں ہو گا۔(۲۲۰)

۹۔ وکیل اجارہ صرف اس چیز کو اجارہ پر دے سکتا ہے جو شرعاً اجارہ پر دی سکتی ہے اگر ایسی چیز اجارہ پر دی جو شرعاً نہیں دی جا سکتی جیسے کرنسی نوٹ سونا اور چاندی وغیرہ ایسا اجارہ شرعاً ناجائز ہو گا۔ اس طرح جائز اشیاء کو ناجائز مقصد کے لیے اجارہ پر دینا بھی جائز نہیں جیسے کسی کو اپنی کار اس لیے اجارہ پر دینا کہ وہ اس پر سوار ہو کر کسی کو قتل کر دے، تو ایسا کرنا ناجائز ہو گا۔

۱۰۔ موکل نے وکیل سے کہا کہ فلاں میرا مکان ایک ہزار روپے ماہانہ اجارہ پر دے دو، وکیل نے وہ مکان بارہ سو روپے اجارہ پر دے دیا تو وکیل کا یہ اقدام جائز ہو گا۔(۲۲۱) جب کہ امام سرخسی کے نزدیک یہ اجارہ مخالفت موکل کی بنا پر فاسد ہو گا۔(۲۲۲)

۱۱۔ وکیل اجارہ وصولی اجر کے لیے اس شخص کو وکیل ثانی مقرر کر سکتا ہے جو اس کی کفالت میں نہیں۔(۲۲۳)

۱۲۔ وکیل اجارہ نے اگر فوائد حاصل کرنے سے قبل مستاجر سے اجارہ فسخ کر دیا تو اس کا یہ فسخ درست ہو گا۔ خواہ اجر مال دین ہو یا عین۔ اگر وکیل نے کرایہ وغیرہ وصول کر لیا ہے تو پھر اجارہ کا فسخ نہیں ہو گا۔ اسی طرح اگر وکیل مستاجر نے مالک زمین سے اجارہ توڑ دیا جب کہ زمین ابھی اجارہ پر دینے والے کے قبضہ میں ہے تو اس کا یہ فسخ جائز ہو گا۔(۲۲۴)

۱۳۔ جس طرح اجارہ پر دینے اور لینے کے لیے توکیل جائز ہے اسی طرح اجر اجارہ کی وصولی کے لیے الگ بھی وکیل مقرر کرنا جائز ہے کیونکہ یہ بھی ایک قرض ہے اور وصولی قرض کے لیے توکیل جائز ہے۔(۲۲۵)

۱۴۔ اگر ایک شخص نے کسی کو وکیل مقرر کیا کہ فلاں معین مکان اتنے کرائے پر میرے لیے اجارہ پر لے وکیل نے ایسا ہی کیا تو مالک مکان کرایہ کا مطالبہ وکیل سے کرے گا اور وکیل موکل سے

کرایہ وصول کرے گا۔اور وکیل کو اختیار حاصل ہو گا کہ اپنے موکل سے اجرت طلب کرے اگرچہ مالک مکان نے وکیل سے ابھی تک مطالبہ نہ کیا ہو اور اگر مالک مکان نے وکیل کو کرایہ دے دیا تو صحیح ہے اور وکیل کو اختیار ہے کہ موکل سے کرائے کا مطالبہ کرے۔ (۲۲۶)

۱۵۔ اجارہ فاسد میں وکیل ضامن نہیں ہوتا اور اجر المثل مستاجر کے ذمہ واجب ہو گا اور اگر اجارہ طویل ہو تو فسخ اجارہ کے وقت وکیل سے مال اجارہ کا مطالبہ کیا جائے گا۔

۱۶۔ اجارہ کے وکیل نے اگر کرایہ والا مکان مستاجر سے خود کرایہ پر لے لیا تو یہ جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں وہ شخص موجر اور مستاجر دونوں ہو جاتا ہے البتہ بعض فقہاء کے نزدیک جائز ہے۔

۱۷۔ موکل نے اگر موجر سے اجارہ فسخ کیا تو فسخ ہو جائے گا۔ موکل کو وکیل سے مال اجارہ واپس لینے کا اختیار بعض علماء کے نزدیک ہے اور بعض کے نزدیک نہیں۔

۱۸۔ اگر ایک شخص نے اس لیے وکیل کیا کہ فلاں گھر ایک ہزار روپے میں کرائے پر لے لیکن وکیل نے اس مکان کو پندرہ سو روپے پر اجارہ پر لے لیا اور اس نے موکل سے کہا کہ میں ایک ہزار روپے ماہانہ کرائے پر لیا ہے تو اب موکل صرف ایک ہزار روپے ہی کرایہ دے گا پندرہ سو روپے نہیں۔

۱۹۔ اگر موکل نے ایک سال پر کسی چیز کو کرایہ پر لینے کے لیے وکیل کیا اور وکیل نے دو سال کے لیے اجارہ پر لے لیا تو پہلے سال کا اجارہ موکل کے لیے اور دوسرے سال کا وکیل کے لیے ہو گا۔

۲۰۔ وکیل کے قبضہ سے پہلے یا بعد میں اگر مکان کا کچھ حصہ گر گیا پھر موکل نے کہا کہ یہ مکان مجھے پسند نہیں تو مکان موکل کے ذمہ لازم نہیں ہو گا۔ بلکہ وکیل کے ذمہ ہو گا۔(۲۲۷)

احکام توکیل ھبہ

لفظ ھبہ عربی لغت میں "العطیه الخالیه عن الاعواض والاغراض"(۲۲۸)
یعنی کسی کو کسی سامان اور غرض کے بغیر کوئی چیز دینے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ جب کہ فقہی اصطلاح میں ھبہ کہتے ہیں۔

"تملیک العین بلاعوض"(۲۲۹) کسی شخص کو بلا عوض کسی چیز کا مالک بنا دینا۔ ھبہ کے چار ارکان ہوتے ہیں۔

واہب ھبہ کرنے والا، موہوب لہ وہ شخص جسے ھبہ کیا جائے، موہوب وہ شے یا چیز جسے کسی شخص کو ھبہ کیا جا رہا ہو۔ ھبہ اس فعل کو کہتے ہیں جس میں کسی کو کوئی چیز ھبہ کی جائے۔ انگریزی میں ھبہ کو Bequest یا Gift کہا جاتا ہے۔ ھبہ کا وکیل بھی دو طرح کا ہوتا ہے۔

اول۔ سپردگی ھبہ کا وکیل۔

دوم۔ قبضہ ہبہ کا وکیل۔

موکل اگر اپنی کوئی چیز کسی کو ھبہ کرنا چاہے تو وکیل واہب کی طرف سے سپردگی ھبہ کے لیے مقرر ہوگا۔ وکیل اگر موہوب لہ کی طرف سے مقرر ہو تو اس کا مقصد ھبہ پر قبضہ کرنا ہوتا ہے۔ وکالت ھبہ کی مشروعیت کے متعلق امام سرخسیؒ نے لکھا ہے۔

"یجوز للواھب ان یوکل وکیلا بالتسلیم لانه عمل تجزی فیه النیابة"(۲۳۰)
واہب کے لیے جائز ہے کہ وہ موہوب کی سپردگی کے لیے وکیل مقرر کرے کیونکہ یہ وہ کام ہے جس میں وکالت جائز ہے۔

وکالت ھبہ میں وکیل کی حیثیت سفیر کی سی ہوتی ہے قبض و وصولی ھبہ کا وکیل واہب سے یہ کہے گا کہ جو تو نے فلاں (موکل) کو ھبہ کیا ہے وہ میرے سپرد کر دو اگر اس وکیل نے موکل کا ذکر کیے بغیر واہب سے کہا مجھے ھبہ کرو تو یہ موکل کی بجائے وکیل کے لیے ھبہ ہوگا۔(۲۳۱)

احکام

ھبہ سے متعلق کتب فقہ میں مندرجہ ذیل احکامات ملتے ہیں۔

۱۔ اگر واہب نے ھبہ سپرد کرنے اور موہوب لہ نے قبضہ ھبہ کے لیے الگ الگ وکیل مقرر کیے۔ دونوں وکیل اگر اکٹھے ہوں لیکن واہب کے وکیل نے سپردگی ھبہ سے انکار کیا اور موہوب لہ کے وکیل نے مخاصمت کی اور یہ ثابت کیا کہ وہ موہوب لہ کا وکیل ہے تو اس کے دلائل قبول کیے جائیں گے اور وکیل واہب کو یہ کہا جائے گا کہ وہ مال ھبہ اس کے سپرد کر دے۔(۲۳۲)

۲۔ ایک ذمی نے دوسرے ذمی کو حرام شے جیسے شراب اور خنزیر وغیرہ ھبہ کیا اور موہوب لہ اس پر قبضہ کرنے کے لیے کسی مسلمان کو وکیل مقرر کیا۔ یا واہب نے موہوب لہ کو شے موہوب دینے کے لیے کسی مسلمان کو وکیل کیا تو یہ جائز ہے کیونکہ موکل کے لیے مسلمان ہونا ضروری نہیں نیز یہ حرام اشیاء اصل میں اس ذمی کی ملکیت ہیں نہ کہ مسلمان وکیل کی۔(۲۳۳)

۳۔ موہوب لہ نے اگر موہوب شے پر قبضہ کرنے کے لیے دو اشخاص کو وکیل مقرر کیا اور ایک نے قبضہ کر لیا تو ایک کا قبضہ کرنا درست نہیں لیکن اگر سپردگی ھبہ کے لیے واہب نے دو اشخاص کو وکیل مقرر کیا اور ان میں سے ایک نے موہوب لہ کو ھبہ دے دیا تو یہ جائز ہے۔(۲۳۴)
اگر موہوب لہ کو مقرر نہیں کیا تو پھر ان میں سے ایک الگ ھبہ نہیں کر سکتا کیونکہ یہاں اظہار ھبہ کی سپردگی کی رائے کی ضرورت ہے۔(۲۳۵)

۴۔ وکیل نے اگر موکل کی اجازت کے بغیر توکیل ثانی کی تو یہ جائز ہے کیونکہ موکل کا مقصد صرف سپردگی ھبہ ہے نیز یہاں اظہار رائے کی ضرورت نہیں ہوتی۔(۲۳۶) اگر موہوب لہ کے وکیل نے شے ھبہ پر قبضہ کرنے کے لیے موکل کی اجازت کے بغیر توکیل ثانی کی تو یہ جائز نہیں ہوگی بشرطیکہ وکیل کو وکالت مطلقہ حاصل ہو یعنی موکل نے اسے یہ کہا ہو۔ "**ماصنعت من شئی فھو جائز**" یعنی تو جو کچھ کرے وہ جائز ہے۔ اس صورت میں وکیل کا وکیل ثانی مقرر کرنا جائز ہو گا۔(۲۳۷)

۵۔ ھبہ بالعوض یعنی وہ ھبہ جس میں ھبہ کرتے وقت کچھ معاوضہ بھی لیا جاتا ہے میں بھی وکالت جائز ہے لیکن وکیل موکل کے مقررہ معاوضے کو کم نہیں کر سکتا اگر اس کے معاوضہ کو کم کیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے جب کہ صاحبین کے نزدیک جائز نہیں بشرطیکہ اس نے اتنا کم کیا ہو جسے لوگ برداشت نہ کر سکتے ہوں۔ موکل نے اگر وکیل سے کہا کہ اپنے مال میں سے میری طرف سے اس شرط پر معاوضہ دے کہ میں اس کا ضامن ہوں پھر وکیل نے معاوضہ دے دیا تو یہ جائز ہے اگر عوض مثلی ہو تو وکیل موکل سے اس کی مثل وصول کرے گا۔ بصورت دیگر وکیل اتنی

قیمت موکل سے وصول کرے گا لیکن موکل اس سے رجوع نہیں کر سکتا۔ اگر معاوضہ مثلی نہ ہو اور معاوضہ ادا کرنے کا حکم دیا ہو لیکن ضمانت کا ذکر نہیں کیا یا ضمانت سے مشروط نہیں کیا تو وکیل عوض دینے کے بعد موکل سے کچھ نہیں لے سکتا۔ اگر موکل نے عوض طے نہیں کیا کہ وہ کس طرح کا معاوضہ دے اور وکیل نے ھبہ کے عوض گھر کا سامان دے دیا تو یہ جائز نہیں کیونکہ یہ جہالت کثیرہ ہے اور اس سے موکل کا مقصد پوشیدہ رہا لہٰذا توکیل باطل ہو گی۔ اگر کہا کہ اپنے مال میں سے میری طرف سے جو چاہو عوض دے دو تو پھر جائز ہے کیونکہ جب اس کی رائے پر چھوڑ دیا تو جتنا معاوضہ دے گا اس کی نسبت موکل یہ نہیں کہہ سکتا کہ میری مراد یہ نہیں تھا۔(۲۳۸)

۶۔ وکیل ھبہ کو ھبہ بالعوض کی سپردگی کے ضمن میں رجوع کا اختیار نہیں ہوتا اگرچہ وکیل نے واہب کے حکم سے ھبہ کیا ہو۔ ھبہ اگر موہوب لہ کے وکیل کے ہاتھوں میں ہو تو واہب بھی ھبہ سے رجوع نہیں کر سکتا اور نہ ہی وکیل اس معاملے میں جھگڑا کر سکتا ہے کیونکہ وکیل کے ہاتھ میں کسی چیز کا ہونا ایسے ہی ہے جیسے موکل کے ہاتھ میں ہو' اس کا معاوضہ موکل کی طرف مقرر شدہ ہے۔ وکیل کا قبضہ اثبات ہے اور اس پر وکالت اختتام پذیر ہوتی ہے۔ البتہ اگر اس کے قبضہ میں نہ ہو تو پھر خود رجوع کر سکتا ہے اور رجوع کے لیے وکیل بھی مقرر کر سکتا ہے۔(۲۳۹)

۷۔ اگر دو اشخاص نے ایک شخص کو ایک مکان ھبہ کیا پھر دونوں نے ایک شخص کو اسے مکان دینے کے لیے وکیل مقرر کیا تو یہ جائز ہے۔ اسی طرح اگر دو اشخاص کو ایک شخص نے وکیل مقرر کیا یا ہر ایک نے ایک شخص کو علیحدہ علیحدہ وکیل کیا تو بھی جائز ہے۔ دونوں میں سے ایک نے موہوب لہ کو وہ مکان دے دیا یا اس نے خود بغیر وکیلوں کے مکان پر قبضہ کر لیا تو بھی جائز ہے۔(۲۴۰)

۸۔ واہب کے وکیل کے لیے جائز نہیں کہ وہ ھبہ سے رجوع کرے اگرچہ وہ وکیل سپردگی ھبہ کے لیے ہو یا وصولی ھبہ کے لیے۔ وکیل اگر وکالت ھبہ میں موکل کی نافرمانی کرتا ہے یعنی ھبہ سپرد نہیں کرتا یا وصول نہیں کرتا تو اس پر کوئی ضمان نہیں ہو گا۔(۲۴۱)

۹۔ موکل نے ایک شخص کو سپردگی ھبہ کے لیے وکیل مقرر کیا لیکن اس نے وہ چیز خود کو ھبہ کر دی پھر اس ھبہ سے رجوع کر لیا یعنی اس ھبہ سے خود ہی دستبردار ہو گیا تو اب وہ دوبارہ کسی کو ھبہ نہیں کر سکتا یہاں تک کہ موکل اسے دوبارہ وکالت سونپے یا وہ موکل کو واپس کرے گا۔(۲۴۲)

احکام توکیل تقاضا و وصولی دین

تقاضا کا لفظ تفاعل کے وزن پر ہے یہ اقتضاء سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے مطالبہ و وصولی قرض۔ تقاضا و وصولی دین کی وکالت سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو اپنا وکیل اس مقصد کے لیے مقرر کرے کہ موکل نے جو کسی سے قرض واپس لینا ہے اس کی بجائے اس کا وکیل اس سے قرض لینے کا مطالبہ کرے اور اس سے قرض وصول بھی کرے۔(۲۴۳) مقروض کا اس وکیل کو وہ قرض ادا کرنا ایسے ہی ہو گا جیسے موکل کو قرض ادا کیا گیا۔ ان امور میں وکالت کی مشروعیت اس بات سے واضح ہوتی ہے کہ کتب فقہ میں اس توکیل سے متعلق بہت سے مسائل موجود ہیں۔

احکام

تقاضا وصولی دین کی توکیل سے متعلق کتب فقہ میں یہ احکام موجود ہیں۔

۱۔ تقاضا دین کے وکیل کو امام ابو حنیفہؒ اور حنابلہ کے نزدیک خصومت اور گواہ پیش کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔(۲۴۴) جب کہ صاحبین کے نزدیک یہ اختیار نہیں ہوتا۔ کیونکہ تقاضا دین پر قبضہ کرنے کے لیے توکیل عین حق کو وصول کرنے کی توکیل ہے لہٰذا وہ خصومت کی طرف تجاوز نہیں کرے گا جب کہ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ دین پر قبضہ کرنے کے لیے توکیل مبادلہ کے لیے توکیل ہے اور مال کے مال سے مبادلہ میں حقوق عاقد سے متعلق ہوتے ہیں جیسے بیع اور اجارہ میں ہوتا ہے۔ یہاں نفس دین کو وصول کرنا مقصود نہیں کیونکہ دین سے مراد مال سپرد کرنے کا فعل ہوتا ہے یا پھر اس سے مراد مال حکمی ہے جو ذمہ میں سے ہے۔ ان دونوں کو وصول کرنا مقصود نہیں۔ البتہ دین کو وصول کرنا ایک نوع کے مبادلہ سے عبارت ہے اور وہ قرض خواہ کی رقم ہے جو مقروض کا ذمہ ہے اور مقروض کا اس کے لیے ہوئے مال کی مقدار کا قرض خواہ کو مالک بنانا یہ بیع کے مشابہ ہے اور مال کا مال کے ساتھ مبادلہ کے حقوق میں خصومت ہوتی ہے لہٰذا وکیل کو اس کا اختیار ہو گا۔ برخلاف ثمن پر قبضہ کرنے کے کیونکہ ثمن پر قبضہ کی توکیل عین حق کو وصول کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ نہ کہ مبادلہ کو، عین ثمن کو وصول کرنا ممکن ہے لہٰذا اس کے بغیر کسی اور کام کی خصومت کا اختیار نہ ہو گا۔ اس لیے ان دونوں کے درمیان یہ

فرق ہے تو جب اسے خصومت کا اختیار نہیں تو مدعا علیہ کے گواہ وکیل قبضہ کے خلاف شراء میں مسموع نہیں ہوں گے کیونکہ یہ گواہ فریق ثانی پر قائم نہیں کیے گئے۔ البتہ وکیل کے قبضہ کو دفع کرنے میں مسموع ہوں گے۔ اور گواہوں کی گواہی بعض پہلو سے سنی جائے گی اور بعض پہلو سے نہیں۔ ایسا کرنا جائز ہے جیسے ایک شخص کسی کو اپنی بیوی اپنی جگہ منتقل کرنے پر وکیل بنادے اور وکیل اس کی بیوی سے منتقل ہونے کا مطالبہ کرے تو وہ اس بات پر گواہ پیش کردے کہ اس کا شوہر تین طلاقیں دے چکا ہے۔ تو یہ گواہ وکیل کے منتقل کرنے کے حق کو دفع کرنے میں قبول ہو جائیں گے اور حرمت کو ثابت کرنے میں مسموع نہیں ہوں گے ایسے ہی زیر بحث مسئلہ میں ہے۔(۲۴۵)

۲۔ وکیل تقاضا دین کو اگر مال غیر معین کی صورت میں وصولی قرض کی صراحت ہو تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اسے خصومت کا اختیار ہوتا ہے۔(۲۴۶) جب کہ مال معین ہونے کی صورت میں اسے خصومت کا اختیار نہیں ہوگا۔(۲۴۷) کیونکہ مال معین ہونے کی صورت میں وہ محض امین ہے جیسے اگر کسی نے اپنی مملوکہ چیز جو کسی اور کے قبضے میں ہے قبضہ کرنے کے لیے وکیل کیا اور قابض حال نے یہ گواہ پیش کیے کہ موکل نے اس چیز کو میرے لیے فروخت کردیا ہے تو موکل کے حاضر ہونے تک توقف کیا جائے گا تاکہ اس کی موجودگی میں دوبارہ گواہ پیش کرے۔ اسی طرح اگر موکل نے مال معین پر قبضہ کرنے کے لیے کسی کو وکیل مقرر کیا پھر کسی نے قبضہ کرنے سے قبل اس کو تلف کردیا تو وکیل اس سے قیمت لینے کے لیے خصومت نہیں کر سکتا البتہ اگر قبضہ کے بعد تلف کرے تو خصومت کر سکتا ہے۔(۲۴۸)

اگر وکیل سے یہ کہا گیا کہ فلاں چیز پر آج قبضہ کرلو تو اس نے آئندہ کل میں قبضہ کیا تو بھی جائز ہے اگر کہا کہ کل قبضہ کرلو تو آج قبضہ نہیں کر سکتا۔(۲۴۹)

۳۔ قاضی خاں کے نزدیک تقاضا دین کے وکیل کو قبضے کا اختیار عرف کے مطابق ہوگا کیونکہ وکلاء پر اعتماد عرف کے مطابق ہوتا ہے۔(۲۵۰)

اس ضمن میں علامہ کاسانی فرماتے ہیں کہ متاخرین میں چند علماء کے نزدیک ان کے علاقوں میں وکیل تقاضا دین کو قبضہ کا اختیار نہیں ہوتا کیونکہ ان کے علاقے کے لوگ تقاضا دین کے وکیل کو قبضہ کا اختیار دینے پر راضی نہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ قاضیوں کی عدالتوں پر موجود وکیل لوگوں کے اموال میں خیانت کا ارتکاب کرتے ہیں اس لیے لوگ ان کے قبضہ پر رضامند نہیں ہوتے۔(۲۵۱)

۴۔ موکل نے وکیل سے کہا کہ تو میرے ہر قرض کے تقاضا کا وکیل ہے یا کہا کہ تو میرے ہر اس حق کا

وکیل ہے جو لوگوں پر ہو یا اس شہر میں جس کسی پر میرا حق ہو' تو یہ توکیل قرض کے حقوق اور ان سے متعلق حقوق کے لیے ہو گی۔ اگر موکل نے وکیل سے ایسے ہی الفاظ کہے لیکن بوقت تقرری موکل پر کوئی ایسا قرض نہ ہو لیکن بعد میں وصولی قرض ہو تو اس کی وصولی کا بھی وکیل ہو گا۔ اگر کہا کہ تو میرا ہر حق وصول کرنے میں جو پیدا ہوں وکیل ہے تو اس میں وصولی اور خصومت کا بھی اختیار ہو گا۔ اگر موکل نے مزید کہا کہ اس توکیل میں تیرا ہر فعل جائز ہے تو وکیل نفقہ کے علاوہ قرض' ودیعت' عاریت اور ہر وہ حق جس کا موکل مالک ہے کی وصولی کا حق رکھے گا۔(۲۵۲)

۵۔ وصولی دین کے وکیل کو یہ اختیار نہیں ہوتا کہ قرض دار نے اگر مال قرض کسی اور کے حوالے کر دیا تو اس حوالہ کو قبول کرے کیونکہ وہ اس سے وصول نہیں کر سکتا جس کے حوالے وہ قرض کر دیا گیا ہے۔(۲۵۳)

موکل سے کسی نے کہا کہ فلاں شخص تجھے ایک ہزار روپے میرا قرض دے گا میں تجھے اس کی وصولی کے لیے وکیل مقرر کرتا ہوں۔ چند دنوں کے بعد وکیل نے کہا میں نے لے لیے اور مقروض نے بھی اس کی تصدیق کر دی لیکن موکل انکار کرتا ہے تو قاضی خاں کے نزدیک موکل کا قول معتبر ہو گا(۲۵۴) جب کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وکیل کا قول معتبر ہو گا۔ اس لیے کہ مقروض موکل کو اس بات کا ثبوت فراہم کر رہا ہے جس سے وہ انکاری ہے اور موکل نے بھی وکیل کو خود مقرر کیا ہے لہٰذا اس کا اقرار موثر اور نافذ ہو گا۔ بعض آئمہ کے نزدیک وکیل سے قسم لی جائے گی کیونکہ وہ اس عقد میں امین ہے۔ اگر اس دوران موکل کی موت واقع ہو جائے تو وکیل کو اس دعوی کے اثبات کے لیے گواہ یا دلائل پیش کرنا ہوں گے۔(۲۵۵)

۶۔ وکیل قبضہ دین کو اگر وکالت مطلقہ حاصل ہو یعنی یہ کہا ہو کہ "**ماصنعت من شئی فھو جائز**" تو جو بھی کرے وہ درست ہے تو وہ وکیل توکیل ثانی کر سکتا ہے لیکن وکیل ثانی آگے وکیل ثالث مقرر نہیں کر سکتا۔(۲۵۶) اگر وکالت مطلقہ حاصل نہ ہو تو وکیل ثانی مقرر نہیں کر سکتا کیونکہ تقاضا دین میں لوگ مختلف قسم کے ہوتے ہیں اور موکل اس کی وکالت پر راضی ہوا ہے نہ کہ وکیل ثانی کی توکیل پر نیز قبضہ میں امانتداری ہوتی ہے اس لحاظ سے لوگ مختلف الذھن ہوتے ہیں۔(۲۵۷)

۷۔ وکیل کے لیے جائز نہیں کہ وصولی قرض کے بعد مال قرض کو اپنے استعمال میں لائے ہاں موکل کی اجازت سے استعمال میں لا سکتا ہے۔(۲۵۸)

۸۔ موکل نے اگر قبضہ دین کے لیے دو وکیل مقرر کیے ان میں سے ایک نے دین پر قبضہ کر لیا پھر

دوسرا وکیل آ جائے تو اب موخر الذکر وکیل کے لیے جائز نہیں کہ وہ پہلے وکیل سے قبضہ لے لے اگرچہ وکیل ثانی کو ہر چیز قبضہ کرنے کی وکالت سونپی گئی ہو جو کہ پہلے وکیل کے پاس ہو۔ اس طرح اگر موخرالذکر وکیل نے پہلے وکیل سے قبل دین پر قبضہ کر لیا تو اب اسے وکیل اول سے وصولی کا اختیار نہیں۔ وکیل نے موکل سے اگر کہا کہ فلاں مکان کے قبضہ کے لیے تجھے وکیل مقرر کیا گیا جو کہ فلاں کے قبضہ میں ہے اس طرح ایک اور شخص کو بھی اس مقصد کے لیے وکیل مقرر کیا گیا اب اگر وکیل اول نے قبضہ دار سے مکان پر وکیل ثانی کی توکیل سے قبل قبضہ کر لیا تو دوسرے وکیل پر لازم ہے کہ پہلے سے قبضہ لے لے۔ اگر دوسرے وکیل کو پہلے وکیل کے قبضہ کے بعد وکیل مقرر کیا گیا تو اب دوسرے کے لیے جائز نہیں کہ وہ وکیل اول سے قبضہ لے۔(۲۵۹)

اگر دو اشخاص کو اکٹھے ایک ہزار روپے کے قرضہ کی وصولی کے لیے وکیل مقرر کیا۔ ان میں سے ایک وکیل نے ایک سو روپے کے علاوہ باقی تمام رقم وصول کر لی تو یہ موکل کی مخالفت کی وجہ سے جائز نہیں۔(۲۶۰)

اگر دو وکیل اس لیے مقرر کیے گئے ہوں کہ رقم زیادہ ہے تاکہ حفاظت ہو سکے تو اس صورت میں دونوں کو اکٹھے ہی رقم وصول کرنا ہو گا۔ اگر ایک نے الگ قرض وصول کیا اور اسے کچھ نقصان ہو گیا تو وکیل پر ضمان ہو گا۔

۹۔ موکل نے وکیل کو اپنے ہر قرض کے تقاضا کا وکیل مقرر کیا پھر موکل نے ایک خاص قرض کا ذکر کیا تو وہ قبضہ دین کا استحساناً" وکیل ہو گا قیاساً" نہیں کیونکہ قیاس کا تقاضا ہے کہ وہ وکیل قبضہ نہ ہو کیونکہ اسے ہر طرح کے قرض کی وصولی کا وکیل بنایا گیا تھا۔ نیز اس میں جہالت ہے کہ وہ 'صلح' 'قبضہ' ادائیگی یا وصولی دین کا وکیل ہے یا کسی اور کا۔(۲۶۱)

۱۰۔ وکیل نے کسی سے کہا کہ مجھے اس مال یا قرض کی وصولی کے لیے وکیل مقرر کیا گیا جو تجھ پر واجب الادا ہے۔ اس کے بعد دو صورتیں ہوں گی۔

اول۔ وہ شخص تصدیق کرے گا اس صورت میں وکیل اس سے جبراً" وصول کر سکتا ہے۔

دوم۔ اگر اس نے خاموشی اختیار کی یا تکذیب کی تو ان صورتوں میں وکیل اس سے جبراً" وصول نہیں کر سکتا۔(۲۶۲)

اگر موکل نے اس کی وکالت کی دلیل یا گواہی طلب کی اور وکیل گواہی پیش نہ کر سکا تو پھر مقروض کو اس کی وکالت تسلیم کرنے کے لیے امام اعظمؒ کے نزدیک جبر نہیں کیا جائے گا۔ جب کہ

صاحبین کے نزدیک جبر کیا جائے گا۔ اگر موکل وہاں موجود ہو تو پھر شہادت کے بغیر بھی اس کی وکالت قابل تسلیم ہو گی۔ اور موکل کی عدم موجودگی میں مقروض وکالت کے دلائل طلب کر سکتا ہے۔(۲۶۳)

۱۱۔ وکیل قبضہ مقروض موکل کی اجازت کے بغیر نہ تو قرض معاف کر سکتا ہے اور نہ ہی ھبہ اور نہ ہی ادائیگی قرض کے لیے مدت میں اضافہ کر سکتا ہے۔ اگر اس نے ایسا کیا تو وہ خود ضامن ہو گا۔ البتہ اگر اس نے مال کا کفیل لے لیا تو یہ جائز ہے لیکن وکیل کفیل سے تقاضا دین نہیں کر سکتا کیونکہ اسے اس سے وصولی کا حکم نہیں دیا گیا۔(۲۶۴)

۱۲۔ وکیل نے وکالت وصولی دین قبول کر لی پھر موکل نے اسے وکالت سے خارج کر دیا لیکن وکیل کو اس معزولی کا علم نہیں تو وہ علم ہونے تک وکالت میں برقرار رہے گا۔ البتہ اگر معزولی کی خبر کسی بھی شخص سے موصول ہو جیسے کافر، مسلمان، عاقل، غیر عاقل، بالغ، نابالغ تو اب اسے جائز نہیں کہ اس خبر کے موصول ہونے کے بعد دین پر قبضہ کرے۔ اگر قرض دار نے یہ جانتے ہوئے بھی اسے قرض ادا کر دیا تو وہ ادائیگی قرض سے بری نہ ہو گا۔(۲۶۵)

۱۳۔ وکیل اگر مرتد ہو کر دارالحرب چلا گیا یا اس کی عقل ضائع ہو گئی اس کے بعد وہ اسلام قبول کر کے واپس آ گیا یا عقل بحال ہو گئی تو وکالت بھی بحال ہو جائے گی۔ اگر ذمی نے مسلمان کو حرام اشیاء کی وصولی کے لیے وکیل مقرر کیا جیسے شراب وغیرہ جو کسی ذمی پر واجب الادا ہو تو مسلمان کے لیے اس کی وصولی مکروہ ہے اس لیے کہ قبضہ دین بھی ایک ملکیت ہوتی ہے اور مسلمان کو ان محرمات کے قریب جانے سے بھی روکا گیا ہے۔ نیز قبضہ اقتراب ہی سے ممکن ہوتا ہے۔

امام سرخسی کے دوسرے قول کے مطابق حرام شے کے قبضہ کے لیے مسلمان کو وکیل مقرر کیا جا سکتا ہے کیونکہ اصل مالک موکل ہے نہ کہ وکیل(۲۶۶)

۱۴۔ اگر مقروض مر گیا تو بھی وکیل تقاضا دین اس کے مال سے اس کے وارثوں سے قرض کا مطالبہ کر سکے گا یعنی موت سے قرض معاف نہیں ہوتا بلکہ اس کے وارثوں پر لازم ہوتا ہے کہ وہ اس کے ترکہ سے قرض ادا کریں۔ لیکن موکل کے مرنے سے تو وکالت باطل ہو جائے گی کیونکہ اب وہ مال مال وراثت ہو گیا۔ اب موکل کی بجائے اس کے وارث اس کے مالک ہوں گے۔ اس کی وصولی کا حق اس کے ورثاء کو ہے اگر وکیل نے وہ قرض وصول کر لیا تو موکل کے وارثوں کو لوٹانا ہو گا۔(۲۶۷)

۱۵۔ وصولی قرض کے وکیل نے قرض کے طور پر مقروض سے جو مال لیا اگر اس میں کوئی عیب نکل آیا تو وکیل کو حق ہے کہ اسے واپس کر دے کیونکہ اگر قبضہ کا اسے حق ہے تو اسے عیب کی وجہ سے لوٹانے

کا بھی حق ہے۔(۲۶۸)

۱۶۔ مسلمان موکل نے مرتد کو اپنا قرضہ وصول کرنے کے لیے وکیل مقرر کیا اور اس نے قرض وصول کر لیا یا وصولی کے بعد اس کے ضائع ہونے کے اقرار کیا پھر ارتداد کی سزا میں قتل کر دیا گیا تو اس کے وارثوں سے موکل کا حق وصولی برقرار رہے گا۔(۲۶۹)

۱۷۔ کسی شخص کا یعنی قرضدار کا وصولی قرض کے لیے مقروض کو ہی وکیل بنانا اور یہ کہنا کہ اپنی ذات سے میرا حق قرضہ وصول کر لو تو یہ وکالت درست نہ ہوگی۔(۲۷۰)

۱۸۔ ایک شخص کے دو اشخاص پر ہزار روپے قرض ہیں اور وہ دونوں ایک دوسرے کے کفیل یا ضامن ہوں۔ موکل (قرض خواہ) نے کس ایک سے قرضہ وصول کرنے کے لیے وکیل مقرر کیا اور اس وکیل نے دوسرے سے وہ رقم وصول کر لی تو یہ جائز ہے۔ اسی طرح اگر ایک شخص کے دوسرے پر ایک ہزار روپے قرض ہوں اور اس کا ایک کفیل ہے۔ قرض خواہ یا طالب نے ایک شخص کو اصل قرضدار سے قرضہ وصول کرنے کے لیے وکیل مقرر کیا اور وکیل نے اس کی بجائے اس کے کفیل سے وصول کر لیا تو بھی جائز ہے۔(۲۷۱)

۱۹۔ موکل نے کسی شخص کو وصولی قرضہ کے لیے وکیل مقرر کیا لیکن وکیل نے اس وقت یہ وکالت قبول کرنے سے انکار کر دیا لیکن پھر اس نے مقروض سے قرضہ وصول کر لیا تو یہ مقروض ادائیگی سے بری نہ ہوگا۔(۲۷۲)

۲۰۔ اگر وصولی قرض کے وکیل نے اصل قرضہ کی بجائے کوئی اور سامان وصول کر لیا جیسے موکل نے مقروض سے چار سو کلو گرام گندم وصول کرنی ہو اور وکیل گندم کے عوض چنے لے لے تو یہ اسے اختیار نہیں اس لیے کہ یہ معاوضہ مقصودی ہے جو دین پر قبضہ کی توکیل کے تحت نہیں آتا۔ بدائع میں ہے۔

"لیس لوکیل بقبض الدین ان یاخذ عوضا عن الدین وھو ان یاخذ عینا مکانہ لانہ ھذہ معاوضۃ مقصودۃ وانھا لاتدخل تحت التوکیل بقبض الدین"(۲۷۳)

دین کے قبضہ کے وکیل کو یہ اختیار نہیں کہ وہ دین کی جگہ کوئی عوض لے مثلاً یہ کہ دین کے بدلے کوئی شے لے لے کیونکہ یہ معاوضہ مقصودی ہے جو دین پر قبضہ کی توکیل کے تحت نہیں آتا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ دین پر حقیقتاً قبضہ کے لیے توکیل متصور ہی نہیں البتہ دین پر قبضہ کے لیے توکیل کو معاوضہ کے لیے توکیل ضرورت کی بنا پر بنایا گیا ہے تاکہ تصرف کو درست کیا جا سکے نیز جو

حاجت قبضہ دین کی توکیل کے ساتھ معلق ہے کو پورا کیا جا سکے اور ضرورتاً حق کے ثابت ہونے کی بنا پر عقد کے ضمن میں تسلیم کیا جاتا ہے اور معاوضہ مقصودہ عقد سے خارج رہتا ہے۔ لہٰذا وکیل کو اس کا اختیار نہیں ہو گا۔(۲۷۴)

اگر وکیل نے اصل قرضہ کی بجائے وہ مال وصول کر لیا جس پر موکل راضی نہ ہو تو وکیل کو اختیار ہے کہ وہ سامان واپس کر کے اصل قرض کا مطالبہ کرے۔ اگر مقروض نے کہا یہ مال لے لو اور اسے فروخت کر کے اپنا قرض وصول کر لو وکیل نے وہ مال لے کر فروخت کیا اور رقم وصول کر لی بعد میں وہ رقم اس کے وکیل سے ضائع ہو گئی تو یہ مقروض کا مال ضائع ہو گیا بشرطیکہ اس وکیل نے اس رقم کو اپنی ذات کے لیے اپنے قبضہ میں نہ کیا ہو اگر اس نے اپنی رقم قرار دے کر وصول کر لی تو پھر مقروض پر کوئی واجب الادا رقم نہیں۔ اگر اس مقروض نے کہا کہ اس مال کو اپنے حق کے عوض فروخت کر پھر اس نے فروخت کر کے دام وصول کیے تو وکیل اپنے حق پر قابض ہو گیا۔ اگر وہ اس کے پاس ضائع ہو گئے تو وکیل کے متصور ہوں گے۔(۲۷۵)

۲۱۔ اگر قرضدار نے قرض خواہ سے کہا کہ میرا تجھ پر جو قرض ہے اس سے میرے مال کی زکوۃ ادا کر یا اسے صدقہ کر دے تو یہ وکالت بالاجماع درست ہے۔ اگر ایک شخص کا دوسرے شخص پر قرض ہو اور قرض خواہ کسی شخص سے کہے کہ تو میرے اس مال سے زکوۃ وصول کر جو فلاں کے ذمہ قابل الادا ہے اگر اس نے وصول کر لی تو یہ جائز ہے۔ اگر وکیل سے کہا کہ میرے مال سے زکوۃ لے جو میرے قرض پر واجب ہے تو ایسا کرنا درست نہیں اس لیے کہ زکوۃ مال عین پر وصول کی جاتی ہے نہ کہ دین سے اور وکیل صرف قبضہ کا وکیل ہے اور موکل کے حکم کے بغیر مالک نہیں بن سکتا۔(۲۷۶)

۲۲۔ اگر وصولی قرضہ کے لیے وکیل مقرر کیا بعد میں اس نے کہا کہ میں نے قرضہ وصول کر لیا لیکن وہ مجھ سے تلف ہو گیا یا میں نے موکل کو ادا کر دیا لیکن موکل نے اس کی تکذیب کی تو اس ضمن میں قرضہ کی برأت کے بارے میں تصدیق کی جائے گی۔(۲۷۷)

۲۳۔ وکیل قبضہ کو اگر شے مرہونہ نہ لینے کا حکم دیا گیا اور مرہونہ شے وکیل کے پاس تلف ہو گئی تو اس کی دو صورتیں ہوں گی۔

اول۔ یہ کہ وکیل نے کہا ہو کہ مجھے قرض خواہ نے رہن لے لینے کا حکم دیا تھا اور مقروض نے اسے رہن دے دیا تو اس صورت میں موکل یا مطلوب کو اختیار ہے کہ وکیل سے قیمت رہن لے یا اس قدر ضمان لے جو قرض سے کم ہو۔

دوم۔ اگر مطلوب نے وکالت میں اس کی تکذیب کی یا خاموش رہا یا تصدیق کی اور اس پر ضمان کی شرط ہونا بیان کیا تو ضمان لینے کا اختیار ہو گا اگر تصدیق کے ساتھ ضمان کی شرط نہیں تو ضمان نہیں لے سکتا۔

اگر وکیل نے کہا کہ مجھے موکل نے رہن لینے کا حکم نہیں دیا لیکن مقروض نے خود ہی اسے رہن دے دیا ہے اور وہ وکیل کے پاس تلف ہو گیا تو وکیل پر ضمان نہیں ہو گا۔(۲۷۸)

۲۴۔ موکل نے وکیل مقرر کیا کہ میرا قرض فلاں شخص سے وصول کر کے فلاں شخص کو میری طرف سے ھبہ کر دو تو یہ جائز ہے۔ اگر اس نے ھبہ کیا اور موہوب نے تصدیق کی تو درست اور اگر تصدیق نہ کی اور تکذیب کی تو قرضدار کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ اگر قرضدار سے وصولی قرضہ اور کسی شخص کو ھبہ کرنے کے لیے وکیل مقرر کیا اس کے بعد قرضدار نے کہا کہ میں نے وہ مال وکیل کو دے دیا لیکن وکیل نے تصدیق نہ کی پھر وکیل نے کہا کہ میں نے موہوب لہ کو ھبہ دے دیا تو قرضدار وکیل کی تصدیق سے اور وکیل امانت کی تصدیق سے بری ہوں گے یعنی وکیل کی اس بارے میں تصدیق نہ ہو گی کہ موہوب لہ پر ثبوت ھبہ پیش کرے۔(۲۷۹)

۲۵۔ موکل نے اگر قرض کے تمام معاملات کی وصولی کے لیے کسی کو وکیل مقرر کیا یعنی اس سے کہا کہ تو میرا ہر حق وصول کرنے کے لیے وکیل ہے جو لوگوں پر آئیں یا وہ حق جو اس کے پاس ہو۔ ان حقوق کے قبضہ میں جو آئندہ پیدا ہوں اور شرکاء کی باہمی تقسیم کے واسطے جس حق کو مصلحتاً" روکنا چاہے روک دے اور جس حق کو دینا بہتر جانے دے دے۔ اس کے متعلق موکل نے یہ بھی کہا کہ یہ وکیل خصومت کرنے والا اور خصومت کے لیے ہے اس کے بعد کسی نے موکل کی طرف اپنے مال کا دعویٰ کیا اور موکل غائب ہو گیا اور وکیل نے قاضی کے سامنے اس کے وکیل ہونے کا اقرار کیا لیکن مال دینے سے انکار کیا مدعیوں نے اپنے گواہ موکل پر پیش کیے تو یہ وکیل گرفتار نہیں کیا جائے گا۔(۲۸۰)

۲۶۔ اگر مقروض مر گیا جس سے قرض وصول کرنے کے لیے موکل نے وکیل مقرر کیا تو اب ان الفاظ کو دیکھنا ہو گا اگر موکل نے کہا۔

"اقبض حقی من فلان" فلاں سے میرا حق وصول کرو۔ ان الفاظ سے وکیل وارثوں سے قرض وصول کرنے کا حقدار نہیں ہو گا کیونکہ اس میں ایسا حکم نہیں۔ اگر موکل نے کہا ہو۔

"اقبض حقی الذی قبل فلان او علی فلان"

میرا وہ حق وصول کرو جو فلاں کے ذمہ ہے تو ان الفاظ سے وہ وارثوں سے مطالبہ بھی کر سکتا

ہے اور قبض کا حق بھی رکھتا ہے کیونکہ وارث سے قبضہ اس طرح ہے جس طرح مورث سے قبضہ لینا۔(۲۸۱)

۲۷۔ اگر موکل نے کسی شخص سے اپنی امانت وصول کرنے کے لیے وکیل مقرر کیا۔ اس نے کہا کہ میں نے یہ امانت موکل کو دے دی ہے تو اس کا قول معتبر ہو گا۔ اگر موکل نے کسی جانور کو قرض کی صورت میں وصول کرنے کے لیے وکیل کیا پھر اس جانور نے بچہ دیا تو وکیل کو وہ جانور مع بچہ وصول کرنے کا اختیار ہو گا اگر عقد وکالت کے تعین سے پہلے اس نے بچہ دیا تو وکیل اس بچہ پر قبضہ کرنے کا مختار نہیں ہو گا۔(۲۸۲)

۲۸۔ ابن شحنہ فرماتے ہیں کہ دین کی وصولی کے بعد وہ دین وکیل کے پاس امانت کی حیثیت سے ہوتا ہے اگر وہ مال دوران سفر ہلاک ہو گیا یا گھر پر چھوڑ کر گیا تب ہلاک ہو گیا تو اس پر کوئی ضمان نہیں البتہ اگر کسی کو ودیعت کر دیا تو ضمان ہو گا۔(۲۸۳) اگر ہنگامی صورت میں وہ مال کسی کے سپرد کر دیا جیسے مال کو آگ لگ جانا یا کسی دشمن سے کسی خطرہ کا محسوس کرنا وغیرہ تو پھر کوئی مضائقہ نہیں ہو گا۔(۲۸۴)

۲۹۔ الجزیری نے بیان کیا ہے کہ ان صورتوں میں وکیل پر ضمان ہو گا۔

اگر اس نے وہ مال اس شخص کے سپرد کر دیا جس کو سپرد کرنے سے موکل نے منع کیا تھا یا اس نے اپنے مال سے اس طرح ملا دیا جسے جدا کرنا ممکن نہ ہو جیسے گندم میں جَو کو ملانا' دودھ میں پانی کو ملا دینا یا بے احتیاطی سے اس چیز کا ضائع ہو جانا۔(۲۸۵)

۳۰۔ وکیل اس شبہ کے باوجود کہ مالک وہ قرضہ معاف کر دے گا یا وہ مال جو کسی کے پاس ہے اس سے دستبردار ہو جائے گا وکیل کو وصولی قرضہ کے مطالبہ کا حق ہے۔(۲۸۶)

۳۱۔ ابن نجیم کے نزدیک قبض دین کے ضمن میں وکیل کی شہادت قابل قبول ہوتی ہے۔(۲۸۷)

۳۲۔ اگر کسی نے اپنے قرض پر قبضہ کے لیے وکیل مقرر کیا۔ وکیل نے جب مقروض سے مطالبہ کیا تو مقروض نے دعوی کیا کہ وہ اس کے موکل کو ادائیگی کر چکا ہے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کا یہ دعوی قبول کر لیا جائے گا جب کہ صاحبین کے نزدیک اصل چیز یا قرض پر مقروض کا دعوی موقوف رہے گا یعنی مقروض کو ادائیگی پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ موکل خود حاضر ہو اور وہ وضاحت کرے کہ اس نے قرض وصول کیا ہے یا نہیں۔(۲۸۸)

فصل سوم

احکام وکالت عقود الاسقاطات

عقود الاسقاطات سے مراد وہ معاہدے ہیں جن میں فریقین میں سے ایک فریق اپنے حق سے دستبردار ہو جاتا ہے۔ یہ عقود مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) عقد طلاق (۲) عقد خلع (۳) عقد ادائیگی قرض (۴) عقد عفو عن القصاص

احکام توکیل طلاق

طلاق کا لفظ عربی زبان میں قید اور بندش کے کھول دینے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ بندش محسوس ہو یا غیر محسوس جیسے کہا جاتا ہے۔

"اطلقت الناقة من العقال" (۲۸۹)

یعنی میں نے اونٹنی کو بندش سے کھول دیا۔

اسی طرح جب کسی عورت کی اپنے شوہر سے علیحدگی ہو جائے۔ تو کہا جاتا ہے۔

"اطلقها اطلاقا یا طلقت المراة" (۲۹۰) اس نے عورت کو چھوڑ دیا یا میں نے عورت کو چھوڑ دیا۔

اس کا مادہ طلق ہے۔ شرعی اصطلاح میں طلاق کی تعریف یہ ہے۔

"ازالة ملک النکاح" (۲۹۱) یعنی ملک نکاح کا ختم ہو جانا۔ طلاق کو انگریزی میں Divorce کہتے ہیں۔

شریعت اسلامیہ نے طلاق کا اختیار اگرچہ مرد کو دیا ہے اس لیے کہ عورت مرد کے مقابلے میں صبرو استقلال کا کم مظاہرہ کرتی ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی اور بچوں کی ہر ضرورت کا کفیل ہوتا ہے۔ وہ اس کا حق مہر ادا کرتا ہے۔ اس لیے فرمایا گیا۔

"فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره" (۲۹۲)

(ترجمہ) اگر آدمی عورت کو طلاق دے تو اسی عورت سے اس کا نکاح جائز نہیں یہاں تک کہ وہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے۔

قرآن مجید میں بھی طلاق دینے کے تمام احکام میں مرد و زن کو ہی مخاطب کیا گیا ہے۔

اسلام نے اگرچہ طلاق کا حق شوہر کو دیا ہے لیکن اس کے باوجود اسلام نے شوہر کو اجازت دی ہے کہ وہ یہ حق کسی دوسرے کو منتقل کر سکتا ہے۔ یہ دوسرا کوئی غیر بھی ہو سکتا ہے اور اس کی اپنی بیوی بھی۔ اس کو فقہ اسلامی میں توکیل فی الطلاق کہا جاتا ہے۔ اس توکیل کی تین صورتیں ہیں:

ا۔ بصورت نیابت بذریعہ رسالت

طلاق دینے والا شوہر کسی فرستادہ شخص کو اپنا نائب بنا کر اپنی بیوی کو طلاق دے۔ یہ قاصد بیوی سے جا کر کہے گا کہ تمہارا خاوند کہتا ہے کہ تمہیں اپنے بارے میں اختیار ہے کہ خود کو طلاق دے دو۔ اس صورت میں فرستادہ شخص موکل کا قول بعینہ نقل کرے گا۔ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہے گا۔

۲۔ بصورت توکیل

اس صورت میں شوہر طلاق دینے کے لیے کسی کو قائم مقام بناتا ہے اگرچہ اس کے دو بیویاں ہونے کی صورت میں ایک بیوی ہو یا کوئی دوسرا شخص۔ لیکن عورت خود کو طلاق دینے کے لیے خود وکیل نہیں بن سکتی کیونکہ وکیل دوسرے کے حق میں کارروائی کرتا ہے لیکن اس صورت میں عورت خود اپنے آپ کو طلاق دیتی ہے اس لیے یہ دوسرے کے لیے کارروائی نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس صورت میں اپنی بیوی کی خود اس کے لیے توکیل درست نہیں ہوگی۔ وکیل طلاق اختیار طلاق کو اپنے الفاظ میں استعمال کرے گا۔

۳۔ بصورت نیابت بذریعہ تفویض

یعنی طلاق دینے کا اختیار عورت کے سپرد کر دیا جاتا ہے جیسے مرد اپنی بیوی سے کہے کہ اپنے آپ کو طلاق دے دے یا اگر تو چاہے اور جب بھی چاہے طلاق دے سکتی ہے اس صورت میں شوہر اپنا حق طلاق ختم کر کے اپنی زوجہ کو دے دیتا ہے۔(۲۹۳)

احکام

طلاق کی توکیل سے متعلق فقہاء کرام نے چند اہم احکامات یہ بیان فرمائے ہیں۔

۱۔ اگر وکیل کو اختیار طلاق صراحتا" دیا گیا ہو تو وکیل اس اختیار کو موکل کی ہدایت کے مطابق عمل میں لانے کا پابند ہو گا۔(۲۹۴)

۲۔ موکل نے وکیل کو سنت طریقے(۲۹۵) کے مطابق طلاق دینے کے لیے وکیل کیا اور وکیل نے موکل کی بیوی کو خلاف سنت طریقے سے طلاق دی تو طلاق واقع نہ ہو گی۔ جیسے وکیل نے عورت کو حالت حیض یا اس طہر میں جس میں اس کے شوہر نے اس سے مباشرت کی تھی طلاق دی تو طلاق واقع نہ ہو گی۔(۲۹۶)

۳۔ جس وکیل کو موکل کی طرف سے وکالت عامہ حاصل ہو یعنی موکل نے اسے کہا ہو " **ماصنعت من شئی فھو جائز**" تو جو کرے درست ہے۔ اس وکالت عامہ میں بھی وکیل کو حق طلاق حاصل نہ ہو گا۔(۲۹۷)

۴۔ طلاق رجعی کے لیے موکل نے وکیل سے کہا تو اس نے ایک طلاق بائن دے دی تو اسے ایک طلاق رجعی تسلیم کیا جائے گا۔ اگر اسے بائن طلاق دینے کے لیے وکیل کیا اور اس نے ایک طلاق دی تو ایک بائن متصور ہو گی۔ لیکن ضروری ہے کہ وکیل نے کہا ہو کہ میں نے ایک طلاق بائن دی ہے اگر یہ کہا ہو کہ میں نے اسے بائن کر دیا ہے تو طلاق واقع نہ ہو گی۔(۲۹۸)

۵۔ ایک شخص کی دو بیویاں ہوں تو ایک شخص کو انہیں طلاق دینے کے لیے وکیل کیا اور اس نے ایک خاص عورت کو طلاق دی تو طلاق واقع ہو جائے گی۔(۲۹۹)

۶۔ اگر موکل نے کسی عورت کو معین نہیں کیا تو پھر وکیل نے ایک کو طلاق دی تو بھی جائز ہے۔ اگر سب کو طلاق دی تو بھی ایک عورت پر جائز ہو گی۔ اور شوہر کو اختیار ہو گا کہ وہ جسے چاہے معین کرے۔(۳۰۰)

۷۔ دو عورتوں سے کہا کہ اگر تم چاہو تو تم دونوں اپنے آپ کو تین طلاقیں دے دو لیکن ان میں سے ایک نے طلاق دی تو واقع نہ ہو گی۔ بشرطیکہ وہ دونوں اس مجلس میں تین طلاق پر اکٹھی نہ ہوں۔(۳۰۱)

۸۔ ایک شخص کو کسی نے وکیل کیا کہ اس کی بیوی کو تین طلاقیں دو اس نے ایک طلاق دی تو ایک واقع ہو جائے گی کیونکہ اس تبعیض سے موکل کو کوئی نقصان نہیں ہوتا بلکہ نفع ہوتا ہے۔(۳۰۲)

۹۔ موکل کی دو بیویاں ہیں اس نے ایک بیوی کو طلاق دینے کے لیے دوسری بیوی کو وکیل مقرر کیا

تو یہ توکیل بھی درست ہوگی۔(۳۰۳)

۱۰۔ اگر وکیل نے عورت سے غیر موطوہ طہر میں کہا کہ تجھے بطور سنت تین طلاقیں ہیں تو اس وقت ایک طلاق واقع ہوگی۔ دوسرے طہر میں اگر اس نے طلاق دی تو واقع ہوگی ورنہ نہیں۔(۳۰۴)

۱۱۔ دو اشخاص کو موکل نے کہا کہ غیر مرطوہ طہر میں بطور سنت طلاق دے دو۔ ان دونوں نے اکٹھے اس عورت کو طہر میں طلاق دے دی تو ایک طلاق واقع ہوگی۔ پھر دوسرے طہر میں جب تک دونوں طلاق نہ دیں طلاق واقع نہ ہوگی۔ البتہ اگر وکیل اور شوہر نے اکٹھی ایک طہر میں طلاق دی تو پھر وکیل نے دوسرے طہر میں اسے طلاق دی تو ایک دوسری طلاق واقع ہوگی۔(۳۰۵)

۱۲۔ کسی نے ایک وکیل سے کہا کہ میری عورت کو سنت طریقے سے بائن طلاق دے دو۔ اس کے بعد اس شخص یعنی موکل نے دوسرے وکیل سے کہا کہ اس کی بیوی کو بطور سنت ایک طلاق رجعی دے دو پھر ان دونوں نے ایک ہی طہر میں اسے طلاق دے دی تو اس پر ایک طلاق واقع ہو گی مگر شوہر کو اختیار ہوگا کہ وہ چاہے طلاق بائن(۳۰۶) مقرر کرے یا طلاق رجعی۔(۳۰۷)

۱۳۔ توکیل طلاق میں وکیل مقرر کرنے کے باوجود شوہر کو طلاق دینے کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔ وہ جب چاہے وکیل کے اختیار کو محدود کر سکتا ہے یا اس سے واپس لے سکتا ہے۔ بشرطیکہ وکیل نے اس اختیار کو استعمال نہ کیا ہو۔

۱۴۔ اگر موکل نے وکیل سے کہا کہ اس کی بیوی کو اس سال طلاق دے دو اور اس نے اس سال طلاق نہیں دی یا سال کے بعد طلاق دی تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔(۳۰۸)

۱۵۔ وکیل طلاق کسی دوسرے شخص کو وکیل ثانی مقرر نہیں کر سکتا۔ اگر اس نے مقرر کیا اور اس کے سامنے طلاق دی یا کسی اجنبی نے پہلے طلاق دے دی بعد میں وکیل نے اس شخص کو اجازت دی تو اس طرح طلاق واقع نہیں ہوگی۔(۳۰۹)

۱۶۔ شوہر نے وکیل سے کہا کہ میری عورت کو دس ہزار روپے کے عوض تین طلاقیں دے دو۔ اس نے اتنے معاوضہ پر ایک یا دو طلاق دے دی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔(۳۱۰)

۱۷۔ وکیل نے اگر تشدد کے بعد کسی کو وکالت نکاح کے متعلق کہا اور اس سے کہا "**انت وکیلی**" تو میرا وکیل ہے اور اس کے وکیل نے طلاق دے دی' تو طلاق واقع ہوگی(۳۱۱) اگرچہ وہ مکرہ(۳۱۲) تھا۔

۱۸۔ کسی شخص نے دو اشخاص کو توکیل طلاق سونپی اور دونوں کو اکٹھے طلاق دینے کو کہا ان میں سے ایک نے طلاق دی پھر دوسرے نے طلاق دی یا ایک نے طلاق دی اور پھر دوسرے نے اجازت دی تو طلاق واقع نہ ہو گی۔ اگر دو وکیلوں سے کہا کہ میری بیوی کو تین طلاقیں دیجئے تو ان میں سے ایک نے طلاق دی پھر دوسرے نے دو طلاقیں دیں تو کوئی طلاق واقع نہ ہو گی یہاں تک کہ وہ تین طلاقوں پر اکٹھے نہ ہوں۔(۳۱۳)

۱۹۔ اگر وکیل نے نشہ(۳۱۴) کی حالت میں طلاق دی تو طلاق واقع نہ ہو گی۔(۳۱۵)

۲۰۔ اگر مجنون کو طلاق دینے کے لیے وکیل مقرر کیا اور اس نے وکالت کو قبول کر لیا اب جب اسے جنون سے افاقہ ہو تو وکالت بحال ہو جائے گی۔(۳۱۶)

۲۱۔ کسی کو وکیل طلاق مقرر کیا اور وکیل غائب ہو گیا وکیل اس عقد وکالت سے لاعلم تھا اگر اس نے اس حالت میں موکل کی بیوی کو طلاق دی تو یہ طلاق باطل ہو گی۔ کیونکہ علم توکیل سے قبل وکالت کا انعقاد نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر کسی کو طلاق کا وکیل مقرر کیا اور اس نے انکار کر دیا تو بھی اس کی دی ہوئی طلاق موثر نہیں ہو گی۔(۳۱۷)

۲۲۔ شوہر نے وکیل سے کہا کہ میری بیوی کو طلاق دے دو اس نے تین طلاقیں دے دیں اب اگر شوہر کی تین طلاقوں کی نیت ہو تو تین ہی شمار ہوں گی۔ اگر تین کی نیت نہ کی تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک طلاق واقع نہ ہو گی جب کہ صاحبین کے نزدیک ایک طلاق واقع ہو گی۔(۳۱۸)

۲۳۔ موکل نے وکیل سے تین طلاقیں دینے کو کہا۔ وکیل نے موکل کی مرض الوفات میں اس کی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ دوران عدت اس کا شوہر فوت ہو گیا تو عورت وراثت کی حقدار ہو گی۔(۳۱۹)

۲۴۔ اگر ایک طلاق کے لیے شوہر نے وکیل مقرر کیا اور وکیل نے دو طلاقیں دے دیں تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مخالفت کی بنا پر کوئی طلاق واقع نہیں ہو گی۔ جب کہ صاحبین کے نزدیک ایک طلاق واقع ہو گی۔ اسی طرح اگر موکل نے کہا کہ میری عورت کو طلاق دے دو اور وکیل نے تین طلاقیں دے دیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اب اگر شوہر نے تین کی نیت کی تو واقع ہو جائیں گی ورنہ نہیں۔ جب کہ صاحبین کے نزدیک ایک طلاق واقع ہو گی۔(۳۲۰)

۲۵۔ اگر وکیل سے طلاق دینے کو کہا پھر شوہر نے خود بھی طلاق دے دی تو جب تک وہ عورت عدت میں ہو وکیل کی طلاق اس پر موثر نہ ہو گی۔ اگر عدت گزر گئی یا اتفاق سے دوبارہ پہلے شوہر

۲۶۔ موکل نے وکیل سے کہا کہ تو طلاق میں وکیل ہے اگر تو چاہے۔ اگر اس نے اس مجلس میں اظہار قبولیت کیا تو وکالت درست ہو گی۔ اگر ایسے ہی وہاں سے چلا گیا تو وکالت قائم نہ ہو گی۔ اگر کہا کہ تو میرا طلاق میں وکیل ہے لیکن تیرا یہ اختیار تین یوم تک محدود ہے اس طرح وکالت جائز اور شرط باطل ہو گی۔(۳۲۲)

۲۷۔ ایک شخص کی اگر چار عورتیں ہوں تو اس نے کسی کو وکیل طلاق مقرر کیا لیکن کسی عورت کا خاص ذکر نہیں کیا اگر اس نے ایک کو طلاق دے دی تو طلاق واقع ہو گی۔ اگر کہا کہ اس کی عورت کو طلاق دے تو وکیل نے تین طلاقیں دے دیں۔ اگر موکل کی نیت تین کی ہو گی تو تین واقع ہو جائیں گی۔(۳۲۳)

۲۸۔ وکیل نے کسی سے کہا کہ تم میری بیوی کو طلاق دے دو میں نے یہ معاملہ تمہارے حوالے کیا تو یہ وکالت اس مجلس تک محدود رہے گی۔ اگر یہ کہا کہ میں فلاں عورت سے اگر نکاح کروں تو تم اسے طلاق دے دینا۔ پھر موکل نے اس عورت سے نکاح کر لیا اور وکیل نے طلاق دے دی تو نافذ ہو جائے گی۔(۳۲۴)

۲۹۔ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے اور اس نے کہا میں نے طلاق دی تو ایک طلاق رجعی واقع ہو گی خواہ ایک طلاق کی نیت کی ہو یا زیادہ کی۔(۳۲۵)

۳۰۔ کسی شخص کی چار بیویاں ہوں اور وکیل سے کہے کہ تو میری عورت کو طلاق دے وکیل نے کہا میں نے تیری عورت کو طلاق دی تو اب زوج کو اختیار ہے کہ وہ اس طلاق کو کس پر منطبق کرے۔ اگر وکیل نے ایک مقررہ عورت کو طلاق دی بعد میں موکل نے کہا کہ میری مراد یہ نہ تھی وہ سچ نہیں ہو گا اور طلاق واقع ہو جائے گی۔(۳۲۶)

احکام توکیل خلع

خلع کا لفظ عربی زبان میں "المنع والنزع" یعنی روکنا اور اتارنا کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔
کہا جاتا ہے "خلع النعل"(۳۲۷) اس نے جوتا اتارا۔
فقہی اصطلاح میں خلع کی تعریف یہ کی گئی ہے۔

"ھو ازالة ملک النکاح المتوقفة علی قبول المراة بلفظ الخلع او ما فی معناہ" (۳۲۸)

یعنی ملکیت نکاح کو اس طرح ختم کرنا جس میں بیوی خلع یا اس کے ہم معنی لفظ استعمال کرے۔
خلع کو انگریزی میں Divorce Obtained by wife on payment کہتے ہیں۔
خلع ایک مالی معاوضہ کا ایک معاملہ ہے جس میں عورت اپنے نفس کی خود مالک ہو جاتی ہے اور خاوند اس معاوضہ کا حقدار ہو جاتا ہے۔ خلع کے پانچ ارکان ہیں جن کو پورا کرنا تکمیل خلع کے لیے ضروری ہے۔

(۱) خاوند (۲) بیوی (۳) معاوضہ۔ یعنی وہ رقم یا مال جو بیوی اپنی عصمت کے عوض خاوند کو ادا کرتی ہے۔ (۴) بضع۔ وہ نسوانی خصوصیت جس سے خاوند بہرہ مند ہوتا ہے۔ (۵) مستلزم العوض۔ معاوضہ کا ذمہ دار ہونا یہ ذمہ دار بالعموم بیوی ہوتی ہے۔

ان ارکان میں سے اگر کوئی رکن موجود نہ ہو تو خلع نہیں ہو سکتا۔ خلع کی تکمیل طلاق بائن کی حیثیت رکھتا ہے۔(۳۲۹)

وکیل خلع کے لیے عمومی شرائط کے علاوہ ضروری ہے کہ وہ مسلمان ہو۔ بشرطیکہ میاں بیوی دونوں مسلمان ہوں۔ اگر ان میں کوئی ایک اہل کتاب ہو تو وکیل خلع بھی غیر مسلم ہو سکتا ہے۔(۳۳۰)

احکام

فقہاء کرام نے توکیل خلع کے ضمن میں یہ احکامات بیان کیے ہیں۔

۱۔ اگر کسی نے وکیل سے کہا کہ وہ ایک ہزار روپے کے عوض تین طلاقیں دے وکیل نے تین ہزار روپے کے عوض ایک طلاق دی تو خلع واقع نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی مال خلع پر وکیل قبضہ کا حقدار ہوگا۔(۳۳۱)

اتنے مال پر خلع کرے لیکن وکیل نے اس حق مہر پر جو عورت نے وصول کیا تھا پر خلع کر لیا تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ عورت پر قرض تھا اور وکیل اس سے کچھ نہیں لے سکتا۔(۳۳۲)

۳۔ خلع کا وکیل خلع کرتے وقت خلع کی نسبت اپنے موکل کی طرف ہی کرے گا۔ وہ یہ نہیں کہے گا کہ مجھ سے خلع کرلو۔(۳۳۳)

۴۔ ایک عورت نے خلع پر دو وکیل مقرر کیے تو ان میں سے ایک نے خلع کیا تو اس کا یہ خلع جائز نہیں ہو گا۔ اگر ایک نے خلع کیا اور دوسرے نے اجازت دی تو بھی خلع نہیں ہو گا صحیح خلع اس وقت ہو گا جب دونوں وکیل اکٹھے کہیں کہ ہم نے اپنی موکلہ کی طرف سے خلع کیا ہے۔(۳۳۴)

۵۔ خلع کے لیے مقرر شدہ وکیل جب تک موکل اسے معزول نہ کرے وہ اس مجلس میں بھی اور بعد میں بھی خلع کر سکتا ہے۔(۳۳۵)

۶۔ موکل نے وکیل سے کہا کہ میری عورت سے خلع کرو۔ اگر وہ انکار کرے تو اسے طلاق دے دینا۔ عورت نے انکار کر دیا اور وکیل نے طلاق دے دی۔ اب پھر بیوی نے خلع کرنے کو کہا اور وکیل نے عدت میں خلع کر لیا۔ اگر وکیل نے اس عورت کو طلاق رجعی دی تو خلع درست ہو گا ورنہ نہیں۔(۳۳۶)

۷۔ اگر میاں بیوی ایک ہی شخص کو خلع کے لیے وکیل مقرر کریں۔ مرد کہے کہ میری عورت سے خلع کر، عورت کہے کہ اس کے مرد سے خلع کر۔ وکیل نے ان سے ملے بغیر خود ہی خلع کر لیا۔ تو یہ خلع باطل ہو گا۔ کیونکہ خلع بیع کی طرح ہے جس میں دونوں کی رضامندی ضروری ہے نیز عورت کم رقم پر اور مرد زیادہ رقم پر خلع کرنے کا خواہش مند ہوتا ہے۔(۳۳۷)

۸۔ ایک شخص نے کسی کو اس امر پر وکیل مقرر کیا کہ وہ اس کی عورت سے خلع کرے اس نے ایک درہم پر خلع کر لیا تو یہ خلع امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عمومیت کی بنا پر جائز ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک درست نہیں کیونکہ ایک درہم پر خلع کرنا دھوکہ دہی کے مترادف ہے۔(۳۳۸)

۹۔ محض خلع کے وکیل کو بدل خلع یعنی وہ رقم جس پر خلع ہو کی رقم پر قبضہ کرنے کا اختیار نہیں ہوتا تاوقتیکہ موکل اسے اختیار نہ دے۔ اس لیے کہ اس کی حیثیت صرف پیغام رساں کی ہے۔(۳۳۹)

نے اس خادم کے عوض خلع کیا جو اس کا تھا تو یہ بدل خلع بیوی کی رضامندی کے بغیر لینا جائز نہیں۔ اگر مرد نے اپنی بیوی کو خلع پر وکیل بنایا یعنی اسے کہا کہ تو خود ہی خلع کر لے تو یہ خلع بھی شوہر کی رضامندی سے ہو گا۔ اسی طرح اگر موکل نے وکیل سے کہا کہ اس کی بیوی سے خلع کر اس نے خلع کیا۔ خلع چونکہ طلاق بائن کے برابر ہے لیکن اس کی عدت میں یا بعد میں اس نے دوبارہ اپنے مرد سے نکاح کر لیا تو دوبارہ وکیل خلع نہیں کر سکتا۔(۳۴۰)

۱۱۔ اگر بدل خلع مال حرام ہو جیسے خنزیر یا شراب وغیرہ یعنی مرد کے وکیل نے عورت سے کہا کہ اتنی بوتل شراب لاؤ یا عورت کے وکیل نے کہا کہ میں آپ کو اتنے خنزیر دیتا ہوں کہ میری موکلہ سے خلع کر لو تو یہ خلع باطل ہو گا۔ البتہ اگر ذمی یا کتابیہ عورت کے وکیل نے شراب یا خنزیر پر خلع کیا تو یہ جائز ہو گا۔ کیونکہ اہل کتاب اور ذمیوں کے نزدیک شراب اور خنزیر مال متقوم ہے۔ اگر زوجین مسلمان ہیں لیکن ان میں سے ایک نے خلع کا وکیل کافر مقرر کیا تو خلع جائز ہے لیکن اگر اس کافر نے حرام شے کو بدل خلع بنایا تو وہ جائز نہیں ہو گا۔ کیونکہ بدل خلع کا اصل مالک شوہر ہے جو کہ مسلمان ہے اور اس کے لیے یہ حرام ہے۔(۳۴۱)

۱۲۔ اگر وکیل خلع کے لیے عورت نے بدل خلع کا ذکر نہیں کیا تو وکیل مہر کی معافی پر بھی خلع کر سکتا ہے لیکن مہر مثل سے کم کی معافی پر خلع نہیں کر سکتا۔(۳۴۲)

۱۳۔ اگر موکل نے عورت کے مال پر خلع کرنے یا بغیر مال کے طلاق دینے پر وکیل مقرر کیا پھر وہ زوج مرتد ہو کر دار الحرب چلا گیا یا ویسے مر گیا پھر وکیل نے خلع کیا یا عورت کو طلاق دی۔ اس پر عورت نے کہا کہ اس نے اس کے شوہر کی موت کے بعد یا دار الحرب سے الحاق کے بعد خلع کیا ہے تو عورت کا قول معتبر ہو گا اور طلاق و خلع باطل ہو گا اگر وکیل نے مضبوط دلائل دیے تو پھر وکیل کا قول معتبر ہو گا۔(۳۴۳)

احکام توکیل ادائیگی قرض

قرض کو عربی زبان میں دین اور ادائیگی قرض کو قضاء الدین کہا جاتا ہے جب کہ انگریزی میں اسے Payment of debt or financial liability کہتے ہیں۔ اس کے عناصر یہ ہیں۔

دائن۔ قرض دینے والا یا قرض خواہ۔

مدیون۔ مقروض

دین۔ قرض(۳۴۴)

وصولی دین کا تعلق عقود التملیک سے ہے جب کہ قضاء الدین کا تعلق عقود الاسقاطات سے ہے۔

اس وکالت کی مشروعیت اس حدیث سے ثابت ہوتی ہے جو حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

عن جابر بن عبداللّٰہ فی قصة اشترا النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم جملہ و فیہ انہ قال بل بعنیہ قد اخذ تہ باربعة دنانیر ولک ظھرہ الی المدینة قال فلما قدمنا المدینہ قال یا بلال اقضہ وزدہ فاعطا اربعة دنانیر وزادہ قیراطا"(۳۴۵)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جابر بن عبداللہؓ کے درمیان ایک اونٹ کی خریداری کے بارے میں روایت ہے کہ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تم مدینہ تک اس پر سواری کرو۔ پھر جب ہم مدینہ پہنچے تو آپ نے فرمایا اے بلال انہیں اونٹ کی قیمت ادا کرو اور کچھ زیادہ دو تو حضرت بلالؓ نے چار دینار اور ایک قیراط دیا۔

اسی طرح ایک اور روایت ہے کہ ایک شخص کا ایک خاص عمر کا اونٹ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ذمہ تھا وہ آپ سے مانگنے آیا تو آپ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا اسے دے دو۔(۳۴۶)

ان دونوں روایات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ادائیگی قرض میں دوسرے کو وکالت سونپی۔ حضرت بلالؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے آپ کی طرف سے قرض ادا کیے۔

وکالت کی اس مشروعیت کے تحت علامہ عبدالوہاب شعرانی نے لکھا ہے۔

اجمع الائمة علی ان الوکالة من العقود الجائزة فی الجملة--- کالبیع والشراء والاجارة وقضاء الدیون---(۳۴۷)

علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ تمام جائز معاملات جیسے خرید و فروخت' اجارہ اور ادائیگی قرض وغیرہ میں توکیل جائز ہے۔

بہرحال ادائیگی قرض کے لیے توکیل جائز ہے اگرچہ فریق ثانی راضی ہو یا نہ ہو۔ موکل خواہ موجود ہو یا غائب' مریض ہو یا تندرست' بشرطیکہ موکل ادائیگی قرض کا اقرار کرتا ہو۔(۳۴۸)

احکام

کتب فقہ میں ادائیگی دین سے متعلق وکالت کے یہ احکام ملتے ہیں۔

۱۔ ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ تم میرا قرض ادا کر دو یا میرے ذمہ جو سرکاری ٹیکس ہے وہ ادا کر دو یا فلاں کے جو میرے ذمہ ہزار روپے ہیں ان کی ضمانت دے دو یا میرے عیال پر اتنا خرچ کر دو یا میرے گھر کی تعمیر میں اتنا روپیہ لگا دو تو وکیل اگر یہ بات پوری کر دے تو وہ موکل سے اپنی خرچ کی ہوئی رقم کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ اگرچہ موکل نے عقد وکالت میں یہ کہا ہو یا نہ کہا ہو کہ تم مجھ سے بعد میں یہ رقم لے لینا۔ وکیل سے اگر موکل نے کہا کہ فلان کو اتنے روپے دے دو یا فلاں کو اتنے روپے ادا کر دو اور ساتھ یوں نہ کہا کہ میری جانب سے ادا کرو یا میں ضامن ہوں یا تمہاری طرف سے ادا شدہ رقم میرے ذمہ ہوگی تو اگر وکیل موکل کا شریک ہے یا خلیط(۳۴۹) تو مال یا رقم کا مطالبہ کر سکے گا اگر وہ شریک یا خلیط نہیں تو وکیل موکل سے رجوع نہیں کر سکے گا البتہ جسے وہ رقم ادا کی ہو اس سے رجوع کر سکے گا۔(۳۵۰)

۲۔ موکل نے کسی شخص کو اپنی طرف سے قرض ادا کرنے کے لیے وکیل مقرر کیا۔ وکیل نے موکل کی طرف سے قرض ادا کر دیا۔ جب وکیل نے ادا شدہ یہ قرض موکل سے طلب کیا تو وہ کہنے لگا مجھے خوف ہے کہ مقروض اس کی ادائیگی سے انکار کر دے اور وہ دوبارہ مجھ سے وصول کرے تو موکل کی بات غیر موثر ہوگی اور اسے کہا جائے گا کہ وہ وکیل کا حق ادا کرے۔ اگر مقروض نے ادائیگی قرض کے بعد موکل سے کچھ رقم لی تو موکل اسی قدر رقم وصول کرے گا۔(۳۵۱)

۳۔ ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ زید کا میرے ذمہ جو قرض ہے وہ تم ادا کردو۔ وکیل نے اس قرض کو ادا کر دیا پھر موکل سے وہ رقم قرض لینے آیا تو اس نے کہا کہ نہ تو زید کا کوئی قرض میرے ذمہ تھا اور نہ ہی میں نے تمہیں اس کی ادائیگی کا حکم دیا تھا اور نہ ہی تم نے کچھ ادائیگی کی ہے۔ موکل نے یہ انکار قرض خواہ کی یعنی زید کی عدم موجودگی میں کیا لیکن وکیل نے قرض کی ادائیگی کا حکم اور ادائیگی پر شہادت پیش کی تو موکل کو وہ رقم ادا کرنا ہوگی۔(۳۵۲)

۴۔ موکل نے ادائیگی قرض کے لیے وکیل مقرر کیا اور کہا کہ تم اپنے مال میں سے میرا اتنا قرض ادا کردو۔ وکیل نے وعدہ کر لیا لیکن بعد میں اس نے ادائیگی سے انکار کر دیا تو اب اسے قرض کی ادائیگی پر مجبور نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وکیل کو توکیل شدہ امر کو کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔(۳۵۳)

۵۔ وکیل نے اگر وصولی قرض کی بجائے اسے اپنا مال فروخت کر دیا اور موکل کے قرض کے بدلے برابر کر دیا تو موکل سے قرض کی مقدار لے سکے گا۔ اگرچہ وکیل نے اپنا مال مثلی قیمت سے زائد پر فروخت کیا ہو اور موکل کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ مثلی قیمت سے زیادہ وکیل کو ادا کرے۔(۳۵۴)

۶۔ ایک شخص نے دوسرے کو ایک ہزار روپے دیے اور اسے حکم دیا کہ یہ رقم میرے قرض خواہ کو دے دو۔ وکیل نے اپنے پاس سے قرض خواہ کو دوسرے ہزار روپے دے دیے یا اس کے ہاتھ ہزار روپے میں اپنا کپڑا فروخت کر دیا یا خود وکیل کا قرض خواہ کے ذمہ ہزار روپے کا قرض تھا اور دونوں نے مقاصہ (برابر برابر کرنا) کر لیا تو یہ تمام صورتیں جائز ہیں۔(۳۵۵)

۷۔ اگر وکیل نے بغیر گواہوں کے قرض ادا کر دیا تو وکیل پر کوئی ضمان نہیں ہوگا اگر موکل نے اسے عقد وکالت کے وقت کہا تھا کہ گواہوں کے بغیر قرض ادا نہ کرنا اور وکیل نے قرض ادا کر دیا تو اس وقت وکیل ضامن ہوگا۔ اگر وکیل نے کہا کہ میں نے گواہ مقرر کیے تھے لیکن مقرر گواہ انکار کرتا ہے تو وکیل پر گواہ پیش کرنا ضروری نہیں اور وکیل ضمان سے بری ہوگا۔ اسی طرح اگر موکل نے کہا فلاں شخص کی موجودگی کے بغیر قرض ادا نہ کرنا اور وکیل نے ادا کر دیا تو اسے ضمان ادا کرنا ہوگا۔ اسی طرح موکل نے وکیل سے کہا کہ جب تک تم قرض خواہ سے وصولی کی رسید نہ لو اسے رقم نہ دینا۔ وکیل نے موکل کی ہدایت کے خلاف ادائیگی کی یعنی اس سے رسید نہ لی۔ بعد میں قرض خواہ نے وصولی قرض سے انکار کر دیا اور وکیل قرض خواہ کے قبضہ اور وصولی کو ثابت

نہ کر سکا تو موکل وکیل سے تاوان وصول کر سکتا ہے اس لیے کہ جب موکل نے وکیل پر ایسی شرط عائد کی ہے جو ہر لحاظ سے مفید ہو تو وکیل کو وہ شرط پورا کرنے واجب ہوتا ہے۔(۳۵۶)

۸۔ ایک شخص کو ادائیگی قرض کے لیے موکل نے وکیل مقرر کیا پھر موکل نے خود ہی اپنے مال سے قرض خواہ کو قرض ادا کر دیا یا اسے قرض ھبہ کر دیا بعد میں وکیل نے بھی قرض خواہ کو قرض ادا کر دیا اس صورت میں وکیل قرض خواہ سے اپنی رقم وصول کرے گا نہ کہ موکل سے اس لیے کہ موکل کی ادائیگی کی وجہ سے وکیل وکالت سے معزول ہو گیا بشرطیکہ موکل نے وکیل کو اس کی ادائیگی کی اطلاع کر دی ہو اگر وکیل نے اس بات پر دلائل یا گواہ پیش کیے کہ اس نے عقد وکالت کے بعد اور موکل کی ادائیگی سے پہلے قرض ادا کیا تھا تو وکیل کو اختیار ہو گا وہ رقم قرض خواہ سے وصول کرے یا موکل سے اور اسے اس ادائیگی پر کوئی ضمان نہیں ہو گا(۳۵۷)

۹۔ اگر موکل کا قرض وکیل کے ذمہ واجب الادا ہو اور موکل نے وکیل سے کہا کہ تم میرا قرض اس میں سے ادا کر دو تو وکیل کو اس کی ادائیگی پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔ موکل نے اگر وکیل سے کہا کہ میرا یہ مال فروخت کرو اور اس کی قیمت میں سے میرا قرض ادا کر دو تو اگر وکیل بلا اجرت ہو تو اسے فروختگی پر مجبور نہیں کیا جا سکتا اور اگر وکیل اجرت یعنی معاوضہ پر ہو تو اس کو مال کی فروخت اور ادائیگی پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔(۳۵۸)

۱۰۔ وکیل نے قرض خواہ کو موکل کے قرض سے بہتر قرض ادا کیا یا جیسے اس نے کہا تھا اس سے بہتر دیا مثلاً قرض خواہ کو درمیانی قیمت کی گندم ادا کرنا تھی اور وکیل نے اعلیٰ قسم کی گندم ادا کی تو وہ اس فرق کو موکل سے وصول کر سکتا ہے۔ اسی طرح اگر اس نے ادنی قسم کا قرض ادا کیا تو بھی وہ موکل کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔(۳۵۹)

۱۱۔ ایک شخص نے کسی کو ادائیگی قرض کے لیے وکیل مقرر کیا۔ وکیل نے کہا میں نے قرض ادا کر دیا مگر موکل اور قرض دار دونوں نے اس کی تکذیب کی تو اب وکیل اپنی براءت قولاً پیش کرے گا۔ قرض خواہ کا بیان قبضہ نہ کرنے میں لیا جائے گا اور قرض ساقط نہ ہو گا۔ اس صورت میں قسم صرف اسپر واجب ہو گی جس نے تکذیب کی۔ اگر وکیل کی ادائیگی قرض میں تصدیق ہو گئی تو قرض خواہ قسم دے گا۔ کہ خدا کی قسم اس نے قرض وصول نہیں کیا۔ اگر اس نے قسم اٹھالی تو اس کا قرضہ ساقط نہ ہو گا' اگر وہ قسم اٹھانے سے باز رہا تو قرض ساقط ہو جائے گا۔ اگر اس نے دوسرے کی تصدیق کی کہ اس نے وصول نہیں کیا تو وکیل سے قسم لی جائے گی کہ اس نے قرض

ادا کر دیا ہے قسم اٹھانے سے وہ بری ہو جائے گا بصورت دیگر وہ ضامن ہو گا۔(۳۶۰)

۱۲۔ اگر کسی کے ذمہ مال مضمون ہو جیسے قرض اور مال مغضوب غاصب کے پاس ہونا۔ پھر صاحب قرض یا مغصوب عنہ (جس کا مال غصب ہوا ہو) نے اس کو وکالتاً حکم دیا کہ یہ مال فلاں شخص کو دے دے اور وکیل نے کہا کہ میں نے ایسا کیا لیکن قرض خواہ نے کہا کہ میں نے قبضہ نہیں پایا تو وکیل کی تصدیق گواہوں کے ساتھ کی جائے گی بشرطیکہ موکل نے اس کی تصدیق کی ہو اس طرح وہ ضمان سے بھی بری ہو گا۔(۳۶۱)

۱۳۔ اگر مقروض مرگیا جس کی طرف موکل نے وکیل کو یہ الفاظ کہہ کر بھیجا۔ "**اقبض حقی من زید**" زید سے میرا حق وصول کر لو۔ زید نے بھی ادائیگی کے لیے وکیل مقرر کیا تو یہ اس سے وصول کر سکتا ہے یعنی ادائیگی کے وکیل سے وصولی کا وکیل رقم یا دین وصول کر سکتا ہے۔(۳۶۲)

۱۴۔ موکل نے وکیل کو کچھ رقم دی اور کہا کہ یہ فلاں قرض خواہ کو دے دو تو موکل کے دیگر قرض خواہ اس رقم سے حصہ نہیں لے سکتے۔ اور وکیل کے لیے بھی جائز نہیں کہ وہ یہ رقم موکل کے تعین کردہ قرض خواہ کے علاوہ کسی دوسرے قرض خواہ کو دے اگر دے گا تو موکل کے حکم کی مخالفت کے باعث اس پر ضمان آئے گا۔(۳۶۳)

دوسرے قرض خواہوں کو حصہ لینے کا حق اس لیے نہیں ہو گا کہ مقروض کو حق ہوتا ہے کہ وہ ادائیگی میں ایک قرض خواہ کو دوسرے پر ترجیح دے البتہ اگر موکل مرض الموت میں مبتلا ہو اور اس کا ترکہ تمام قرض خواہوں کے قرض کے برابر نہ ہو تو اس صورت میں دیگر قرض خواہ بھی اپنا حصہ وصول کر سکتے ہیں۔(۳۶۴)

۱۵۔ موکل نے اگر ادائیگی قرض کے لیے وکیل کیا اور موکل کی موت واقع ہو گی لیکن موت کی لاعلمی میں وکیل نے رقم قرض خواہ کو ادا کر دی تو وہ رقم ترکہ میں شامل نہ ہو گی اور وکیل قرض خواہ سے وہ رقم واپس نہیں کر سکے گا۔ اگر ادائیگی قرض سے قبل موکل کی موت سے وکیل کو علم ہو گیا تو اب وکیل کو چاہیے وہ قرض ادا نہ کرے اور قرض خواہ اپنا قرض موکل کے ترکہ سے وصول کریں گے اس لیے کہ قبضہ سے پیشتر رقم قرض خواہ کی ملکیت میں داخل نہیں ہوئی۔ اور موکل کی موت سے وکیل معزول ہو چکا لہٰذا وکیل کے پاس رقم اب امانت ہے جو کہ میت کے ترکہ میں شامل ہو گئی اب وکیل پر لازم ہے کہ وہ یہ رقم میت کے وارثوں کو سپرد کر دے یہ اس صورت میں ہے جب قرض میت کے ترکہ کے برابر یا اس سے زائد ہو۔ کیونکہ یہ وارث کا حق

ہے کہ وہ میت کی امانتوں کو اپنے قبضہ میں لے اور ان میں سے میت کے قرض خواہوں کو قرضے ادا کرے البتہ اگر کوئی وارث ایسا ہو جس سے یہ خوف ہو کہ اگر رقم اس کو واپس کی گئی تو اس رقم کو فوراً ختم کر دے گا۔ اور قرض خواہوں کو قرض نہ ملے گا تو اس صورت میں قرض خواہ عدالت سے رجوع کریں گے۔(۳۶۵)

۱۶۔ موکل نے وکیل سے کہا کہ یہ مال لے لو اور فلاں فلاں کو دے دو تو اس نے جس کو بھی دے دیا یہ قیاساً اور استحساناً جائز ہو گا۔(۳۶۶)

۱۷۔ موکل نے کہا کہ **"اقض عنی فلانا من مالک الف درھم"** یعنی فلاں کو میری طرف سے اپنے مال میں سے ہزار درہم دے دو۔ تو میں تجھے ادا کروں گا۔ وکیل نے کہا میں نے فلاں کو ادا کر دیے اور موکل نے بھی تصدیق کر دی۔ اب اگر اس کی تصدیق ہو تو قرض خواہ موکل سے ہی مطالبہ کرے گا۔(۳۶۷)

۱۸۔ وصی نے میت کے قرض کی ادائیگی یا اس کی وصیت موصی لہ یعنی جس کے حق میں وصیت کی گئی کو دینے کے لیے وکیل کیا تو یہ بھی جائز ہے۔ (۳۶۸)

۱۹۔ اگر کسی کو مال قرض دینے کے لیے وکیل مقرر کیا پھر وکیل مرتد ہو گیا۔ ارتداد کی حالت میں اس نے قرض ادا کیا تو جائز ہے۔ اگر موکل قرض لوٹانے سے قبل مرتد ہو گیا اور دارالحرب چلا گیا پھر وکیل نے کہا کہ میں نے اس کے مرتد ہونے سے قبل مال لوٹا دیا ہے تو اس کا قول معتبر ہو گا۔ کیونکہ اس نے اس چیز کی خبر دی جس کا اسے حکم دیا گیا تھا۔(۳۶۹)

۲۰۔ موکل نے وکیل کو کچھ مال دیا کہ فلاں کو دے دو پھر جسے دینا تھا اس کے بارے میں اختلاف ہو گیا۔ موکل کہتا ہے کہ میں نے الف کو دینے کے بارے میں کہا تھا جب کہ وکیل کہتا ہے کہ تم نے ب کو دینے کے متعلق کہا تھا۔ اور میں اسے دے چکا ہوں تو وکیل کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہو گا۔ کیونکہ دونوں وکیل اور موکل کسی کو رقم دینے پر متفق نہیں لہٰذا وکیل امین ہوا اور قول امین کا لیا جاتا ہے۔(۳۷۰)

۲۱۔ اگر موکل نے وکیل کی ادائیگی کا انکار کیا اور وکیل نے ادائیگی پر گواہ و ثبوت پیش کیے جب کہ قرض خواہ موجود نہ ہو تو وکیل کے دلائل کو قبول کیا جائے گا اگر قرض خواہ بعد میں آئے اور وہ بھی وصولی سے انکار کر دے تو اس کا انکار درست نہیں سمجھا جائے گا۔(۳۷۱)

احکام وکالت عفو عن القصاص

عفو کا لفظ عربی زبان میں کسی چیز کو لینے کا ارادہ کرنے، درگزر کرنے، زائد مال اور بڑھانے کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔(۳۷۲) اصطلاح میں قصاص کہتے ہیں۔

"ان یفعل بالفاعل الجانی مثل ما فعل"(۳۷۳)

جانی (نقصان پہنچانے والے) کو اتنا نقصان پہنچانا جتنا اس نے کسی کو نقصان پہنچایا ہو۔ عفو عن القصاص کا مطلب ہے۔

مجروح یا مقتول کے ورثاء کا جارح یا قاتل کے جرم کو معاوضہ پر یا بلامعاوضہ معاف کر دینا۔ اسے صلح بھی کہا جاتا ہے۔ انگریزی میں اسے Forgiveness of Retaliation کہتے ہیں۔

عفو عن القصاص کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح موجود ہے۔

"یاایها الذین امنوا کتب علیکم القصاص--- فمن عفی له من اخیه شئی فاتباع بالمعروف اداء الیه باحسان"(۳۷۴)

(ترجمہ) اے ایمان والو! تم پر قصاص فرض کیا گیا ہے---پس جب قاتل کو مقتول کے بھائی کی طرف سے معاف کر دیا جائے۔ (صلح پر آمادہ کر دیا جائے) تو طالب دیت یعنی مقتول کے وارث کو بھلائی کی پیروی کرنا چاہیے اور قاتل کو خوش دلی کے ساتھ خون بہا ادا کرنا چاہیے۔

دوسرے مقام پر قصاص کا حکم بیان کرنے کے بعد فرمایا:

"فمن تصدق به فهو کفارة له"(۳۷۵)

پس جو شخص قصاص یعنی بدلہ معاف کر دے تو یہ معافی گناہوں کا کفارہ بن جائے گی۔ قصاص کے متعلق ایک حدیث بھی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"من قتل عمدا دفع الی اولیاء القتیل فان شاء وا اقتلوا وان شاء وا اخذ وا الدیة" (۳۷۶)

جو شخص عمداً کسی کو قتل کرے اسے مقتول کے اولیائے کے سپرد کر دیا جائے۔ اگر وہ چاہیں تو اسے قتل کر دیں اور اگر وہ چاہیں تو دیت پر صلح کر لیں۔

عبدالقادر عودہ نے لکھا ہے۔ اس قرآنی آیات اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی

میں مجنی علیہ یا اس کے ولی کو یہ اجازت ہے کہ وہ قصاص کی سزا کو معاف کر دے(۳۷۷) یہ معافی معاوضہ پر بھی ہو سکتی ہے اور بلامعاوضہ بھی۔(۳۷۸)

احکام

۱۔ موکل نے اگر کسی کو مقررہ رقم پر صلح کرنے کے لیے وکیل مقرر کیا۔ اس صورت میں ضروری ہو گا کہ وکیل اس معاملے کو موکل کی طرف منسوب کرے چنانچہ اگر دعوے دار نے کہا کہ میں مقررہ رقم پر مصالحت کے لیے تیار ہوں اور مدعی علیہ کے وکیل نے کہا میں یہ فیصلہ فلاں شخص کے حق میں قبول کرتا ہوں تو یہ تصفیہ قابل تسلیم ہو گا۔ لیکن اگر صرف یہ کہا کہ میں نے قبول کیا اور قبولیت کی نسبت اپنے موکل کی طرف نہیں کی تو یہ مصالحت درست نہیں ہو گی۔(۳۷۹)

۲۔ وکیل عفو عن القصاص موکل کے خلاف وجوب قصاص کا اقرار امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک موکل کی موجودگی میں ہی کر سکتا ہے عدم موجودگی میں نہیں جب کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک عدم موجودگی میں بھی کر سکتا ہے۔(۳۸۰)

۳۔ موکل نے اگر وکیل سے کہا کہ تین لاکھ روپے پر مصالحت کرو۔ تو وکیل رقم کو اپنے قبضے میں نہیں کر سکتا۔ اگر موکل نے کہا کہ میں تجھے صلح اور قبض رقم پر وکیل مقرر کرتا ہوں پھر اس نے صلح کی تو اس کے لیے مال حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔ اگر صرف مصالحت پر وکیل مقرر کیا تو وہ مال یا رقم متعین نہیں کر سکتا۔(۳۸۱)

۴۔ اگر وکیل نے معزولی کا علم نہ ہونے پر قاتل کے قصاص کو معاف کر دیا تو اس پر ضمان نہیں ہو گا۔(۳۸۲)

۵۔ موکل نے اگر کسی شخص کو ایسے شخص سے قصاص کی مصالحت کے لیے وکیل مقرر کیا جس نے اس پر پہلے سے قرض کا دعوی کیا تھا۔ موکل نے اسے کہا کہ تم اپنی رائے کے مطابق جتنی رقم پر چاہو صلح کر لو تو یہ جائز ہے۔ اس لیے کہ ان الفاظ سے اسے وکالت عامہ حاصل ہو گئی۔(۳۸۳)

۶۔ اگر موکل نے ادائیگی دیت کے لیے وکیل مقرر کیا۔ وکیل نے نصف دیت دی اور نصف معاف کرا دی تو اس میں وکیل کا کوئی حصہ نہیں ہو گا۔ البتہ اگر طالب دیت نصف دیت اسے ھبہ کر دے تو یہ وکیل کی ہو گی۔(۳۸۴)

۷۔ وکیل عفو یا وکیل صلح کو خصومت کا اختیار نہیں ہوتا نہ ہی وہ کسی اور کو عفو کے لیے وکیل

مقرر کر سکتا ہے۔ اگر اس نے کسی دوسرے کو اس مقصد کے لیے وکیل مقرر کیا اور اس نے صلح کی، صلح کے لیے اگر اس نے موکل کے مال سے رقم لی تو موکل اس سے وہ رقم لے لے گا۔ اگر اس نے صلح کے لیے خود رقم خرچ کی تو موکل اول کے لیے کچھ لازم نہیں آئے گا۔ یہ صلح وکیل اول پر جائز ہو گی۔(۳۸۵)

۸۔ اگر دو آدمیوں کو عفو عن القصاص کے لیے (قاتل یا قاتل کے ورثاء کی طرف سے) وکیل مقرر کیا پھر ایک نے اپنے مال سے صلح کر لی تو یہ اس کے لیے جائز ہو گی۔(۳۸۶)

۹۔ قتل عمد میں اگر موکل (قاتل) کی طرف سے وکیل صلح مقرر ہوا تو وہ وکیل خرید کی طرح ہوتا ہے اسے اس معاوضہ پر صلح کرنا ہو گی جو قیمت نفس کے برابر یا اس سے قدرے کم ہو یا اس قدر زیادہ ہو جو عام لوگ برداشت کرتے ہیں تو وہ صلح بلاخلاف جائز ہو گی اگر صلح میں ناقابل برداشت زیادتی ہو تو بلااختلاف ناجائز ہو گی۔(۳۸۷)

۱۰۔ قتل عمد میں اگر موکل (مقتول کے ورثاء) کی طرف سے وکیل صلح مقرر ہوا تو وہ وکیل بیع کی طرح ہو گا۔ یعنی اگر اس نے صلح میں اتنی مقرر کی جسے عام لوگ برداشت کرتے ہیں تو جائز ہو گی اگر بہت زیادہ کم پر صلح کی تو جائز نہیں ہو گی۔(۳۸۸)

۱۱۔ اگر قتل عمد میں جس پر قتل عمد کا دعوی ہے نے کسی کو صلح کے لیے وکیل مقرر کیا۔ وکیل نے اگر کسی ایسی چیز یا جنس پر جو دیت میں دی جاتی ہے پر صلح کی خواہ وہ کوئی چیز ہو تو وہ موکل پر جائز ہو گی۔ اگر اس میں اس قدر زیادتی ہو کہ لوگ اتنا خسارہ برداشت نہیں کرتے اور مال صلح دے دیا تو وکیل پر جائز ہو گا موکل پر نہیں۔ اگر طالب قصاص نے صلح کے لیے وکیل مقرر کیا وہ جس جنس پر یا اجناس دیت پر صلح کرے جائز ہے۔ اگر اس نے دیت(۳۸۹) سے کم پر صلح کر لی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز اور صاحبینؒ کے نزدیک جائز نہیں۔ بشرطیکہ وہ کمی اتنی ہو جسے لوگ برداشت کرتے ہیں۔(۳۹۰)

۱۲۔ اگر وکیل صلح کو موکل کی طرف کسی معین چیز پر صلح کرنے کو کہا گیا لیکن وکیل نے اس معین چیز کے خلاف صلح کی تو صلح موثر نہیں ہو گی۔(۳۹۱)

۱۳۔ اگر وکیل نے حرام اموال کے عوض مصالحت کی جیسے شراب، خنزیر وغیرہ تو یہ صلح عفو قرار دیا جائے گا لیکن موکل کے ذمہ کچھ نہیں ہو گا۔(۳۹۲)

فصل چہارم

احکام وکالت عقود المشارکت

عقود المشارکت سے مراد وہ معاہدے ہیں جن میں دو یا دو سے زیادہ افراد طے شدہ منافع کے مطابق کام کرنے کا عہد کرتے ہیں۔ یہ معاہدے تین طرح کے ہیں۔

(۱) عقد شراکت (۲) عقد مضاربت (۳) عقد مزارعت

احکام توکیل شراکت

شراکت کا لفظ شرک سے بنا ہے جس کا لغوی معنی ہے۔ "الخلطة النصيب والشركة" (۳۹۳) یعنی ایک دوسرے سے مل جانا' حصہ اور شرکت۔ فقہی اصلاح میں شرکت کہتے ہیں۔

"عبارة عن عقد بين المتشاركين في الاصل والربح" (۳۹۴)

وہ عقد جس میں راس المال اور منفعت میں دو یا دو سے زائد افراد شریک ہوں۔ مجلہ احکام العدلیہ میں ہے۔

ایک سے زیادہ اشخاص کے کسی چیز کے ساتھ اختصاص و امتیاز کو اصل میں شرکت کہتے ہیں شراکت کو انگریزی میں Partinership کہا جاتا ہے۔ اصطلاحاً" یہ لفظ اس معاملہ شراکت کے لیے استعمال ہوتا ہے جس کی وجہ سے یہ اختصاص و امتیاز پیدا ہو۔ (۳۹۵)

شراکت کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں۔ (۱) شرکت املاک (۲) شرکت عقود

شرکت املاک

شرکت املاک سے مراد یہ ہے کہ دو یا دو سے زائد افراد کسی کاروبار میں متعین سرمائے کے ساتھ اس معاہدے کے تحت شریک ہوں کہ سب مل کر کاروبار کریں گے اور کاروبار کے نفع و نقصان میں متعین نسبتوں کے ساتھ شریک ہوں۔ لیکن ضروری ہے کہ شرکاء کے تمام اموال آپس میں مل

جائیں۔

اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں شریکین ایک دوسرے کے حصہ میں اجنبی ہوتے ہیں۔ ایک کی اجازت کے بغیر کوئی دوسرا مضر تصرف نہیں کر سکتا۔

شرکت املاک کی دو اقسام ہیں۔ پہلی قسم وہ ہے جس میں دو شریکوں کے عمل سے شراکت ثابت ہو۔ جیسے دو اشخاص مل کر کوئی چیز خریدیں یا انہیں کوئی چیز ھبہ' وصیت' صدقہ کیا جائے اور دونوں اسے قبول کر لیں تو اس میں دونوں کی شراکت ملک کے طور پر مشترک ہو گی۔ دوسری قسم وہ ہے جس میں شریکین کی شراکت ان کے فعل اور عمل کے بغیر ثابت ہو جیسے دونوں وراثتاً" ایک چیز کے مالک ہوں تو وہ مال وراثتاً" ان دونوں کے درمیان ملک کے طور پر مشترکہ ہو گا۔(۳۹۶)

۲۔ شرکت عقود

شرکت عقود کے متعلق کنزالدقائق میں ہے:

"شرکۃ العقد ان یقول احدھما شارکتک فی کذا ویقبل الاخر"(۳۹۷)

دو آدمیوں میں سے ایک کہے کہ میں نے فلاں چیز میں تجھ سے شرکت کی اور دوسرا آدمی اسے قبول کرے۔ اس شرکت کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) شرکت مال (۲) شرکت اعمال (۳) شرکت وجوہ

شرکت مال سے مراد یہ ہے کہ دو یا دو سے زائد افراد کسی کاروبار کے راس المال میں متعین سرمایہ کے ساتھ اس معاہدے کے مطابق شریک ہوں کہ تمام مل کر کاروبار کریں گے اور کاروبار کے نفع و نقصان میں متعین نسبتوں کے ساتھ شریک ہوں گے۔ نیز اس شراکت میں تمام شریک افراد اس کی تائید کریں۔

شرکت اعمال میں چند ہنرمند خواہ وہ ایک پیشہ سے متعلق ہوں یا مختلف پیشوں سے آپس میں یہ طے کریں کہ ہم اپنی صنعت سے کمائی کریں گے اور مجموعی آمدن ایک خاص تناسب سے آپس میں تقسیم کریں گے۔ شراکت کی اس قسم میں سرمایہ نہیں لگایا جاتا بلکہ فنی مہارت' اخلاص اور سچائی ان کی پونجی ہوتی ہے۔ اس شرکت کو شرکت صنائع اور تقبل بھی کہتے ہیں۔

شرکت وجوہ میں دو یا دو سے زیادہ افراد اس بات پر معاہدہ کرتے ہیں کہ ہم نقد سرمایہ نہیں لگائیں گے بلکہ ادھار مال حاصل کر کے تجارت شروع کریں گے اور یہ طے کریں کہ نفع و نقصان آپس میں ایک مقررہ نسبت سے تقسیم کریں گے۔ اس شرکت میں بھی بنیاد اعتماد ہوتا ہے۔(۳۹۸)

ان تینوں اقسام کی پھر دو قسمیں ہیں۔

۱۔ شرکت عنان ۲۔ شرکت مفاوضہ۔

ان تینوں اقسام شراکت میں رأس المال، نفع اور اجرت میں اگر مساوات کی شرط نہ ہو تو اسے شرکت عنان کہا جائے گا۔ اس شرکت میں ہر فرد جو معاملہ کرے گا وہ دیگر افراد کی طرف سے بطور وکیل متصور ہو گا۔

اگر مندرجہ بالا شراکتوں میں راس المال اور نفع کسی خاص نسبت سے جملہ شرکاء کے درمیان مشروط ہو تو شرکت مفاوضہ کہلاتی ہے۔ اس شراکت میں بھی ہر فرد جو بھی کسی معاملہ کو انجام دے گا وہ دیگر شرکاء کی طرف سے کفیل اور ضامن متصور ہو گا اور ہر معاملے میں شریک کا اقرار ایک دوسرے کے حق میں بھی اقرار متصور ہو گا۔(۳۹۹)

ان تمام اقسام شراکت میں صرف شرکت عنان اور شرکت مفاوضہ میں شریک تمام افراد ایک دوسرے کی طرف سے وکیل متصور ہوں گے خواہ شرکت بالمال ہو، بالاعمال ہو یا بالوجوہ۔ ہدایہ میں ہے۔ "اما الشرکۃ العنان فتنعقد علی الوکالۃ دون الکفالۃ"(۴۰۰)

شرکت عنان وکالت پر منعقد ہوتی ہے کفالت پر نہیں۔ جب کہ شرکت مفاوضت وکالت اور کفالت دونوں پر منعقد ہوتی ہے۔(۴۰۱)

احکام

شراکت میں وکالت سے متعلق مندرجہ ذیل احکام بیان کیے جاتے ہیں۔

۱۔ شرکت عنان میں تمام شرکاء شراکت ایک دوسرے کے وکیل ہوتے ہیں لہٰذا انہیں استحساناً"(۴۰۲) یہ اختیار ہوتا ہے کہ یہ آگے کسی دوسرے شخص کو بھی بیع و شرا کے لیے وکیل مقرر کر سکیں۔(۴۰۳)

شرکت ملک میں کسی چیز کی خرید و فروخت کے لیے دونوں کی رضامندی سے ہی وکیل مقرر کیا جا سکتا ہے۔ اگر ایک شریک نے وکیل مقرر کیا اور دوسرے نے اسے معزول کر دیا تو وہ معزول ہو جائے گا۔ اس لیے کہ جب ہر ایک شریک اپنے ساتھی پر موکل کے تصرف کی طرح وکیل بنانے کا اختیار رکھتا ہے تو اسے دوسرے ساتھی کے مقررہ وکیل کو معزول کرنے کا بھی حق ہو گا۔ البتہ اگر وہ اس کے قرض کے تقاضے کا وکیل ہو جس کا اس کے موکل نے معاملہ کیا تو دوسرے شریک

کو اس کے اخراج کا حق نہیں ہو گا کیونکہ اسے یہ اختیار نہیں کہ اپنے شریک کو وکیل بنا سکے لہٰذا اسے اس وکیل کو معزول کرنے کا بھی اختیار نہیں ہو گا۔(۴۰۴)

۲۔ اگر شریکین مفاوضت میں سے ایک نے ایک شخص کو ہزار درہم کے عوض کوئی چیز خریدنے پر وکیل مقرر کیا اور اسے روپے نہیں دیے پھر دونوں نے عقد مفاوضت کو توڑ دیا اور ہر ایک نے اس میں سے ایک ایک آدمی سے اور مفاوضت کر لی۔ پھر وکیل مذکور نے وہ چیز خریدی جس پر وکیل مذکور کو دونوں کی مفاوضت کا حال معلوم ہو یا نہ ہو تو یہ خریدی ہوئی چیز اس کے موکل کے لیے ہو گی اور پہلے شریک کے لیے اس میں سے کچھ نہ ہو گا۔ اس لیے کہ شریک اول کی توکیل اس وکیل پر مفاوضت کی وجہ سے ثابت ہوئی تھی لہٰذا جب مفاوضت ہی باطل ہو گئی تو اس سے ضمناً" ثابت ہونے والی توکیل بھی بلا شرط و آگاہی باطل ہو گی۔ اس لیے کہ یہ عزل حکمی ہے اور موکل کا اب جو شریک ہے یعنی مفاوض دوم اس کے لیے بھی اس میں کچھ نہ ہو گا کیونکہ موکل مذکور کے واسطے اس خریدی ہوئی چیز میں جو ملک ثابت ہوئی ہے وہ مفارقت سے پہلے ایک سبب یعنی توکیل سے ثابت ہوئی۔ چنانچہ اگر یہ توکیل نہ ہوتی تو موکل مذکور کی ملک اس چیز میں ثابت نہ ہوئی۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ ہر دو شریک میں سے جب ایک کے لیے کسی چیز کی ملک ایسے سبب سے ثابت ہو جو شرکت سے پہلے واقع ہو۔ تو دوسرا شریک اس میں اس کا شریک نہیں ہو گا۔ جیسے اگر کوئی چیز بائع کے لیے خیار شرط کے ساتھ خریدی پھر مشتری نے کسی سے مفاوضت کر لی۔ اس کے بعد بائع نے اپنا خیار ساقط کر دیا تو شریک کے واسطے اس چیز میں شرکت ثابت نہ ہو گی لیکن وکیل کو اختیار ہو گا چاہے مال ثمن کے لیے اپنے موکل کی طرف رجوع کرے یا اس کے شریک سے۔ پھر شریک اس موکل مذکور سے لے لے گا۔(۴۰۵)

۳۔ اگر ایک متفاوض نے کسی کو مقررہ قیمت پر کوئی خاص چیز خریدنے کے لیے وکیل مقرر کیا پھر دوسرے متفاوض نے اسے روک دیا تو یہ جائز ہے کیونکہ ان میں سے ایک کا روکنا دونوں کے روکنے کے مترادف ہے اگر اس کے باوجود وکیل نے کچھ خریدا تو وہ اس کے لیے اپنا ہو گا نہ کہ وکیل کے لیے۔ کیونکہ ایک کے روکنے سے وکالت باطل ہو جائے گی۔ اگر اس نے نہ روکا اور پھر وکیل نے وہ چیز خریدی تو وہ چیز ان دونوں کے لیے ہو گی۔ اس کی ادائیگی کسی ایک کی طرف سے بھی ہو تو درست ہو گی۔ اگر وکیل نے خود اس کی ادائیگی کی تو وہ کسی ایک متفاوض سے لینے کا حقدار ہو گا۔(۴۰۶)

۴۔ اگر متفاوضین میں سے کسی ایک نے دو آدمیوں سے کہا کہ وہ فلاں چیز خریدیں۔ موکل نے اس چیز کی جنس اور قیمت بھی بتا دی پھر ان دونوں نے اس چیز کو خریدا اور موکل شراکت سے الگ ہو گیا۔ اب موکل کا دعوی یہ ہو کہ ان وکلاء نے اس چیز کو ان کی تفریق کے بعد خریدا لہٰذا یہ چیز میرے لیے خاص ہے۔ دوسرے متفاوض نے کہا کہ وکلاء نے یہ چیز ہماری تفریق سے پہلے خریدی ہے لہٰذا یہ ہم دونوں کے لیے ہے تو اس معاملے میں موکل اول کا قول قسم کے ساتھ قابل قبول ہو گا۔ اور وکلاء کی گواہی قابل قبول نہیں ہو گی۔ کیونکہ وہ دونوں اس معاملے میں فریق مخالف ہیں۔ ان کا گواہی دینا اپنے متعلق گواہی دینا ہو گا۔
اگر شریکین نے کہا کہ ہمیں معلوم نہیں کہ وکلاء نے اس چیز کو کب خریدا ہے تو یہ بات موکل کے حق میں ہو گی۔ اگر موکل نے کہا کہ وہ چیز علیحدگی سے قبل خریدی دوسرے نے کہا بعد میں خریدی تو موکل کا قول معتبر ہو گا کیونکہ وہ دوسرے کے دعوی سے انکار نہیں کر رہا۔(۴۰۷)

۵۔ شراکت میں وکیل کو اشیاء کی خریداری میں خیار عیب حاصل ہو گا۔ اگر شریکین میں سے کسی ایک شریک کا انتقال ہو گیا یا شراکت سے علیحدگی اختیار کر لی تو ان کی طرف سے مقررہ وکالت ختم ہو جائے گی کیونکہ شریک کی موت یا علیحدگی سے شراکت بھی باطل ہو جاتی ہے۔(۴۰۸)

۶۔ اگر موکل نے وکیل کو گندم کی ایک مخصوص مقدار دی اور کہا کہ اس گندم کے عوض میرے لیے ایک بکری خرید لو پھر وکیل نے اس گندم کے عوض دوسرا سامان خرید لیا تو قیاساً" وکیل مذکور اپنے موکل کی مخالفت کرنے والا ہے اور استحساناً مخالف نہیں ہو گا۔(۴۰۹)

۷۔ شریکین نے یا کسی ایک شریک نے کسی کام کے لیے کسی کو وکیل مقرر کیا تو یہ تمام شرکاء کا وکیل متصور ہو گا۔ شراکت قائم رہنے تک اس وکیل کا ہر اقدام تمام شرکاء کے لیے لازمی ہو گا۔ اس کا خریدا ہوا سامان تمام کے لیے یکساں ہو گا۔ اگر شراکت ختم ہونے کا علم رکھتے ہوئے اس نے موکل کے کہنے کے مطابق کوئی چیز خریدی تو یہ چیز اس کے موکل ہی کے لیے لازمی ہو گی۔ اس کی قیمت بھی اس سے وصول کرے گا۔(۴۱۰)

۸۔ شرکت مفاوضہ اور شرکت عنان دونوں میں ایک شریک دوسرے کا اس مال میں وکیل ہوتا ہے جو اس کے لیے واجب ہو۔(۴۱۱)

احکام توکیل مضاربت

مضاربت کا لفظ ضرب سے مشتق ہے جس کا معنی ہے مارنا اور بیان کرنا۔ اگر یہ لفظ فی کے صلہ کے ساتھ آئے تو اس کا معنی ہوتا ہے خصوصاً" طلب رزق کے لیے چلنا' پھرنا اور دوڑ دھوپ کرنا۔(۴۱۲) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"یضربون فی الارض ویبتغون من فضل اللّٰہ"(۴۱۳)

وہ زمین میں چل کر (تجارتی سفر کے ذریعہ) اللہ کے فضل سے روزی تلاش کرتے ہیں۔

صاحب ہدایہ نے مضاربت کی اصطلاحی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"المضاربۃ عقد یقع علی الشرکۃ بمال من احد الجانبین"(۴۱۴)

مضاربت ایک ایسا معاملہ ہے جس میں عاقدین میں سے ایک کی طرف سے مال ہونے میں شرکت ہوتی ہے۔ نفع میں شرکت سے مراد یہ ہے کہ یہ نفع ایک جانب سے مال ہونے اور دوسری جانب عمل ہونے پر ملتا ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ شرعاً" ایک طرف سے مال اور دوسری طرف سے عمل کے ساتھ نفع میں شریک ہونے کے معاہدہ کو مضاربت کہتے ہیں۔(۴۱۵)

مضاربت کی فضیلت ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمائی۔

میں دونوں حصہ داروں میں تیسرا ہوتا ہوں جب تک وہ خیانت نہ کریں اور جب کوئی بھی خیانت کرتا ہے تو میں درمیان سے نکل جاتا ہوں۔(۴۱۶) یعنی اس کے بعد مال میں برکت' مال میں حفاظت اور غیبی امداد ختم ہو جاتی ہے۔

مضاربت میں وکالت کی مشروعیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث سے ثابت ہے جو حضرت عروۃ بن الجعد البارقیؓ اور حضرت حکیم بن حزامؓ سے مروی ہیں اور جنہیں امام ابوداود' امام ابن ماجہ اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔

فقہاء مضاربت کو قِراض، سرمایہ لگانے والے کو مقارِض اور کام کرنے والے کو مقارَض کہتے ہیں۔(۴۱۷) مضاربت کو انگریزی میں

Partnership of capital and labour on same specific terms

کہتے ہیں۔

مضاربت کے متعلق علامہ الجزیری فرماتے ہیں کہ جب مضارب کام شروع کر دے تو وہ وکیل کی حیثیت میں ہو جائے گا کیونکہ کارکن مالک کی اجازت سے اس کا مال کاروبار میں لگاتا ہے اس لحاظ سے وہ وکیل ہوتا ہے اور مال اس کے پاس بطور امانت ہوتا ہے۔(۴۱۸)

اسی بنا پر تمام آئمہ فقہاء مضاربت میں توکیل کے قائل ہیں۔

احکام

توکیل مضاربت کے ضمن میں کتب فقہ میں جو احکامات بیان کیے گئے ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ مضاربت کی وکالت میں وکیل کو بیع و شراء اور خصومت وغیرہ کا اختیار ہوتا ہے کیونکہ مضاربت کے تمام اعمال مضارب خود نہیں کر سکتا لہٰذا بعض اعمال کے کرنے میں وہ مدد لے سکتا ہے اس لیے اگر مضارب نے کسی چیز کی خریداری کے لیے کسی کو وکیل مقرر کیا تو اس کے احکام وکیل شراء کے مطابق ہوں گے۔(۴۱۹)

۲۔ اگر موکل نے مضاربت کے قرض کی وصولی سے متعلق وکیل کیا اور قاضی کے سامنے وکیل نے اقرار کیا کہ مضارب نے قرض وصول کر لیا ہے تو یہ جائز ہے۔ امام زفرؒ سے جائز قرار نہیں دیتے اس لیے کہ اقرار کا حق صرف وکیل خصومت رکھتا ہے۔ وکیل مضاربت برائے وصولی قرض کا اقرار ایسے ہی ہے جیسے موکل اپنے اوپر اقرار کرتا ہے۔ اگر مضارب نے وکیل کے سامنے وصولی قرض کا اقرار کیا تو یہ درست ہو گا۔(۴۲۰)

۳۔ مضاربت میں اگر یہ شرط ہو کہ تمام نفع سرمایہ دار کا ہو گا تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ دوسرے شخص کو بلا اجرت مال کی خرید و فروخت کے لیے وکیل مقرر کر رہا ہے۔ اس صورت میں وہ جو کچھ بھی خریدے گا وہ سب کا مالک ہو گا۔ اس کی بار برداری وغیرہ کا تمام خرچ مالک کو دینا ہو گا اور خریدنے والے کو کوئی معاوضہ نہیں دیا جائے گا۔(۴۲۱)

۴۔ اگر مضارب نے مال مضاربت پر رب المال سے قبضہ کرنے کے لیے یا رب المال کو کسی چیز کے دینے کے لیے کسی کو وکیل بنایا تو یہ جائز ہے کیونکہ اس نے اس امر میں وکیل بنایا ہے جسے وہ خود کر سکتا تھا اور وکیل اس کے قائم مقام ہو گا۔(۴۲۲)

۵۔ اگر موکل نے کسی شخص کو اس لیے وکیل بنایا کہ وہ اس کے مال سے کسی کے ساتھ مضاربت

کا معاملہ طے کرے۔ اور وکیل نے مضارب کے ساتھ یہ شرط بھی کر لی کہ وہ وکیل بھی مضارب کے ساتھ منافع کے ایک حصہ کے عوض کام کرے گا تو یہ عقد فاسد ہو گا۔ کیونکہ وکیل اس معاملے میں جس کے لیے اسے وکیل بنایا گیا ہے۔ اپنے موکل کے قائم مقام ہوتا ہے اور کاروبار مضاربت میں مال والے کا کارندہ کے ساتھ شریک ہونے کی شرط سے معاملہ درست نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس وکیل کی شرکت سے بھی معاملہ درست نہ ہو گا۔(۴۲۳)

۶۔ مضاربت میں جب تک نفع نہ ہو مضارب رب المال کا محض وکیل ہوتا اور نفع ہو جانے کے بعد شریک بن جاتا ہے۔(۴۲۴)

۷۔ کسی شخص کا حکم صرف اس کے لیے اپنے مال میں جاری ہوتا ہے مثلاً ایک نے دوسرے سے کہا کہ یہ مال اٹھاؤ اور دریا میں ڈال دو۔ وکیل نے اٹھا کر دریا میں ڈال دیا جب کہ وہ جانتا تھا کہ وہ مال موکل کا نہیں ہے کسی اور کا ہے تو مال کا مالک وکیل سے تاوان طلب کر سکتا ہے اور موکل کے ذمہ کچھ نہ ہو گا الایہ کہ موکل نے وکیل کو دھمکی دے کر اس کو کرنے پر مجبور کیا ہو۔ وجہ یہ ہے کہ فعل کی نسبت فاعل کی طرف کی جاتی ہے آمر کی طرف نہیں۔ جب تک آمر نے جبر نہ کیا ہو لہٰذا حکم کی نسبت بھی فاعل یعنی مامور کی طرف کی جائے گی۔(۴۲۵)

۸۔ اگر موکل نے وکیل پر جبر کیا اور دھمکی کو پورا کرنے پر اسے قدرت بھی حاصل ہو یا موکل عاقل، بالغ ہو اور وکیل بچہ ہو یا اسے علم نہ ہو کہ جس مال کو تلف کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ موکل کا نہیں تو ان تمام صورتوں میں تاوان اولا وکیل پر آئے گا۔ کیونکہ فعل کی علت وہی ہے پھر تاوان موکل کی طرف لوٹتا ہے کیونکہ اس میں بھی علت کا معنی پایا جا رہا ہے لہٰذا تاوان کا اقرار اس پر ہو گا۔(۴۲۶)

۹۔ اگر رب المال نے مضارب کو حکم دیا کہ وہ اپنے اہل پر اتنی رقم خرچ کرے۔ مضارب نے اپنے اہل پر خرچ کرنے کے لیے آگے کسی کو وکیل مقرر کیا تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ اسے یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اتنی مقررہ رقم ان کو ان کی ضروریات کے مطابق پہنچائے۔ جو اس کے پاس ہے تو اس میں کوئی فرق نہیں کہ وہ اس رقم کو خود ادا کرے یا اس کا وکیل ادا کرے۔ رب المال نے اسے اپنے اہل پر رقم دینے کے لیے وکیل کیا ہے یا خود ادا کرے یہ جائز ہے۔(۴۲۷)

۱۰۔ مضارب نے کسی معاملہ میں کچھ رقم خرچ کرنے کے لیے وکیل مقرر کیا تو وکیل نے کہا کہ میں

نے ایک سو درہم خرچ کیے ہیں لیکن مضارب کہے کہ تو نے دو سو درہم خرچ کیے ہیں رب المال نے کہا کہ تم نے کچھ بھی خرچ نہیں کیا تو اس معاملے میں مضارب کا قول معتبر ہو گا۔ اسی طرح مضارب نے وکیل مقرر کیا کہ وہ اس کا مال کسی اور پر خرچ کرے لیکن اسے مال نہیں دیا بعد میں وکیل نے کہا میں نے خرچ کیا ہے لیکن مضارب اسے جھٹلائے تو وکیل کی تصدیق نہیں ہوگی بلکہ اس کا دعویٰ اپنے بارے میں ہے جس سے مضارب کے ذمہ قرض ثابت کرنا ہے۔ مال اس کے پاس نہیں تھا۔ جس کی وجہ سے وہ امین ٹھہرا تو وہ کس طرح انفاق یا خرچ کرنے کی خبر دے گا۔ البتہ اگر اس کے پاس خرچ کرنے کے گواہ ہیں تو وہ موکل سے وصول کر سکتا ہے۔(۴۲۸)

۱۱۔ مضارب کا شرکت عنان اور شرکت مفاوضہ کے شریک کے لیے وکیل خصومت بنانا جائز ہے۔ کیونکہ یہ جب خود خصومت کرنے کا اختیار رکھتے ہیں تو دوسرے کو توکیل کے ذریعہ خصومت سونپنے کا بھی اختیار رکھتے ہیں۔(۴۲۹)

اگر مضارب نے اس لیے وکیل مقرر کیا کہ مال مضاربت جیسا کچھ مال اس کے لیے خریدے لیکن وکیل کو مال خریدنے کے لیے کچھ نہ دیا پھر رب المال آیا اور اس نے وکیل کے خریدے ہوئے مال کو اپنے قبضے میں لے لیا اور مضاربت توڑ دی تو بھی وکالت سے منع نہیں کر سکتا اگر وکالت قائم رہتی تو وکیل مضارب کا خریدنا ایسے ہی ہے جیسے مضارب خود خریدنے والا کیونکہ یہ عقد مضارب پر نافذ ہو گا اور رب المال کی واپسی سے وکالت مسترد ہو گی۔(۴۳۰)

احکام توکیل مزارعت

مزارعت کا لفظ "زرع" سے مشتق ہے اور یہ مفاعلہ کے وزن پر ہے۔ لفظ زرع عربی میں دو معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ **"البذر فی الارض والانبات"**(۴۳۱) زمین میں بیج ڈالنا اور اگانا۔
سورۃ واقعہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"افرایتم ماتحرثون انتم تزرعونه ام نحن الزارعون"(۴۳۲)

(ترجمہ) تمہارا کیا خیال ہے کہ جو کھیتی تم کاشت کرتے ہو وہ تم اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا۔

"لایغرس مسلم غرسا ولایزرع زرعا فیاکل منه انسان ولا دابة ولاشئی الاکانت له صدقة"(۴۳۳)

(ترجمہ) مسلمان جب کوئی درخت لگاتا ہے یا زراعت کرتا ہے اور اس میں سے انسان یا جانور یا کوئی اور کھائے تو وہ اس شخص کے لیے صدقہ کی مانند موجب اجر بن جاتا ہے۔
مزارعت کبھی دو اشخاص کے درمیان ہوتی ہے اور کبھی ایک شخص خود اکیلا کرتا ہے۔ لیکن فقہی اصطلاح میں مزارعت کہتے ہیں۔

"عبارة عن العقد علی الزرع ببعض الخارج ویسمی مخابرة"(۴۳۴)

مزارعت باہمی کھیتی باڑی کے معاہدے کو کہتے ہیں جو زمین کی پیدوار کے کچھ حصے کی بنیاد پر کی جائے۔ رواس قلعہ جی نے لکھا ہے۔

"التعامل مع الغیر بالزرع۔ دفع الارض الی من یزرعها علی ان یکون الزرع بینهما"(۴۳۵)

کسی غیر کے ساتھ کھیتی باڑی میں معاہدہ کرنا۔ کسی کے حوالے زمین اس شرط پر کرنا کہ جو فصل ہو وہ دونوں کی ہوگی۔ مزارعت کو انگریزی میں Agricultural Partnership کہتے ہیں۔
مزارعت کی دو صورتیں ہوتی ہیں کاشتکار زمین کو ٹھیکے پر لے اور اس میں کھیتی باڑی کرے اور پیداوار کا کچھ مقررہ حصہ مالک زمین کو دے۔
دوسری صورت یہ ہے کہ مالک زمین خود کاشتکار کو پیداوار کے ایک مقررہ حصہ کے عوض

کاشتکاری پر لگائے۔(۴۳۶)

امام سرخسی فرماتے ہیں کہ توکیل مزارعت ایجاب و قبول سے مکمل ہوتی ہے اس کی عمومی شرائط کے علاوہ یہ بھی شرط ہے کہ فعل کو واضح کیا جائے کہ کس فعل کو کرنے کے لیے وکیل مقرر کیا گیا۔(۴۳۷) اس میں دو طرح کی وکالت ہو سکتی ہے۔ زمین مزارعت پر دینے کے لیے اور زمین مزارعت پر لینے کے لیے۔

احکام

توکیل مزارعت کے ضمن میں کتب فقہ میں اہم یہ احکام ملتے ہیں۔

۱۔ وکیل مزارعت کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ مزارعت پر دی جانے والی زمین کو نہ رقم کے بدلے میں اور نہ فصل کے بدلے میں اجارہ پر دے اس لیے کہ ایسا کرنا موکل کی مخالفت ہو گا۔ اگر وکیل نے ایسا کیا تو اس پر ضمان ہو گا۔(۴۳۸)

۲۔ اگر موکل نے زمین کرائے پر دینے کے لیے وکیل کیا تو پھر اسے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مزارعت کا اختیار نہیں جب کہ صاحبین کے نزدیک اختیار ہو گا۔ اگر موکل نے وکیل کیا کہ اس کی زمین مزارعت پر دے۔ لیکن وکیل نے اس مزارعت کا معاوضہ روپے یا جانور مقرر کیا تو یہ جائز نہیں۔ اس لیے کہ موکل نے اسے زمین سے اگنے والی فصل کے معاوضہ پر زمین مزارعت پر دینے کے لیے مقرر کیا ہے۔ اس نے موکل کی مخالفت کی ہے تو یہ جائز نہیں اگر اس نے ناپی ہوئی گندم یا کسی کھیتی کے معاوضہ پر مزارعت کے لیے دی تو یہ جائز ہو گا۔(۴۳۹)

۳۔ موکل نے مزراعت کے لیے وکیل مقرر کیا لیکن موکل نے مزارعت مین حصہ مقرر نہیں کیا۔ اگر وکیل نے عقد مزارعت فصلوں کے کچھ حصوں پر طے کیا جیسے گندم اور جو وغیرہ۔ اگر یہ حصہ نصف سے کم پر ہے تو جائز نہیں اگر نصف پر طے کی تو جائز ہے اگر وکیل نے فصل کے علاوہ نقد رقم پر بھی عقد مزارعت طے کیا تو بھی جائز ہے۔(۴۴۰)

۴۔ موکل نے وکیل سے کہا کہ میری زمین مزارعت پر دے دو اور کچھ نہیں کہا تو اس سے بھی عقد وکالت مزارعت طے ہو جائے گا بشرطیکہ زمین کو توکیل میں متعین کر دیا ہو۔ اگر مدت مزارعت بیان نہ کی ہو تو اس سال کی اول مزارعت مراد ہو گی۔ اگر پیداوار کا حصہ بیان نہ کیا ہو اور بیج مالک زمین کی طرف سے ہو تو صاحبین کے نزدیک عرف و رواج کے مطابق اس کا حصہ

مقرر کیا جائے گا اگر بیج کاشتکار کی طرف سے ہو تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عرف سے کم یا زیادہ پر دینا بھی جائز ہے۔ لیکن صاحبین کے نزدیک اب بھی عرف کے مطابق حصہ متعین کیا جائے گا۔ اگر وکیل نے موکل کے حکم کی مخالفت کی تو وہ غاصب قرار دیا جائے گا۔ اگر اس نے موکل کے حکم کے مطابق کام کیا تو موکل کو پیداوار پر قبضہ کرنے کا حق حاصل ہو گا۔ بشرطیکہ بیج اس کی طرف سے ہو۔ اگر بیج کاشتکار کی طرف سے ہو تو پیداوار پر قبضہ کرنے کا حق وکیل کو ہو گا۔(۴۴۱)

۵۔ اگر کسی شخص نے اپنی معین زمین مزارعت پر دینے کے لیے وکیل مقرر کیا اور وکیل نے وہ زمین کسی شخص کو مزارعت پر دی اور یہ شرط طے کی کہ اس زمین میں گندم کاشت کرے یا جَو یا کوئی اور فصل تو یہ جائز ہے۔(۴۴۲)

۶۔ موکل نے اس لیے وکیل مقرر کیا کہ میری زمین اس سال مزارعت پر دے دے۔ وکیل نے گندم یا جَو کاشت کرنے کے لیے ایک مخصوص معاوضہ جو کسی دوسری فصل سے متعلق تھا مقرر کیا تو یہ استحساناً جائز ہے لیکن قیاساً جائز نہیں اس لیے کہ موکل تو اس بات پر راضی ہوا تھا کہ وکیل اس کی زمین مزارعت پر دے تاکہ موکل اس کی پیداوار میں شریک ہو اور وکیل نے اس کے برعکس کیا۔ اس نے اجرت معینہ پر زمین مزارعت کے لیے دے دی۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک استحساناً اس لیے جائز ہے کہ وکیل کا اس فعل سے موکل کا مقصود نفع حاصل کرنا تھا وہ ہو گیا ہے۔ کیونکہ اگر وکیل مزارعت پر دیتا پھر کاشتکار اس میں زراعت نہ کرتا یا کھیتی پر کوئی آفت آ جاتی تو مالک زمین کو کچھ نہ ملتا۔ لہٰذا جو فعل وکیل نے کیا ہے اس میں موکل کے حق سے بطور قرض مستاجر کے ذمہ ثابت ہو گیا جب کہ مستاجر کو زراعت کرنے کا موقع ملا۔ اگرچہ مستاجر زراعت کرے یا کھیتی پر آفت آ جائے۔ اور وکیل جب ایسا فعل کرے جو اس جنس سے ہو جس کا موکل نے حکم دیا اور جس خاص فعل کا موکل نے نام لیا ہے اس کی نسبت موکل کے حق میں زیادہ نفع ہو تو وکیل مخالف نہیں کہلائے گا اور جب وکیل مخالف نہ ٹھہرا تو اس کا عقد کرنا ایسے ہی ہے جیسے موکل نے خود ہی کیا۔ لہٰذا مستاجر کو اختیار ہو گا کہ جو اس کی رائے میں ہو۔ زراعت کرے کیونکہ گندم یا جو کی تقیید اس صورت میں مالک زمین کے حق میں کچھ مفید نہیں ہے کیونکہ پیداوار میں اس کی شرکت نہیں۔ بخلاف زراعت پر دینے کے کہ اس میں شراکت ہوتی ہے۔ اگر وکیل نے مذکورہ زمین کو رپوں یا کپڑوں کے عوض یا ان اموال کے ساتھ جن سے زراعت نہیں ہوتی اجارہ پر دیا تو یہ عقد اجارہ موکل کے لیے جائز نہ ہو گا۔ کیونکہ

اس نے جنس میں اختلاف کیا ہے اور مالک زمین نے واضح حکم دیا ہے کہ وہ زمین مزارعت پر دے اس کا معنی یہ ہو گا کہ زمین کا اس چیز کے عوض اجارہ پر دینا جو زمین سے پیدا نہیں ہوتی۔ لہٰذا وکیل نے اس کی جنس میں خلاف کیا ہے جس کا موکل نے صریحاً حکم دیا ہے۔ یہ وکیل اس وکیل کی طرح ہو گا جسے ایک ہزار روپے کے عوض کسی چیز کو فروخت کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہو اور وکیل نے اسے پانچ سو روپے میں فروخت کر دیا ہو تو یہ بیع موکل کے حق میں نافذ نہیں ہو گی۔ اگر اس نے اس چیز کو پندرہ سو روپے میں فروخت کیا تو بیع استحساناً نافذ ہو گی۔(۴۴۳)

۷۔ موکل نے وکیل سے کہا کہ میری زمین اس سال گندم کی ایک مخصوص مقدار کے عوض اجارہ پر دے دے اور وکیل نے اسے اس شرط پر نصف مقدار کی بٹائی پر دے دیا کہ اس زمین میں گندم کی کاشت کرے۔ کاشتکار نے اس کے مطابق زمین میں کاشتکاری کی تو یہ عقد مخالفت کی بنا پر درست نہ ہو گا(۴۴۴)

۸۔ موکل نے وکیل سے کہا کہ میری زمین تہائی کی بٹائی پر مزارعت کے لیے دے اور وکیل نے اس شرط پر زمین مزارعت کے لیے دی کہ تہائی مالک زمین کی ہو تو یہ جائز ہے۔ اگر مالک زمین نے کہا کہ میری مراد یہ تھی کہ کاشتکار کے لیے تہائی ہو تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی لیکن اگر بیج اس کی طرف سے ہو تو ایسی صورت میں اسی کا قول قبول کیا جائے گا۔(۴۴۵)

۹۔ ایک شخص کو موکل نے کہا کہ وہ میری زمین کو ایک سال کے لیے مزارعت پر دے دے مزید اس نے کوئی شرط عائد نہیں کی۔ وکیل نے اس زمین کو تہائی یا زیادہ پر دے دیا تو یہ جائز ہے کیونکہ موکل نے رقم مزارعت بیان نہیں کی اور وکیل کو اس کی رائے پر چھوڑ دیا جس مقدار پر چاہے مزارعت پر دے لیکن پھر بھی یہ رقم عرف عام سے کم نہیں ہونی چاہیے۔(۴۴۶)

۱۰۔ اگر موکل نے وکیل سے مزارعت کا سال مقرر نہیں کیا تو وکیل کے لیے جائز ہے کہ اس زمین کو ایک سال کے لیے مزارعت پر دے اگر ایک سال سے زائد پر مزارعت کے لیے دیا تو استحساناً جائز نہیں ہو گا البتہ قیاساً درست ہو گا کیونکہ وقت کے لحاظ سے یہ توکیل مطلق ہے(۴۴۷)

۱۱۔ موکل نے وکیل سے کہا کہ یہ زمین مزارعت پر کسی شخص کو دے دو اور آدمی متعین نہیں کیا تو جائز ہو گا اگر مدت کا ذکر کیا لیکن باقی شرائط نہ بتائیں تو بھی جائز ہے۔ اگر کہا کہ یہ زمین مزارعت پر دو، وکیل نے وہ زمین ایسے شخص کو مزارعت پر دی جس نے اس زمین میں چاول

وغیرہ کاشت کیے تو جائز ہو گا کیونکہ اس نے زمین سے اگنے والی اشیاء کے ضمن میں مزارعت پر زمین دی ہے۔(۴۴۸)

۱۲۔ موکل نے وکیل سے کہا کہ یہ زمین ایک سال کے لیے مزارعت پر لو وکیل نے اس زمین کو دو سال کے لیے مزارعت پر لے لیا تو اس عقد میں وہ زمین پہلے سال میں موکل کے لیے اور دوسرے سال میں وکیل کے لیے ہو گی(۴۴۹)

۱۳۔ اگر موکل نے وکیل سے کہا کہ اس کے لیے زمین مزارعت پر لے۔ وکیل نے مزارعت کی بجائے اجارہ پر زمین لے لی تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک موکل کی مخالفت کی وجہ سے جائز نہیں جب کہ صاحبین کے نزدیک جائز ہے۔(۴۵۰) لیکن اس کا اجر موکل کے ذمہ نہیں ہو گا۔(۴۵۱)

۱۴۔ موکل نے کسی شخص کو اس لیے وکیل مقرر کیا کہ وہ اس کے لیے فلاں زمین مزارعت پر لے وکیل نے وہ زمین اس شرط پر لی کہ وہ اس میں گندم' جو یا اس قسم کی فصل کاشت کرے گا۔ تو موکل اس زمین میں وہی فصل کاشت کرے گا جو عقد مزارعت میں وکیل نے مقرر کی۔(۴۵۲)

۱۵۔ ایک شخص کو وکیل مقرر کیا کہ میرے لیے یہ زمین اور اس کے ساتھ بیج مزارعت پر لے وکیل نے زمین کو گندم کے بیج یا جو وغیرہ کے ساتھ مزارعت پر لے لیا تو یہ جائز ہے۔(۴۵۳)

۱۶۔ موکل نے وکیل کیا کہ میرے لیے زمین زراعت پر لے اور مزید کوئی تفصیل نہیں بتائی۔ وکیل نے وہ زمین چاول یا گندم وغیرہ کے عوض اجارہ پر لی تو جائز نہیں لیکن اگر بیج مالک زمین کی طرف سے ہوں اور وکیل نے مذکورہ زمین اس شرط پر لی کہ تمام پیداوار مالک زمین کی ہو گی اور مالک زمین کاشتکار کو گندم یا چاول یا زمین سے پیدا ہونے والی فصل دے گا تو یہ شرط جائز ہو گی۔ اگر وکیل نے مالک زمین کے لیے روپے یا کپڑے وغیرہ کی شرط کی تو یہ جائز نہیں البتہ اگر موکل اس غیر زرعی جنس سے بھی راضی ہو تو مزارعت درست ہو گی۔(۴۵۴)

۱۷۔ اگر موکل نے وکیل سے کہا کہ "**ان یا خذ ھا لہ مزارعۃ بالثلث**" فلاں زمین میرے لیے تہائی کے ساتھ بٹائی دینے پر لو۔ وکیل نے یہ سمجھا کہ موکل نے یہ شرط عائد کی ہے کہ کاشتکار اس میں زراعت کرے اور تہائی پیداوار کاشتکار کی اور دو تہائی مالک زمین کی ہو تو یہ عقد کاشتکار کے حق میں جائز نہیں ہو گا اس لیے کہ جو کام کاشتکار نے کہا ہے اس کا موقع یہ ہے کہ مالک زمین کے لیے تہائی ہو کیونکہ مالک زمین ہی اپنی زمین کی منفعت کے عوض پیداوار کا مستحق ہے اور موکل نے وکیل سے کہا تھا "**یاخذ ھالہ مزارعۃ بالثلث**" (تہائی پر اس کے لیے

زمین مزارعت پر لے) اس میں ثلث پر "ب" حرف جار داخل ہے اور جس لفظ پر حرف جار داخل ہو وہ پیداوار میں سے اس کا حصہ ہو گا حالانکہ وکیل نے اس کے خلاف کیا ہے۔ اگر وکیل سے موکل نے یوں کہا ہوتا "**یاخذالارض والثلث**" کہ زمین اور تہائی لو اور باقی مسئلہ اسی حال پر ہو تو یہ عقد کاشتکار کے حق میں جائز ہو گا کیونکہ اس میں مقصود علیہ یعنی کاشتکار کا عمل ہے اور وہ مقابلتہ" اپنے کام کی پیداوار کا زیادہ مستحق ہے لہٰذا جب وکیل نے اس کے لیے تہائی کی شرط کی تو اس کے حکم کا فرمانبردار ہو گا۔(۴۵۵)

۱۸۔ اگر موکل نے وکیل سے کہا کہ وہ فلاں زمین ایک سال کے لیے مزارعت پر لے جب کہ بیج ہمارا ہو گا۔ لیکن وکیل نے مزارعت پر زمین لینے میں تغابن کیا۔ اگر رقم مزارعت تغابن سے کم ہے تو موکل پر مزارعت جائز ہو گی۔ اگر موکل اس زیادتی والی رقم پر بھی راضی ہو اور اس زمین میں کاشت کرے تو درست ہو گا۔ کیونکہ وکیل تملیک وکیل بیع کی طرح ہوتا ہے اور غبن فاحش میں اس کا تصرف موثر نہیں ہوتا بشرطیکہ موکل راضی ہو۔

اگر وکیل سے کہا کہ اس کے لیے فلان زمین اور بیج مزارعت پر لے تو وکیل نے اگر اس معاملے میں تغابن بھی کیا تو جائز ہے۔ مالک زمین نے اپنا حصہ زمین سے لینا ہے وہ اپنے حصے کا مالک ہو گا اس میں یہ شرط نہیں کہ اگر اس نے تغابن کیا تو موکل پر جائز نہ ہو گا(۴۵۶)

۱۹۔ موکل نے وکیل سے کہا کہ میری زمین مزارعت پر لے اور کسی چیز کا تعین نہیں کیا تو جہالت کثیرہ کے باعث وکالت نہیں ہو گی۔(۴۵۷)

فصل پنجم

احکام وکالت عقود التوثیق والتامین والحفظ

ان عقود سے مراد وہ معاہدے ہیں جن میں عاقدین کے درمیان اموال کی امانت اور حفظ سے متعلق معاہدے تشکیل پاتے ہیں۔ کتب فقہ میں ان معاہدوں سے مراد مندرجہ ذیل عقود ہیں۔

(۱) کفالہ (۲) حوالہ (۳ رہن (۴) ودیعت (۵) عاریت(۴۵۸)

اب ان عنوانات کا مختصر تعارف اور ان سے متعلق وکالت کے احکام بیان کیے جاتے ہیں۔

احکام توکیل کفالت

کفالت کا لفظ کفل سے مشتق ہے جس کا لغوی معنی ہے ضمان(۴۵۹) یعنی کسی دوسرے کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لینا۔ عربی میں ضمانت اور کفالت مترادف الفاظ ہیں۔ کفل کا معنی پرورش کرنا بھی آتا ہے جیسے قرآن مجید میں حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت کے متعلق فرمایا گیا۔

"وکفلها زکریا"(۴۶۰)

(ترجمہ) حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کی پرورش اور تربیت کی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یتیم کی پرورش کرنے والے کے متعلق فرمایا۔

"انا وکافل الیتیم فی الجنة هکذا"(۴۶۱)

(ترجمہ) میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں اکٹھے ہوں گے۔

فقہی لحاظ سے علامہ الجزیری نے کفالت کا مفہوم یہ بیان کیا ہے۔

"ضم ذمة الی ذمة فی المطالبة بنفس او دین او عین"(۴۶۲)

کسی شخص یا قرض یا شے کے مطالبہ میں ایک کی ذمہ داری کو دوسرے کی ذمہ داری سے وابستہ کرنا۔ یعنی ایک کی بجائے دو کا ذمہ دار ہو جانا کفالت کہلاتا ہے۔

یہ کفالت کسی شخص یا کسی کے قرض یا کسی کی اصل شے سے متعلق ہو سکتی ہے۔ اسی لیے

فقہاء نے کفالت کو ان تین قسموں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) کفالت شخصی (۲) کفالت قرض (۳) کفالت عین

کفالت میں ضمانت دینے والے کو ضامن یا کفیل، قرض خواہ یا حق دار کو مضمون لہ یا مکفول لہ، جس پر کسی کا حق ہے یا قرض دار کو مضمون عنہ یا مکفول عنہ اور وہ حق یا مطالبہ جس کی ضمانت دی جائے اسے مضمون بہ یا مکفول بہ کہتے ہیں۔ کفالت کو انگریزی میں Guaranty کہا جاتا ہے۔

کفالت میں وکالت کی یہ صورت ہوگی کہ موکل کسی شخص کو اس لیے وکیل مقرر کرے کہ وہ فلاں معاملے میں اس کی طرف سے کفالت کا اقرار کرے۔ اس اقرار کے بعد وہ وکیل کفیل اور ضامن ہو جائے گا۔

وکالت اور کفالت میں فرق

وکالت اور کفالت میں مندرجہ ذیل امور میں فرق ہے۔

۱۔ کفالت کسی شخص کے حاضر کرنے "To produce a persan" قرضہ ادا کرنے "To pay back the debt" یا کسی مال کی تحویل "Custody of property" کے متعلق ہو سکتا ہے۔

یہ کفالۃ قطعی Absolute و مشروط Conditional بھی ہو سکتی ہے اور آئندہ کسی تاریخ سے متعلق بھی۔ جب کہ وکالت کا دائرہ کار اس سے بہت وسیع ہے۔ البتہ کسی شخص کو حاضر کرنے کی وکالت نہیں ہوتی۔

۲۔ کفالت تین یا تین سے زائد افراد سے متعلق ہوتی ہے جب کہ وکالت کا تعلق کم از کم ایک وکیل اور ایک موکل سے ہوتا ہے۔

۳۔ وکالت میں موکل کسی کو اپنی رضامندی سے وکیل بنا سکتا ہے جب کہ کفالت میں ایسا نہیں۔

۴۔ مضمون عنہ کی کفالت مضمون لہ (حقدار) کی اجازت کے بغیر بھی ہو سکتی ہے جب کہ وکالت میں ایسا نہیں ہو سکتا۔

وکالت اور کفالت میں مماثلت

جس طرح وکالت اور کفالت میں بعض امور مابہ الامتیاز ہیں اسی طرح بعض معاملات میں ان میں مماثلت بھی ہے۔ مثلاً جس طرح وکیل موکل کی کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا اسی طرح کفالت میں

احکام

کفالت کی وکالت سے متعلق فقہاء کرام نے یہ احکام بیان فرمائے ہیں۔

۱۔ ایک شخص نے کسی شخص کو کفالت مخصی کے ضمن میں وکیل مقرر کیا جس کی ضمانت موکل پر ثابت تھی۔ پھر اس نے ایسا ہی کفیل دیا اس کے بعد موکل پر کسی قدر مال کا حکم دیا گیا۔ تو طالب کو اختیار ہے کہ کفیل کو گرفتار کرے لیکن وکیل کو گرفتار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وکیل یہاں قاصد کی طرح تھا۔ اور اس سے ایجاب و قبول نہیں ہوا۔ بلکہ صرف اس نے مطلوب کی طرف سے کفالت کا حکم دیا تھا نیز عقد کا حکم دینے والا حقوق عقد میں نہیں پکڑ جاتا۔(۴۶۴)

۲۔ وہ شخص جس نے کسی کی طرف سے مال کی کفالت کی پھر صاحب مال نے اسے مقروض سے مال وصول کرنے کا وکیل مقرر کیا تو وہ اس مال میں وکیل نہیں ہو سکتا کیونکہ وکیل وہ ہوتا ہے جو غیر کے لیے کام کرے اور اگر اس وکالت کو درست قرار دیا جائے تو وہ بری الذمہ ہونے میں اپنے لیے کام کرنے والا سمجھا جائے گا لہٰذا اس طرح رکن وکالت ختم ہو جائے گا۔(۴۶۵)

۳۔ وکیل نکاح اگر عورت کے مہر کا کفیل بنا تو یہ صحیح ہوگا۔(۴۶۶)

۴۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ کسی نے کسی آدمی کی طرف سے مال کی کفالت کی پھر صاحب مال یعنی مکفول لہ نے کفیل کو اپنی طرف سے یہ مال اس آدمی سے وصول کرنے کا وکیل کیا تو اس معاملہ میں وہ وکیل نہیں ہو سکتا کیونکہ وکیل غیر کے لیے کام کرتا ہے اپنے لیے نہیں۔(۴۶۷)

احکام توکیل حوالہ

حوالہ کا لفظ حول سے مشتق ہے جس کا لغوی معنی ہے "**نقل الشئی من المحل الی المحل**"(۴۶۸)

کسی چیز کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا۔ جیسے کہا جاتا ہے۔

"**تحویل ماء من نهر الی نهر**"(۴۶۹) ایک نہر سے دوسری نہر میں پانی منتقل کرنا۔

شرعی اصطلاح میں حوالہ کہتے ہیں۔

"**تحویل الدین من ذمة الاصیل الی ذمة المحال علیه علی سبیل التوثق به**"

(۴۷۰)

مقروض کا اپنے قرض کے مطالبے کو دوسرے شخص پر اس قرض کے عوض ڈال دینا جو اس شخص نے اس سے لینا ہے۔

البحرالرائق میں ہے "**نقل الدین من ذمة الی ذمة**"(۴۷۱)

کسی قرض کو ایک شخص کے ذمہ سے دوسرے شخص کے ذمہ ڈال دینا حوالہ کہلاتا ہے۔

حوالے کے ارکان یہ ہیں۔

محیل: حوالہ کرنے والا۔

محال یا محتال: جس کا مطالبہ حوالہ کیا گیا۔

محال علیہ یا محتال علیہ: وہ شخص جسے مطالبہ حوالہ کیا گیا۔

محال بہ یا مال: واجب الادا مطالبہ کو کہا جاتا ہے۔

جیسے کہا جائے "**احلت زیدا" علی عمرو**"

میں نے زید کے مطالبہ کو عمرو کے حوالے کر دیا۔ اس فقرہ میں ضمیر "میں نے"" محیل ہے۔ زید محال یا محتال' عمرو' محال علیہ یا محتال علیہ اور مال یعنی مطالبہ محال بہ ہے۔(۴۷۲)

حوالہ میں قرض کی منتقلی کے بعد مقروض اپنے قرض سے سبکدوش ہو جاتا ہے اور محتال جسے حوالہ کیا گیا قرض کا ذمہ دار ہو جاتا ہے۔

حوالہ کو انگریزی میں Novation یا Transfer of debt کہا جاتا ہے۔

وکالت اور حوالہ میں فرق

وکالت اور حوالہ میں ان دو لحاظ سے فرق ہے:

i۔ حوالہ صرف قرض کے لیے خاص ہے جب کہ وکالت اس کے مقابلے میں بہت عام اور وسیع ہے۔

ii۔ عقد حوالہ کے بعد محتال اور محتال علیہ کا تعلق ختم ہو جاتا ہے جب کہ وکیل اور موکل کا تعلق جب تک موکل چاہے قائم رہتا ہے۔(۴۷۳)

احکام

حوالہ کے ضمن میں وکالت سے متعلق چند احکام یہ بیان کیے گئے ہیں۔

۱۔ اگر قرض خواہ نے قرض دار کے کسی حوالے کو قبول کر لیا تو وکیل قبض کو محتال علیہ سے وصول کرنے کا اختیار نہیں اور نہ محیل یعنی قرضدار لے سکتا ہے۔ پھر اگر محتال علیہ رقم ادا نہ کر سکا اور قرضہ واپس محیل پر آگیا تو وکیل کو اس سے طلب کرنے کا اختیار ہو گا۔(۴۷۴)

۲۔ محتال لہ نے اگر محیل کو وکیل مقرر کیا کہ محتال علیہ سے قرضہ وصول کرے تو یہ صحیح نہیں۔

۳۔ وکیل قبضہ قرض کے لیے حوالہ قبول کرنا درست نہیں۔(۴۷۵)

۴۔ حوالہ وکالت کو باطل نہیں کرتا۔(۴۷۶)

۵۔ اگر محیل محتال کی طرف سے قرض حوالہ کے وصول کرنے کا وکیل ہو تو یہ درست نہیں۔ اس لیے کہ اس صورت میں محیل اپنے واسطے عمل کرتا ہے اور اپنے ہی کام کرنے میں وکالت نہیں ہوتی۔(۴۷۷)

احکام توکیل رہن

رہن کا لغوی معنی ہے ثابت رہنا' قائم رہنا اور روکنا۔(۴۷۸)
قرآن مجید میں یہ لفظ اس طرح استعمال ہوا ہے۔
"کل نفس بما کسبت رهينة"(۴۷۹)
(ترجمہ) ہر شخص اپنے کیے ہوئے اعمال کا پابند ہے۔
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"نفس المومن مرهونة بدينه حتى يقضى عنه"(۴۸۰)
مومن کی جان (قبر میں) اس کے قرض کے باعث بند رہے گی یہاں تک کہ اسے ادا کر دیا جائے۔

اصطلاح شریعت میں رہن سے مراد وہ چیز جو شرعاً مالیت رکھتی ہو اور اسے حصول قرض کے لیے وثیقہ یا ضمانت بنایا جائے تاکہ اس کے اعتماد سے قرض کا حاصل کرنا ممکن ہو۔(۴۸۱)

رہن کرنے والے کو راہن اور قرض دینے والے کو مرتھن کہتے ہیں۔ رہن کو انگریزی میں Mortgage کہا جاتا ہے۔

احکام

رہن کی توکیل سے متعلق مندرجہ ذیل احکام فقہاء نے بیان فرمائے ہیں۔

۱۔ رہن دینے اور لینے میں وکالت جائز ہے۔ رہن کے معاملات میں وکالت فریقین میں سے کسی ایک کے مرنے سے ختم نہیں ہوتی کیونکہ راہن اور مرتھن میں سے کسی ایک کے مرنے سے رہن ختم نہیں ہوتا۔(۴۸۲)

۲۔ اگر مدت رہن مکمل ہو جائے اور راہن غائب ہو جائے۔ وکیل شے مرہونہ کو واپس کرنے یا فروخت کرنے سے انکار کر دے تو وکیل پر جبر کیا جائے گا۔ البتہ اگر اسے عقد رہن مکمل ہو جانے کے بعد مقرر کیا تو اس حالت میں جبر نہیں کیا جائے گا۔(۴۸۳)

۳۔ اگر راہن نے قرضے کا مال ادا کر دیا پھر کسی دوسرے شخص کو قبضہ کے لیے وکیل کیا اور مال

وکیل کے پاس تلف ہو گیا تو راہن نے جس سے وہ مال مستعار لیا تھا اس کو تاوان دے گا۔ لیکن اگر وکیل اس کے عیال میں سے ہو تو ضامن نہیں ہو گا۔(۴۸۴)

۴۔ وہ شخص جسے موکل نے کوئی چیز رہن پر دینے کے لیے وکیل کیا اسے یہ حق نہیں ہوتا کہ شے مرہونہ پر اپنا مستقل قبضہ کرے اس لیے کہ یہاں اس کی حیثیت محض سفیر کی سی ہوتی ہے اور رہن رکھنے کی توکیل میں حکم اور حقوق دونوں موکل کی طرف لوٹیں گے۔(۴۸۵)

۵۔ راہن اور مرتھن نے اگر اشیاء مرہونہ کو فروخت کرنے کے لیے وکیل مقرر کیا تو بھی جائز ہے۔(۴۸۶)

۶۔ وکیل بیع نے اگر موکل فیہ کی قیمت کا عوض رہن رکھ لیا تو جائز ہو گا۔ مجلہ میں ہے کہ موکل کا جو مال وکیل نے فروخت کیا ہو اس کی قیمت کے مقابلے میں مشتری سے رہن بھی لے کر رکھ سکتا ہے۔

اگر اس صورت میں وکیل نے کسی چیز کو رہن رکھا لیکن وہ مرہونہ شے وکیل کے پاس ہلاک ہو گئی یا جس نے ادائیگی رقم کی ضمانت دی تو وہ کفیل مفلس ہو گیا تو وکیل پر تاوان نہیں آئے گا۔(۴۸۷)

احکام توکیل ودیعت

ودیعت کا لفظ ودع سے مشتق ہے جس کا لغوی معنی سپردگی کے ہیں' کہا جاتا ہے

"ودع فلانا مالا ای دفعه الیه ودیعة"(۴۸۸)

فلاں نے اس کے سپرد مال کیا۔ شرعی اصطلاح میں ودیعت کہتے ہیں۔

"المال المتروک عند الغیر للحفظ قصداً" بغیر اجر"(۴۸۹)

کسی کے پاس حفاظت کے لیے اپنا مال بغیر معاوضہ کے رکھنا ودیعت کہلاتا ہے۔

ودیعت کے لفظ میں بھی توکیل کا معنی پایا جاتا ہے کیونکہ ودیعت کا معنی ہی یہ ہے کہ کسی چیز کی محض حفاظت کے لیے کسی کو وکیل بنا دینا۔ گویا ودیعت وکیل بنانے ہی کی ایک صورت ہے یعنی مال کی حفاظت کے لیے کسی کو وکیل بنانا۔ لیکن خرید و فروخت' نکاح و طلاق اور خصومت کے وکیل کو ایداع نہیں کہا جائے گا۔ امانت کو مودع اور امانتدار کو ودیع و مودع کہتے ہیں۔ ودیعت کو انگریزی میں Deposit کہا جاتا ہے۔ ودیعت میں وکالت کے جواز کے متعلق البحرالرائق میں ہے۔

"جاز التوکیل فی رد ودیعة"(۴۹۰)

ودیعت لوٹانے میں توکیل جائز ہے۔ کیونکہ ودیعت لوٹانے میں اظہار رائے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس لئے ودیعت لوٹانے اور ودیعت پر قبضہ کرنے میں وکالت درست ہے۔

ودیعت اور امانت میں فرق یہ ہے کہ امانت عام ہے اور ودیعت خاص ہے کیونکہ ودیعت میں غیر سے حفاظت کرانا قصداً" مطلوب ہوتا ہے اور امانت کبھی بلاقصد بھی ہوتی ہے۔ ودیعت بذریعہ عقد ہوتی ہے اور امانت میں عقد ضروری نہیں۔ شے ودیعت ہلاک ہونے پر ہے مودع ضامن نہیں ہوتا جب کہ امانت اگر کسی کے پاس ہلاک ہو جائے تو وہ ضامن ہوتا ہے۔(۴۹۱)

احکام

۱۔ رد ودیعت میں توکیل کی صورت یہ ہوگی کہ موکل کسی شخص کو اس لیے وکیل مقرر کرے کہ وہ اس کے پاس جو کسی کی امانت ہے اسے اس لیے دے کہ وہ اصل مالک کو لوٹا دے۔ یہ ادائیگی قرض میں وکالت ہی کی ایک صورت ہے۔

۲۔ اگر رد ودیعت میں کسی شخص نے دو وکیل مقرر کیے تو ان میں سے اگر ایک نے بھی ودیعت لوٹا

۳۔ اگر کسی نے ودیعت پر قبضہ کی وکالت کا دعوی کیا اور اس دعوی کی تصدیق بھی کرائی یا اس نے تکذیب کی یا خاموش رہا پھر بھی فریق ثانی کو تسلیم کرنے پر جبر نہیں کیا جائے گا۔ اگر موکل خود حاضر ہو اور اس نے وکیل کی وکالت کی تکذیب کی تو پھر وکیل کو امانت نہیں لوٹائی جائے گی۔(۴۹۳)

۴۔ اگر موکل کے پاس کسی کی رقم قرض تھی اور اس نے اس کی اجازت کے بغیر اس رقم کو بطور ودیعت دیا تو اس پر ضمان ہو گا۔

۵۔ اگر ودیعت کے قبضہ پر وکیل مقرر کیا۔ جس شخص کے پاس وہ امانت تھی اس کے بعد اس نے کہا کہ میں نے وہ چیز خود موکل کو یا اس کے وکیل کو دے دی ہے تو اس کا قول معتبر ہو گا۔

۶۔ موکل کی فوتیدگی سے قبض ودیعت کی وکالت ختم ہو جائے گی۔(۴۹۴)

۷۔ ودیعت رکھنے پر مقررہ وکیل کے لیے یہ جائز نہیں کہ جب وہ مطلوبہ کام کرے تو اس میں سے کوئی شے اپنے قبضے کی طرف واپس لوٹائے اس لیے کہ اس عقد میں حکم قبضہ کرنے یا قبضہ دینے پر موقوف ہوتا ہے اور قبضے میں وکیل کا کوئی کام نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ قبضہ کرنے والے کا کام ہوتا ہے۔ اس کی حیثیت محض سفیر کی سی ہوتی ہے۔(۴۹۵)

۸۔ اگر ایک شخص نے کہا کہ میں ودیعت رکھوانے والے کی طرف سے ودیعت وصول کرنے کا وکیل ہوں۔ مستودع نے اس کے قول کی تصدیق کی تو اب مستودع کو حکم نہیں دیا جائے گا کہ اس مدعی وکیل کو ودیعت دے دے اس لیے کہ مستودع نے مال غیر کے ساتھ یہ اقرار کیا کہ یہ اس مال ودیعت پر قبضہ کرنے کا وکیل ہے اور خود اپنے مال میں ایسا اقرار نہیں کیا بخلاف قرضہ کے کیونکہ قرضہ عین مال سے ادا نہیں ہوتا بلکہ مثل سے ہوتا ہے۔(۴۹۶)

۱۰۔ اگر کسی کو اپنا مال وصول کرنے کے لیے وکیل کیا پھر قرضدار نے کہا کہ مالک مال نے اپنا سب مال وصول کر لیا ہے۔ تو مستودع کو حکم ہو گا کہ وکیل مذکور کو یہ مال سپرد کر دے اس لیے کہ وکالت تو ان دونوں کی باہمی تصدیق سے ثابت ہو گئی اور مال کو پورا وصول کرنا صرف وکیل مدعی کے قول سے ثابت ہوتا ہے۔(۴۹۷)

احکام توکیل عاریت

عربی لغت میں عاریت کا مادہ ع و ر ہے۔ ابن منظور کے نزدیک عاریت سے مراد وہ چیز ہے جو لوگوں کے درمیان آتی جاتی ہو یعنی "**ماتداولوہ بینکم**"(۴۹۸) وہ چیز جو جلدی جائے اور جلدی سے آ جائے اسے عاریت سے منسوب کیا جاتا ہے۔

ابن الاثیر کے نزدیک **عاریة** کا لفظ عار سے ہے جس کا معنی عیب ہوتا ہے۔(۴۹۹) اصطلاح میں عاریت کہتے ہیں۔

"**تملیک المنفعة بغیر عوض**"(۵۰۰)

بغیر معاوضہ کے کسی چیز سے نفع حاصل کرنے کا مالک بننا عاریت کہلاتا ہے۔ صاحب شرح وقایہ بیان کرتے ہیں۔

کسی کو کسی چیز کا معاوضہ دے کر مالک بنانا بیع کہلاتا ہے۔ بلامعاوضہ کسی شخص کو مالک بنانا ہبہ کہلاتا ہے۔ معاوضہ لے کر کسی شخص کو کسی چیز کے نفع کا مالک بنانا اجارہ کہلاتا ہے۔ اور بغیر معاوضہ کے کسی چیز کے نفع کا کسی شخص کو مالک بنانا عاریت کہلاتا ہے۔(۵۰۱)

عاریت کو انگریزی میں Borrowing of Utilities کہتے ہیں۔ عاریت کے تین ارکان ہیں۔

معیر۔ عاریت دینے والا' مستعیر۔ عاریت طلب کرنے والا یا لینے والا۔ معار۔ وہ چیز جو عاریت پر دی جائے۔

احکام

عاریت کو توکیل سے متعلق مندرجہ ذیل احکام کتب فقہ میں ملتے ہیں۔

۱۔ عاریت پہ کسی چیز کے لینے اور دینے میں وکالت جائز ہے۔(۵۰۲)

۲۔ کسی چیز کو عاریت پر دینے کے لیے اگر موکل نے وکیل مقرر کیا۔ تو وکیل کے لیے جائز نہیں کہ جب وہ مطلوبہ کام کرے تو اس میں سے کوئی چیز اپنے قبضے کی طرف واپس لوٹائے۔ اس لیے کہ اس عقد میں قبضہ کرنے یا قبضہ دینے پر حکم موقوف ہوتا ہے لہذا قبضے میں وکیل کا کوئی کام نہیں

ہوتا بلکہ وہ قبضہ کرنے والے کا کام ہوتا ہے اس کی حیثیت محض سفیر کی سی ہوتی ہے۔(۵۰۳)

۳۔ اگر مال عاریت واپس لینے پر موکل نے وکیل کیا تو وکیل پر یہ لازم نہیں ہو گا کہ مال موکل کے گھر تک پہنچائے۔(۵۰۴)

۴۔ موکل نے اگر عاریت پر لیے گئے جانور کو لینے کے لیے وکیل مقرر کیا وکیل اس جانور پر سوار کر واپس آیا۔ اس سواری کے باعث وہ جانور ہلاک ہو گیا تو وکیل اس کی قیمت کا ضامن ہو گا کیونکہ جانور کا مالک صرف مستعیر کی سواری پر راضی ہوا تھا نہ کہ وکیل کی سواری پر۔(۵۰۵)

اس کی مثال عصر حاضر میں یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی سے عاریتاً" لی ہوئی موٹر سائیکل لینے کے لیے بھیجے۔ وکیل موٹر سائیکل پر سوار ہو کر آئے اور حادثے کا شکار ہو جائے تو وہ وکیل اس حادثے کا ضامن ہو گا۔

۵۔ عاریت کو واپس لینے کے لیے موکل نے دو اشخاص کو وکیل کیا تو تنہا ایک شخص واپس نہیں لے سکتا جب تک کہ اس کا ساتھی بھی شریک نہ ہو۔ اگر کسی ایک نے وہ چیز واپس لی اور اس کے پاس ضائع ہو گی تو اسے پوری چیز کا تاوان دینا ہو گا۔(۵۰۶)

فصل ششم

احکام توکیل عبادات، منذورات و کفارات

عبادات سے مراد اگرچہ مالی اور بدنی عبادات ہوتی ہیں لیکن اس فصل میں درج ذیل عبادات کی وکالت سے متعلق احکام بیان کیے جائیں گے۔

(۱) عبادات، (۲) منذورات، (۳) کفارات

احکام توکیل مالی و مرکب عبادات

عبادات کا لفظ عبد سے ہے جس کا لغوی معنی ہے خضوع اور کمزوری (۵۰۷)

اس کی واحد عبادت ہے۔ اسلام میں عبادت کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ ہر وہ کام جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم اور سنت سمجھ کر کیا جائے وہ عبادت کہلاتا ہے۔

قلعہ جی نے عبادت کا شرعی مفہوم اس طرح بیان کیا ہے۔

"التصرفات المشروعة التی تجمع کمال المحبة والخوف والخضوع للّٰہ تعالیٰ" (۵۰۸)

وہ تمام شرعی امور جو اللہ تعالیٰ سے کمال محبت، اس کے خوف اور عاجزی کے ساتھ کیے جائیں عبادت کہلاتے ہیں۔

سعدی ابوجیب نے عبادت کے متعلق یہ لکھا ہے۔

"الطاعة مع الخضوع والتذلل" (۵۰۹)

عاجزی اور انکساری سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا عبادت کہلاتا ہے۔

ابن رشد کے نزدیک عبادت کی یہ دو قسمیں ہیں۔

اس سے مراد وہ عبادات ہیں جو فی نفسہ عبادت ہوں۔ ان کی ادائیگی سے مقصود صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور اس کا قرب حاصل کرنا ہوتا ہے' جیسے نماز اور روزہ۔

۲۔ عبادات معقولہ المعنی

وہ اعمال جو فی نفسہ عبادت نہ ہوں لیکن عبادات کی ادائیگی کے لیے بنیادی شرط ہوں جیسے غسل و طہارت وغیرہ(۵۱۰)

اصول فقہ کی اصطلاح میں اول الذکر عبادات کو حسن لعینہ اور موخرالذکر کو حسن لغیرہ کہا جاتا ہے۔(۵۱۱)

عبادات کو ایک اور لحاظ سے ان قسموں میں بھی تقسیم کیا جاتا ہے۔

۱۔ بدنی عبادات

وہ عبادات جن کی ادائیگی صرف جسم کی حرکات و افعال کے ساتھ کی جاتی ہے۔ جیسے طہارت بدنیہ' نماز' روزہ' اعتکاف اور تلاوت قرآن حکیم وغیرہ۔

۲۔ مالی عبادات

وہ عبادات جن میں مسلمان اپنے مال کو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کرتا ہے جیسے زکوۃ' صدقات نافلہ' عشر اور قربانی وغیرہ۔

۳۔ مشترکہ یا مرکب عبادات

ان سے مراد وہ عبادات ہیں جو ایک لحاظ سے مالی اور دوسرے لحاظ سے بدنی عبادات ہوں جیسے حج اور عمرہ۔(۵۱۲)

بدنی عبادات میں تو وکالت کسی طرح جائز نہیں۔ اس کا تفصیل ذکر باب ششم مستثنیات وکالت میں کیا جائے گا۔

مالی عبادات کی تقسیم و وصولی اور مرکب عباوات کی ادائیگی میں توکیل جائز ہے۔

احکام توکیل حج

حج کا لغوی معنی "القصد" یعنی ارادہ کرنا ہے۔(۵۱۳) شرعی اصطلاح میں حج کہتے ہیں۔

"عبارة عن قصد البيت على وجه التعظيم لا داء ركن من الدين"(۵۱۴)

دین کا رکن ادا کرنے اور عظمت کے پیش نظر بیت اللہ شریف کا ارادہ کرنا حج کہلاتا ہے۔ حج اسلام کا پانچواں بنیادی رکن ہے اور ہر عاقل بالغ و صاحب استطاعت مسلمان پر فرض ہے۔ حج اور عمرہ کا تعلق مشترکہ یا مرکب عبادات سے ہے۔ یعنی یہ وہ عبادت ہے جو ایک لحاظ سے مالی اور دوسرے لحاظ سے بدنی عبادت ہے۔

حج و عمرہ میں توکیل کی مشروعیت کے متعلق حضرت فضل بن عباسؓ سے مروی ہے کہ قبیلہ خشعم کی ایک عورت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس نے عرض کی یارسول اللہ اسلام میں فرض عبادات میں سے ایک عبادت حج ہے۔ میرا باپ بہت بوڑھا ہے وہ سواری پر نہیں بیٹھ سکتا۔

"افا حج عنه قال نعم وذلک فی حجة الوداع"(۵۱۵)

کیا میں اس کی طرف سے حج کروں آپ نے فرمایا ہاں۔ یہ واقعہ حجۃ الوداع کا ہے۔ اس حدیث کے ضمن میں مولانا عثمانی فرماتے ہیں۔

"دلالة على جواز الاستنابة فی الحج عند العجز عنه بالمرض او الموت ظاهره"(۵۱۶)

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بیماری یا موت کی وجہ سے اگر موکل خود حج ادا کرنے سے عاجز ہو تو اس کے لیے وکیل مقرر کیا جا سکتا ہے۔

فقہی اصطلاح میں اسے حج بدل کہا جاتا ہے۔ حج کی توکیل میں موکل کا اپنی زندگی میں کسی بھی وجہ سے عاجز ہونا شرط ہے۔ بغیر عجز کے حج بدل نہیں کہا جا سکتا۔ ابن قدامہ فرماتے ہیں۔

"یجوز التوکیل فی الحج اذا ائیس المحجوج عند من الحج بنفسه وکذلک العمره" (۵۱۷)

حج اور عمرہ کرنے والا جب خود حج کرنے سے مایوس ہو جائے تو پھر حج کی ادائیگی میں توکیل جائز ہے۔

علامہ حنیف گنگوہی فرماتے ہیں۔

حج مشترکہ عبادت ہے جس میں بحالت عجز وکالت جائز اور بحالت قدرت ناجائز۔ عبادت مالی ہونے کی جہت سے وکالت جائز اور عبادت بدنی ہونے کے اعتبار سے ناجائز ہے۔(۵۱۸)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"لیس للانسان الا ماسعی"(۵۱۹)

انسان کے لیے وہی کچھ ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔

بظاہر یہ آیت توکیل عبادت کے منافی نظر آتی ہے لیکن مفسرین فرماتے ہیں کہ **"للانسان"** سے مراد یہ ہے کہ انسان کو اپنے عمل کے سوا کسی کا کوئی عمل نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ یہاں مضرت کی نفی ہے منفعت کی نہیں۔(۵۲۰)

احکام

۱۔ حج کی وکالت کے انعقاد میں ان شرائط کا پورا ہونا ضروری ہے۔

(i) موکل پر حج فرض ہو۔

(ii) موکل یعنی محجوج عنہ زندہ ہو اور دائمی طور پر خود حج کرنے سے عاجز ہو۔

(iii) موکل وکیل کا اکثر یا تمام خرچ برائے ادائیگی حج برداشت کرے۔

(iv) وکیل عاقل' بالغ اور مسلمان ہو۔(۵۲۱)

۲۔ حج کے لیے وکیل مرد اور عورت دونوں مقرر کیے جاسکتے ہیں لیکن مرد کا حج کے لیے وکیل مقرر کرنا زیادہ افضل ہے۔ اس لیے کہ عورت کی طرف سے حج کے دوران بہت سے نقائص واقع ہوتے اور ہو سکتے ہیں اور بہت سی سنتوں کو ادا کرنے سے خواتین قاصر رہتی ہیں۔ جیسے دوران طواف رمل نہ کر سکنا۔ ارکان حج کی بجا آوری کے بعد حلق نہ کرانا اور دوران حج ایام حیض شروع ہونے سے حج کا فوت ہو جانا وغیرہ وغیرہ جب کہ مرد ان تمام فرائض و سنن کو بطریق احسن ادا کر سکتا ہے۔(۵۲۲)

۳۔ وکیل اگر موکل کی طرف سے حج ادا کرے لیکن حج کے اخراجات وکیل خود ادا کرے تو یہ درست نہیں ہو گا۔ البتہ اگر موکل نے جتنا خرچ دیا تھا وہ دوران حج کم ہو گیا۔ تو تھوڑا بہت اپنی طرف سے خرچ کر سکتا ہے اسے موکل کی مخالفت قرار نہیں دیا جائے گا۔(۵۲۳)

۴۔ وکیل حج کے لیے ضروری ہے کہ موکل کی طرف سے حج واحد کی نیت کرے اور احرام باندھتے وقت وہ یہ کہے۔

"احرمت عن فلان او اللھم لبیک عن فلان"

یعنی میں نے فلاں کی طرف سے احرام باندھا یا یہ کہے یا اللہ میں فلاں کی طرف سے حاضر ہوں۔(۵۲۴)

۵۔ توکیل حج وکیل کو باقاعدہ سونپی جائے اگر کسی نے بغیر توکیل کے کسی کی طرف سے حج کیا تو اس کی طرف سے حج ادا نہیں ہو گا۔(۵۲۵)

۶۔ موکل نے اگر کسی شخص کو ادائیگی حج یا عمرہ کے لیے وکیل مقرر کیا تو وہ وکیل ثانی مقرر نہیں کر سکتا۔(۵۲۶)

۷۔ موکل اگر فوت ہو جائے تو اس کی فوتیدگی سے یہ توکیل باطل نہیں ہوگی بلکہ وکیل پر لازم ہو گا کہ اس کی طرف سے حج ادا کرے البتہ موکل کی فوتیدگی کے بعد اسے توکیل ثانی کا اختیار ہو گا۔(۵۲۷)

۸۔ مکمل حج کے علاوہ حج کے ارکان میں بھی توکیل جائز ہے جیسے حج کرنے والا اگر رمی جمار یا ذبح قربانی خود نہ کر سکے تو کسی کو توکیلا" یہ امور انجام دینے کو کہہ سکتا ہے۔(۵۲۸)

۹۔ اگر موکل نے وکیل سے کہا کہ وہ صرف حج یا حج فرد کرے لیکن وکیل نے قران (عمرہ اور حج ایک احرام سے ادا کرنا) یا تمتع (پہلے عمرہ کرنا پھر احرام کھول دینا اور حج کے لیے پھر نیا احرام باندھنا) کیا تو ایسا کرنا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک درست نہیں لہٰذا اس خرچ کا ضمان وکیل پر ہو گا جب کہ صاحبین کے نزدیک وکیل پر اس مخالفت کا ضمان لازم نہیں آئے گا۔ کیونکہ وکیل نے خیر اور نیکی میں ہی اضافہ کیا ہے۔ اور خیر میں مخالفت موکل کی مخالفت نہیں کہلاتی۔(۵۲۹)

۱۰۔ موکل نے وکیل سے کہا کہ میری طرف سے عمرہ ادا کر۔ اس نے عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ ادا کیا۔ وکیل نے اس کے بعد حج کا احرام باندھ کر اپنی طرف سے حج کیا تو اس میں بھی موکل کی مخالفت نہیں ہوگی۔ کیونکہ جس مقصد کے لیے اسے وکیل مقرر کیا گیا اس نے وہ پورا کر دیا۔ اس کے بعد اگر اس نے حج کیا تو یہ اس کا ذاتی فعل ہو گا البتہ حج کے دوران جو خرچ ہو گا وہ اس کا اپنا ہو گا موکل کا نہیں۔(۵۳۰)

۱۱۔ وکیل حج کے لیے افضل ہے کہ وہ پہلے حج کر چکا ہو تا کہ وکالتاً" کرنے والے حج کو بطریق احسن

ادا کرے اگرچہ یہ بھی جائز ہے کہ اس شخص کو وکیل مقرر کیا جائے جس نے پہلے حج نہ کیا ہو۔(۵۳۱)

۱۲۔ ایسے تمام اخراجات جو وکیل حج کر سکتا ہے لیکن وہ نہیں کرتا تو اس کی رقم موکل سے لینے کا مجاز ہے۔ جیسے حج کے دوران اگر موکل کسی سفر کے متعلق کہے کہ تم کسی سواری سے یہ سفر کرنا لیکن موکل نے وہ سفر پیدل کر لیا تو اس سفر کا خرچ موکل سے وصول کر سکتا ہے۔(۵۳۲)

۱۳۔ اگر وکیل نے دو موکلوں کی طرف سے وکالت حج قبول کر لی اور دونوں کی طرف سے حج کا احرام باندھا یا کسی ایک کی طرف سے احرام باندھا تو یہ موکل کے حکم کی مخالفت ہو گی۔ یہ حج کسی بھی موکل کی طرف سے نہیں ہو گا بلکہ اس کا اپنا حج قرار پائے گا۔ اور دونوں کو ضمان ادا کرنا ہو گا۔ کیونکہ کوئی بھی موکل اس طرح اپنا مال خرچ کرنے پر راضی نہ تھا۔ اور اگر اس نے کسی ایک کی طرف سے حج کیا تو یہ بھی غلط ہو گا کیونکہ اسے ایک کی طرف سے حج کرنے کا اختیار نہیں تھا۔(۵۳۳)

دوسرے قول کے مطابق اگر اس وکیل نے حج کا احرام باندھتے وقت کسی ایک کو معین کر دیا تو اس کی طرف سے حج ادا ہو گا اور دوسرے موکل کو ضمان ادا کرنا ہو گا۔ اگر غیر معین احرام باندھا تو اس کے لیے ضروری ہو گا کہ کسی ایک موکل کے ساتھ اس احرام کو معین کرے اگر کسی کے ساتھ معین نہیں کیا تو پھر اس کا اپنا حج ہو گا کسی موکل کا نہیں۔(۵۳۴)

۱۴۔ اگر ایک وکیل کو ایک موکل نے حج کے لیے دوسرے موکل نے عمرہ کے لیے وکیل مقرر کیا اگر دونوں موکلوں نے اسے حج اور عمرہ جمع کرنے کی اجازت دے دی تو جائز ہو گا کیونکہ یہ سفر کچھ حج کے لیے ہو گا اور کچھ عمرہ کے لیے لہٰذا اس اجتماع سے ان کی مخالفت نہیں ہو گی۔

امام کرخی کے نزدیک اگر دونوں کو موکل نہ بھی اجازت دے تو بھی وکیل کا حج اور عمرہ اکٹھا کرنا جائز ہو گا۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایسا اقدام موکلین کی اجازت کے بغیر درست نہ ہو گا۔ اگر بغیر اجازت کے حج اور عمرہ کیا تو یہ ان کی مخالفت کے ضمن میں آئے گا جو جائز نہیں۔ امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ وکیل حج اگر اپنی طرف سے عمرہ کرے تو جائز ہو گا لیکن وکیل عمرہ کی طرف سے عمرہ کرے تو جائز نہیں۔(۵۳۵)

۱۵۔ وکیل حج نے اگر کوئی ایسا کام کیا جس سے دم جنایت یا کفارہ لازم آتا ہو تو وہ وکیل اپنی طرف سے ادا کرے گا اس کا خرچہ موکل کی طرف سے نہیں ہو گا۔ البتہ اگر دم احصار(۵۳۶) ہو تو

اس کا خرچ موکل کی طرف سے ہو گا۔(۵۳۷)

اگر وکیل کسی ایسے کام میں مشغول ہو گیا جس کی وجہ سے وکیل حج نہ کر سکا تو موکل کو ضمان ادا کرنا ہو گا۔(۵۳۸)

۱۶۔ اگر وکیل حج نے دوران حج کسی ایسے فعل کا ارتکاب کیا جس سے حج فاسد ہو گیا جیسے اس نے اپنی بیوی سے جماع کر لیا۔ تو اس کا ضمان بھی وکیل کے ذمہ ہو گا البتہ فساد حج کے بعد جو مناسک حج ادا کرے گا وہ اپنے مال سے ادا کرے گا۔(۵۳۹)

۱۷۔ حج کے بعد طے شدہ ایام سے زیادہ اگر وکیل وہاں ٹھہرا تو ان ایام کے ٹھہرنے کا خرچ وکیل کے ذمہ ہو گا البتہ اگر کسی معقول وجہ سے وہاں رکنا پڑا تو پھر اس کا خرچ موکل کے ذمہ ہو گا۔(۵۴۰)

۱۸۔ توکیل حج صرف فرض حج میں جائز ہے نفلی میں نہیں۔(۵۴۱)

۱۹۔ اگر وکیل حج موکل سے یہ کہے کہ اس سال میں اپنا حج ادا کروں گا اور آئندہ سال آپ کی طرف سے تو درست نہیں اس کے لیے موکل کی طرف سے پہلے حج کرنا لازمی ہے۔(۵۴۲)

۲۰۔ توکیل حج کے لیے یہ ضروری ہے کہ موکل اور وکیل ایک ہی ملک کے رہائشی ہوں۔(۵۴۳)

۲۱۔ موکل اپنی اولاد اور رشتہ داروں میں سے کسی کو بھی وکیل حج مقرر کر سکتا ہے۔(۵۴۴)

۲۲۔ اگر وکیل حج ادائیگی حج کے دوران فوت ہو گیا تو موکل پر بدستور حج فرض رہے گا۔ اسے کسی دوسرے کو وکیل حج مقرر کرنا ہو گا۔ تاکہ اس کی طرف سے حج ادا کرے۔ دوران حج نمازوں میں صرف اتباع حج کے طور پر توکیل جائز ہے ورنہ نہیں۔(۵۴۵)

احکام توکیل صدقات

صدقات کا لفظ صدق سے ہے جس کا بنیادی معنی قوت کے آتا ہے سچ کو صدق اس لیے کہتے ہیں کہ سچ میں فی نفسہ قوت ہوتی ہے۔(۵۴۶) صدق ٹھوس اور سخت چیز کو بھی کہتے ہیں اسی سے صدقہ ہے جس کی جمع صدقات آتی ہے۔(۵۴۷) شرعی اصطلاح میں صدقہ کہتے ہیں۔

"مایخرجه الانسان من ماله علی وجه القربة کالزکاة"(۵۴۸)

انسان کا اپنے مال میں سے حصول قرب الٰہی کے پیش نظر کچھ مال خرچ کرنا جیسے زکوۃ۔

شریعت اسلامیہ میں صدقات دو قسم کے ہیں:

(۱) صدقات واجبہ (۲) صدقات نافلہ(۵۴۹)

صدقات واجبہ سے مراد وہ صدقات جن کا نکالنا ہر صاحب استطاعت مسلمان پر فرض یا واجب ہو جیسے زکوۃ، عشر اور صدقہ فطر وغیرہ۔

صدقات نافلہ سے مراد وہ صدقات ہیں جو انسان اپنی خواہش سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔ صدقات کا تعلق مالی عبادات سے ہے لہٰذا اس میں توکیل کی مشروعیت ان نصوص سے واضح ہوتی ہے۔ تقسیم زکوۃ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"انما الصدقات للفقرا والمساکین والعاملین علیها"(۵۵۰)

(ترجمہ) بے شک زکوۃ فقرا، مساکین اور عاملین (اور دیگر مصارف شرعیہ) کے لیے ہے۔

اس آیت میں عاملین زکوۃ کا زکوۃ وصول کرنا اور تقسیم کرنا وکالت ہی کی ایک صورت ہے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یمن کا عامل مقرر کیا تو آپ نے ان سے فرمایا:

"فاعلم ان اللّٰه افترض علیهم صدقة فی اموالهم تو خذ من اغنیائهم فترد فی فقراء هم"(۵۵۱)

جان لو بے شک اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے اموال پر زکوۃ فرض کی ہے آپ ان کے اغنیاء سے زکوۃ لے کر ان کے فقراء میں تقسیم کر دیجئے۔ یہ حدیث بھی زکوۃ کی وصولی و تقسیم پر وکالت کی مشروعیت کو ثابت کرتی ہے۔ صدقات میں توکیل کی مشروعیت کے متعلق فقہاء کرام سے بھی اقوال

سکتی ہیں۔

علامہ مرادوی فرماتے ہیں۔

"یصح فی کل حق اللّٰہ تعالیٰ تدخلوا النیابۃ کالصدقات و الزکوات بلانزاع" (۵۵۲)

اللہ تعالیٰ کے وہ تمام حقوق جن میں بلااختلاف نیابت ہو سکتی ہے صدقات اور زکوۃ ہیں۔

خطیب الشربینی فرماتے ہیں۔

فلا یصح فی عبادۃ الا تفرقۃ زکاۃ (۵۵۳)

عبادات میں سے تقسیم زکوۃ میں توکیل جائز ہے۔ اسی طرح فتاوی ہندیہ میں ہے کہ زکوۃ و صدقات کی تقسیم اور وصولی میں زکوۃ جائز ہے۔(۵۵۴)

ان عبادات مالیہ میں موکل غیر مشروط پر وکیل مقرر کر سکتا ہے اگرچہ اسے کوئی عذر لاحق ہو یا نہ ہو۔ اس لیے کہ ان عبادات کا اصل مقصد مالدار کی آزمائش اور محتاج کی حاجت دور کرنا ہے جو وکیل کے فعل سے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ اسی لیے زکوۃ کی وصولی اور تقسیم کی وکالت کے لیے وکیل کا عاقل و بالغ ہونا تو ضروری ہے لیکن مسلمان ہونا ضروری نہیں۔(۵۵۵)

احکام

توکیل تقسیم صدقات اور زکوۃ سے متعلق کتب فقہ میں یہ احکام موجود ہیں۔

۱۔ ایک شخص نے دوسرے کو اپنی زکوۃ کی رقم فقراء میں تقسیم کرنے کے لیے وکیل مقرر کیا اگر وکیل خود محتاج ہے تو وہ اپنے بیوی و بچوں میں تقسیم کر سکتا ہے لیکن خود اپنے آپ کو نہیں دے سکتا۔ البتہ اگر موکل نے اسے یہ کہا ہو کہ تم جہاں چاہو اس زکوۃ کو تقسیم کرو تو پھر مستحق ہونے کی صورت میں خود بھی لے سکتا ہے۔

وکیل کا فقیر بچہ اگر نابالغ ہو تو وکیل اسے اپنے موکل کی زکوۃ صرف اس وقت دے سکتا ہے جب وہ وکیل خود فقیر ہو کیونکہ اگر باپ غنی ہو تو نابالغ بچے کو بھی غنی تصور کیا جاتا ہے۔

۲۔ اگر موکل نے وکیل سے کہا کہ یہ زکوۃ کی رقم فلاں شخص کو دے کر آؤ تو اب وکیل پر لازم ہو گا کہ وہ رقم زکوۃ صرف اس شخص کو دے۔ اگر اس نے کسی اور شخص کو دے دی تو مخالفت کی وجہ سے اسے تاوان ادا کرنا ہو گا۔

۳۔ ادائیگی زکوۃ کے وکیل نے اگر موکل کی دی ہوئی رقم اپنے پاس روک لی اور اپنے مال میں

سے موکل کی زکوۃ ادا کی اور اس کی نیت یہ ہو کہ وہ موکل کی دی ہوئی رقم خود رکھ لے گا تو یہ درست ہے لیکن وکیل اگر یہ چاہے کہ وہ پہلے موکل کی رقم خرچ کرے پھر اپنے پاس سے موکل کی زکوۃ ادا کرے تو یہ جائز نہیں۔

۴۔ تقسیم زکوۃ کے لیے مقرر شدہ وکیل اپنے موکل کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے کو وکیل بنا سکتا ہے کیونکہ اس کا مقصد صرف تقسیم یا ادائیگی زکوۃ ہے اس میں کسی رائے کے اظہار کی ضرورت نہیں ہوتی۔

۵۔ اگر ایک سے زیادہ موکلوں نے ایک شخص کو تقسیم زکوۃ پر وکیل مقرر کیا اور انہوں نے اسے الگ الگ زکوۃ کی رقم دی۔ بعد میں وکیل نے ان تمام رقوم زکوۃ کو یکجا کر دیا تو وکیل پر تاوان آئے گا۔ جو کچھ وہ فقراء کو دے گا وہ اس کی جانب سے شمار ہو گا البتہ اگر فقراء کو دینے سے پہلے موکلوں نے اجازت دے دی یا عرف کی بنا پر اسے ایسا کرنے کی اجازت ہو تو وکیل کی طرف سے ادا شدہ رقم موکلوں کی زکوۃ ہی متصور ہو گی۔ اگر فقراء کی طرف سے وصولی زکوۃ پر کوئی وکیل مقرر ہو تو وہ مختلف لوگوں سے حاصل کی ہوئی زکوۃ کو یکجا کر سکتا ہے۔(۵۵۶)

۶۔ ادائیگی زکوۃ کے لیے وکیل کے لیے ضروری ہے کہ وہ موکل کی طرف سے ادا کرنے کی نیت کرے کیونکہ اس کے بغیر موکل کی طرف سے زکوۃ ادا نہیں ہو گی۔(۵۵۷)

۷۔ دو موکل اگر عقد شراکت کے تحت کاروبار کرتے ہوں تو دونوں نے ایک دوسرے کو یہ اجازت دی ہو کہ وہ اس کی طرف سے زکوۃ ادا کرے۔ پھر دونوں نے ایک ہی وقت میں شریک کی زکوۃ ادا کی۔ تو دونوں میں سے ہر ایک اپنے شریک کے حصہ کا ضامن ہو گا۔ خواہ اسے دوسرے کے خود زکوۃ ادا کرنے کا علم تھا یا نہیں تھا اگر دونوں نے آگے پیچھے زکوۃ ادا کی تو بعد میں ادا کرنے والا ضامن ہو گا۔ خواہ اسے اپنے شریک کے خود زکوۃ ادا کرنے کا علم تھا یا نہ تھا۔(۵۵۸)

۸۔ موکل نے کسی کو اپنی زکوۃ ادا کرنے کے لیے وکیل مقرر کیا پھر موکل نے وکیل کے ساتھ یا اس سے پہلے خود ہی زکوۃ ادا کر دی۔ پھر وکیل نے بھی زکوۃ ادا کر دی تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اب وکیل اس زکوۃ کی ادائیگی پر ضامن ہو گا۔ اگرچہ اسے موکل کی طرف سے ادائیگی کا علم تھا یا نہیں تھا۔ جب کہ صاحبین کے نزدیک ضمان نہیں ہو گا۔(۵۵۹)

۹۔ اگر شرکت عنان میں ایک شریک نے دوسرے کی اجازت کے بغیر زکوۃ ادا کی تو وہ زکوۃ ادا

کرنے والا اس حصہ کا ضامن ہو گا۔ کیونکہ وہ تجارت اور مال میں ایک دوسرے کے نائب ہیں لیکن ادائیگی زکوۃ میں ایک دوسرے کے نائب نہیں۔ لہٰذا بلا اجازت شریک کا زکوۃ ادا کرنا اپنے اختیارات میں تجاوز کرنا ہے۔ البتہ اگر وہ اجازت دے یا حکم دے تو پھر اس کا زکوۃ ادا کرنا جائز ہو گا۔(۵۶۰)

۱۰۔ موکل نے اپنے وکیل سے یہ کہا:

"اخرج زکوۃ مالی من مالک"

اپنے مال سے میرے مال کی زکوۃ نکال' اس طرح زکوۃ ادا کرنا درست ہو گا۔(۵۶۱)

۱۱۔ اگر کسی کو موکل نے ادائیگی صدقہ کے لیے وکیل مقرر کیا اور اسے کچھ رقم بطور صدقہ ادا کرنے کے متعلق یہ کہا کہ یہ رقم فلاں پر خرچ کرو۔ تو وکیل اس رقم کو اپنے اور اپنے بچوں پر خرچ نہیں کر سکتا اگرچہ وہ خود صدقہ لینے کا اہل ہو۔(۵۶۲)

۱۲۔ وکیل کو یہ بھی چاہیے کہ ادائیگی صدقہ کے وقت وہ جسے صدقہ دے اسے بتائے کہ وہ اس صدقہ کو فلاں کی طرف سے ادا کر رہا ہے یا فلاں نے دیا ہے۔ بصورت دیگر وکیل کا اپنے مال سے صدقہ ادا کرنا متصور ہو گا۔(۵۶۳)

۱۳۔ موکل نے وکیل سے کہا کہ فلاں شخص پر یہ مال صدقہ کرو تو موکل کو وہی مال وکیل کو ادا کرنا ہو گا اور وکیل پر بھی لازم ہو گا کہ وہ اس شخص پر صدقہ کرے۔(۵۶۴)

۱۴۔ موکل نے اگر وکیل سے کہا کہ یہ رقم دس مساکین پر صدقہ کر دو۔ وکیل نے وہ رقم ایک ہی مسکین کو دے دی تو جائز ہو گا۔ کیونکہ موکل کو صدقہ کرنا مطلوب تھا نہ کہ مستحقین کی تعداد کو پورا کرنا۔(۵۶۵)

۱۵۔ اگر موکل نے وکیل سے کہا کہ وہ یہ رقم فلاں شہر کے غرباء میں تقسیم کر دے لیکن وکیل نے کسی اور شہر کے لوگوں میں تقسیم کر دی تو موکل کی مخالفت کی وجہ سے وکیل پر تاوان واجب ہو گا۔ اس طرح اگر فقراء کو بھی خاص کر دیا تو بھی وکیل موکل کی مخالفت نہیں کر سکتا البتہ اگر یہ شرط نہ کی ہو تو وکیل جہاں چاہے جس کو چاہے صدقہ کی رقم دے سکتا ہے۔

۱۶۔ موکل نے وکیل سے کہا کہ ایک ہزار روپے صدقہ کر دو پھر موکل نے بھی اتنی رقم صدقہ کر دی تو وکیل کو صدقہ کرنے پر ضمان نہیں آئے گا۔(۵۶۶)

۱۷۔ موکل نے تقسیم زکوۃ و صدقات کے لیے کسی کو وکیل مقرر کیا۔ وکیل نے وہ رقم اپنی ذات

پر خرچ کرلی پھر اتنی رقم بعد میں اپنے مال سے صدقہ کردی تو یہ جائز ہے۔(۵۶۷)

۱۸۔ صدقہ کرنے کے لیے جس شخص کو وکیل مقرر کیا گیا ہو اس پر لازم ہوتا ہے کہ وہ تمام رقم صدقہ کر دے اپنے پاس کوئی رقم نہ رکھے اور نہ ہی کسی سے رقم واپس لوٹائے۔ کیونکہ اس وکالت میں وکیل سفیر کی طرح ہوتا ہے۔(۵۶۸)

احکام توکیل اضحیہ

اضحیہ کا لفظ ضحیٰ سے ہے جس کا لغوی معنی ہے بکری یا اس طرح کا جانور جو ایام نحر میں ذبح کیا جائے۔ یہ چونکہ ضحیٰ یعنی دن چڑھے ذبح کیا جاتا ہے اس لیے اسے اضحیہ کہا جاتا ہے گویا یہ نام از قبیل تسمیہ شی باسم وقۃ (یعنی وقت کی مناسبت سے اس کا نام رکھنا) ہے۔(۵۶۹)

شرعی اصطلاح میں اضحیہ کہتے ہیں۔

"انعام التی تذبح ایام النحر اقامۃ السنۃ"(۵۷۰)

وہ چوپایہ جو قربانی کے دنوں میں سنت کے مطابق ذبح کیا جائے۔ قربانی کا تعلق عبادات مالیہ کے ساتھ ہے۔

قربانی میں توکیل سے متعلق حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کچھ بکریاں دیں تاکہ انہیں صحابہ کرامؓ میں تقسیم کروایا جائے۔ تقسیم کے بعد ایک بکری کا بچہ رہ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا۔

"ضح بہ انت" اس کی تم قربانی کر لو۔(۵۷۱)

اس حدیث کی روشنی میں علامہ شوکانی اور علامہ ظفر احمد فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قربانی کی تقسیم و وصولی اور ذبح قربانی میں توکیل جائز ہے۔(۵۷۲)

مغنی المحتاج میں خطیب الشربینی نے بھی ذبح قربانی میں توکیل کو جائز لکھا ہے۔(۵۷۳)

احکام

۱۔ اگر موکل نے کسی شخص کو اس لیے وکیل مقرر کیا کہ وہ اس کی طرف سے قربانی دینے کے لیے سیاہ رنگ کا جانور خریدے۔ وکیل نے وہ گائے خریدی جس کا رنگ سیاہ اور سفید تھا۔ تو یہ جانور مخالفت رنگ کے باوجود موکل ہی کا ہوگا اس لیے کہ رنگ کی مخالفت ذبح قربانی میں دینی اور عرفی لحاظ سے کوئی اہمیت نہیں رکھتی اور اس رنگ کی گائے ذبح کرنے سے بھی قربانی ادا ہو جائے گی۔

۲۔ اگر موکل نے وکیل سے کہا کہ اس کے لیے وہ مینڈھا خریدا جائے جس کے بڑے بڑے سینگ اور بڑی بڑی آنکھیں ہوں۔ وکیل نے موکل کی مخالفت کرتے ہوئے بے سینگ اور چھوٹی آنکھوں والا مینڈھا خریدا تو یہ جانور موکل کا نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ وصف ایسا ہے جسے لوگ قربانی

کے جانور میں مرغوب رکھتے ہیں اس طرح اس مخالفت کی وجہ سے یہ جانور وکیل ہی کا ٹھہرے گا۔

۳۔ موکل نے وکیل سے کہا کہ قربانی کے لیے مثنیہ(۵۷۴) گائے خریدو اور اس کی قیمت موکل نے بیان نہیں کی اور وکیل نے مسنہ(۵۷۵) خرید لیا تو اس حالت میں دو صورتیں ہوں گی پہلی صورت یہ کہ اگر مثنیہ بچہ نسبتاً" مسنہ کے کم قیمت پر خریدا تو مسنہ موکل کے ذمہ لازم نہیں ہو گا۔

دوسری صورت یہ کہ مسنہ اور مثنیہ دونوں کی ایک ہی قیمت ہو تو مسنہ موکل کے ذمہ لازم آئے گا کیونکہ وکیل نے موکل کا حکم چھوڑ کر اس کے حق میں بہتریات کی مخالفت کی ہے۔ لہذا یہ موکل کے لیے ہی ہو گا۔

۴۔ موکل نے وکیل سے کہا کہ میری طرف سے قربانی کرنے کے لیے ایک بکری خریدو وکیل نے بکری خرید لی۔ لیکن ایک شخص کو ایک درہم اجرت پر مزدور مقرر کیا کہ وہ اس بکری کو ہانک لائے تو یہ ایک درہم موکل کے ذمہ نہ ہو گا۔

۵۔ موکل نے وکیل سے کہا کہ قربانی کے لیے ایک بھیڑ خریدو' اس نے بھیڑ کی بجائے بکری خریدی یا اس کے برعکس ہوا تو وہ جانور مخالفت کی بنا پر موکل کے ذمہ نہ ہو گا۔(۵۷۶)

۶۔ اگر کوئی شخص کسی مقام میں گھرا ہوا ہے اور وہ خود قربانی نہیں دے سکتا تو اس نے ذبح قربانی کے لیے کسی دوسرے شخص کو وکیل مقرر کیا۔ اس دوران موکل حصار سے آزاد ہو گیا اور اس نے خود قربانی کر لی۔ لیکن ادھر وکیل نے بھی قربانی اس کی طرف سے کی تو وکیل بالاجماع ضامن نہیں ہو گا۔(۵۷۷)

احکام توکیل منذورات

منذورات کا لفظ نذر سے مشتق ہے جس کا معنی ہے ڈرانا۔ بالخصوص ایسا ڈرانا جو کسی کی بہتری کے لیے ہو۔(۵۷۸) اسلامی اصطلاح میں نذر کہتے ہیں:

"ایجاب الفعل المشروع علی النفس بالقول تعظیما" للہ تعالیٰ"(۵۷۹)

اللہ تعالیٰ کے حوالے سے کسی جائز امر کو اپنے اوپر لازم کرلینا نذر کہلاتا ہے۔ امام راغب اصفہانی نذر کے متعلق فرماتے ہیں۔

"ان توجب علی نفسک مالیس بواجب لحدوث امر"(۵۸۰)

کسی امر واقعہ کے بعد کسی امر کو اپنے لیے ضروری قرار دینا جو پہلے ضروری نہ ہو۔ جیسے کہا جاتا ہے۔ "نذرت للہ امرا"

میں نے اللہ تعالیٰ کے لیے نذر مانی۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کے متعلق فرمایا کہ انہوں نے کہا۔

"انی نذرت للرحمن صوما"(۵۸۱)

(ترجمہ) بے شک میں نے اللہ کے لیے روزے کی نذر مانی۔

نذر ہی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا۔

"وما انفقتم من نفقة او نذرتم من نذر فان اللہ یعلمه"(۵۸۲)

(ترجمہ) جو کچھ تم خرچ کرو یا جو تم نذر مانو بے شک اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔

نذر کے متعلق شرعی حکم یہ ہے کہ وہ شرعی احکام کے خلاف اور خود کو تکلیف دینے سے متعلق نہ ہو۔ نذر صرف جائز امور میں ہونی چاہیے جیسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بوڑھے شخص کو جس کے پاس سواری بھی موجود تھی کو پیدل حج کے لیے جاتے دیکھا۔ آپ نے اس کے دو بیٹوں سے جو اسی کے ساتھ تھے پوچھا یہ بوڑھا شخص پیدل حج کے لیے کیوں جا رہا ہے۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ اس نے پیدل حج کرنے کی نذر مانی تھی یہ سن کر آپ نے فرمایا۔

"ان اللہ تعالیٰ عن تعذیب هذا النفسه لغنی وامره ان یرکب"(۵۸۳)

بے شک اللہ تعالیٰ اپنے آپ کو تکلیف دینے سے بے پرواہ ہے پھر آپ نے اسے حکم فرمایا کہ وہ اونٹ پر سوار ہو جائے۔

ایک دوسری روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"ان اللّٰہ غنی عنک وعن نذرک"(۵۸۴)

بے شک اللہ تعالیٰ تجھ سے اور تیری نذر سے بے پروا ہے۔

قرآن مجید میں نذر کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا۔ ارشاد ہوتا ہے۔

"ولیوفوا نذورھم"(۵۸۵) یعنی اپنی نذروں کو پورا کرو۔ سورۃ الدھر میں فرمایا گیا۔

"یوفون بالنذر"(۵۸۶)

ابرار وہ لوگ ہیں جو اپنی نذروں کو پورا کرتے ہیں۔ بلکہ اگر کسی نے نذر مانی اور اس نے زندگی میں پوری نہ کی تو اس کے ولی کو پورا کرنا ضروری ہے۔ مسند احمد میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"من مات وعلیہ صیام یصوم عنہ ولیہ"(۵۸۷)

جو شخص اس حالت میں دنیا سے رخصت ہوا کہ اس پر نذر کے روزے ہوں تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھے۔

سنن ابی داود میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"لا نذر فی معصیۃ وکفارتہ کفارۃ یمین"(۵۸۸)

حرام اور گناہ کے امور میں کوئی نذر نہیں۔ ایسی نذر کا کفارہ قسم ہی کا کفارہ ہے۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ کی بہن نے پیدل حج کرنے کی نذر مانی تھی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا۔

"ان ترکب وتھدی ھدیا"(۵۸۹)

ایک قربانی کر اور سوار ہو کر حج کرنے جا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا۔

"من نذر نذراً لم یسمہ فکفارتہ کفارۃ یمین ومن نذر نذرا فی معصیۃ فکفارتہ کفارۃ یمین ومن نذر نذراً لایطیقہ فکفارتہ کفارۃ یمین"(۵۹۰)

جس نے غیر معین نذر مانی (جیسے کہا کہ مجھ پر نذر ہے' یعنی نماز یا روزے کا ذکر نہیں کیا) اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔ جس نے گناہ کرنے سے متعلق نذر مانی اس کا کفارہ بھی قسم کا کفارہ ہے اور جس

نے ایسی نذر مانی جسے وہ پورا کرنے کی طاقت نہ رکھے تو بھی اس کا کفارہ قسم ہی کا کفارہ ہے۔

بہر حال نذر کا کفارہ قسم ہی کا کفارہ ہے اور وہ تین طرح کا ہے۔

(۱) طعام مساکین (۲) تین روزے رکھنا (۳) غلام کی آزادی۔

روزہ وکالت سے مستثنیٰ ہے اور غلاموں کی آزادی متروک ہے۔ لہٰذا طعام مساکین میں توکیل ہوگی۔

خلاصہ یہ کہ اگر نذر ایسی ہو جس کا تعلق ایسی عبادت سے ہو جو وکالت سے مستثنیٰ ہو تو اس میں توکیل نہیں ہوگی۔ اور اگر نذر ایسی عبادت سے متعلق ہو جس میں توکیل جائز ہو تو اس میں توکیل ہو سکتی ہے۔ جیسے صدقہ کرنا یا لوگوں کو کھانا کھلانا وغیرہ۔

احکام توکیل کفارات

کفارات کا لفظ کفر سے بنا ہے جس کا معنی ہے کسی چیز کو پوشیدہ کرنا اور ڈھانپنا' یعنی وہ شخص جو لوہے کے لباس میں ملبوس ہو اور اس نے لوہے سے اپنے جسم کو چھپا رکھا ہو۔

"کانه غطی به وستر"(۵۹۱) گویا اس نے خود کو لوہے میں ڈھانپ لیا اور چھپا رکھا ہے۔ اسی سے کفارہ ہے جس کا معنی ہے۔

"مایستغفر به الاثم من صدقة وصوم و نحو ذلک"(۵۹۲)

گناہ کو صدقہ سے ڈھانپ لینا جو روزے یا کسی اور صورت میں ہو۔

بقول زبیدی: **"سمیت الکفارات لانها تکفر الذنوب الی تسترها"**(۵۹۳)

ان امور کو کفارات اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ کفارات گناہوں کو چھپا لیتے ہیں۔ شریعت اسلامیہ میں کفارات سے مراد وہ سزائیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بعض تعبدی' معاشرتی' اور قانونی حدود کو توڑنے میں مقرر کی ہیں۔

ان کفارات کی اقسام یہ ہیں:

(۱) غلاموں کی آزادی (۲) روزہ رکھنا (۳) مساکین کو کھانا کھلانا (۴) مساکین کو لباس پہنانا (۵) صدقہ کرنا

اسلام میں حدود کے توڑنے پر مندرجہ ذیل کفارات مقرر کیے گئے ہیں۔

ا۔ کفارہ قسم

اس سے مراد وہ کفارہ ہے جو کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی قسم کھانے کے بعد اس کو پورا نہ کرے۔ اس کفارہ کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح ہوا۔

"لایواخذ کم اللّٰه باللغو فی ایمانکم ولکن یواخذ کم بما عقد تم الایمان فکفارته اطعام عشرة مساکین من اوسط ماتطعمون اهلیکم و کسوتهم اوتحریر رقبة فمن لم یجد فصیام ثلثة ایام ذلک کفارة ایمانکم اذا حلفتم(۵۹۴)

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ تم سے تمہاری فضول قسموں پر باز پرس نہیں کرے گا۔ لیکن ان قسموں کی باز پرس کرے گا جن کو تم نے پختہ کر دیا ہے تو اس قسم کے توڑنے کا کفارہ یہ ہے کہ دس مساکین کو

جائے اور جو ان میں سے کسی چیز کو نہ پائے تو وہ تین دن کے روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسم کا کفارہ ہے جب تم قسم اٹھاؤ۔

سورۃ مائدہ کی اس آیت میں قسم پورا نہ کرنے کا کفارہ دس مساکین کو کھانا کھلانا یا انہیں لباس پہنانا یا غلام آزاد کرنا۔ اور یہ کفارہ ادا نہ کرسکنے کی صورت میں تین یوم کے روزے رکھنا بیان کیا گیا ہے۔

۲۔ کفارہ نذر

کفارہ نذر کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

جس کسی نے نذر مانی پھر وہ اسے پورا نہ کرسکا تو اس کا کفارہ قسم ہی کا کفارہ ہے۔(۵۹۵)

۳۔ کفارہ قتل

کفارہ قتل کے متعلق ارشاد ربانی ہے۔

وما کان لمومن ان یقتل مومنا الا خطاء و من قتل مومنا خطاء فتحریر رقبة مومنة و دیة مسلمة الی اهله الا ان یصدقوا فان کان من قوم عد ولکم وهو مومن فتحریر رقبة مومنة وان کان من قوم بینکم و بینهم میثاق فدیة مسلمة الی اهله و تحریر رقبة مومنة فمن لم یجد فصیام شهرین متتابعین توبة من الله وکان الله علیما حکیما۔(۵۹۶)

(ترجمہ) کسی مومن کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی مومن کو قتل کرے مگر خطا(۵۹۷) سے اور جس نے کسی مومن کو خطا سے قتل کیا تو اس کی سزا یہ ہے کہ وہ ایک مسلمان غلام آزاد کرے اور مقتول کے گھر والوں کو دیت (خون بہا) ادا کرے سوائے اس کے کہ وہ خود ہی دیت معاف کردیں پھر اگر مقتول تمہاری کسی دشمن قوم سے ہو لیکن وہ مقتول خود مومن ہو تو قاتل ایک مسلمان غلام آزاد کرے اور اگر مقتول اس قوم سے ہو جس کا تمہارے ساتھ معاہدہ ہو چکا ہے ہو تو قاتل مقتول کے ورثاء کو دیت ادا کرے اور ایک مسلمان غلام آزاد کرے جو شخص غلام نہ پاسکے تو وہ دو ماہ کے متواتر روزے رکھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس گناہ کی توبہ یہی مقرر ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا

اور حکمت والا ہے۔

۴۔ کفارہ ظہار

ظہار سے مراد کسی مرد کا اپنی زوجہ کو یہ کہنا ہے کہ تو مجھ پر ایسے حرام ہے جیسے میری بہن اور میری ماں وغیرہ۔ اس ظہار سے طلاق تو واقع نہیں ہوتی لیکن مرد کے لیے ایسا کہنا حرام قرار دیا گیا ہے اس کے بدلے اسے کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ حکم قرآن مجید میں اس طرح ہے۔

الذین یظاہرون منکم من نساء ھم ماھن امھا تھم ان امھاتھم الا الیّٔ ولدنھم وانھم لیقولون منکرا من القول وزورا وان اللّٰہ لعفو غفور۔ والذ ین یظاہرون من نساء ھم ثم یعودون لماقالوا فتحریر رقبۃ من قبل ان یتماسا ذ لکم توعظون بہ واللّٰہ بما تعملون خبیر فمن لم یجد فصیام شھرین متتابعین من قبل ان یتماسا فمن لم یستطع فاطعام ستین مسکینا (۵۹۸)

(ترجمہ) وہ لوگ جو اپنی ازواج سے ظہار کرتے ہیں وہ ان کی مائیں نہیں ہیں۔ ان کی مائیں صرف وہی ہیں جنھوں نے انہیں جنا ہے بے شک ظہار کرے والے لوگ بہت بری بات اور جھوٹ کہتے ہیں اور وہ لوگ جو اپنی ازواج سے ظہار کر بیٹھیں پھر وہ اس بات سے پلٹنا چاہیں جو انہوں نے کہا تو خاوند اسے چھونے سے پہلے ایک غلام آزاد کرے۔ یہ ہے جس کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس سے آگاہ ہے جو تم کر رہے ہو۔ اور جو شخص غلام نہ پائے تو وہ اپنی بیوی کے پاس جانے سے پہلے دو ماہ لگاتار روزے رکھے اور جو اس پر قادر نہ ہو تو وہ ساٹھ مساکین کو کھانا کھلائے۔

ان آیات میں بھی تین کفارات کا ذکر ہے۔

(۱) غلام کی آزادی (۲) دو ماہ تک متواتر روزے رکھنا (۳) ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانا۔

۵۔ جنایات حج

جنایات حج سے مراد وہ جنایات ہیں جو حالت احرام میں محرم اگر احرام کی شرائط پوری نہ کرے تو اسے کفارہ کی صورت میں ادا کرنا پڑتی ہیں جیسے محرم کا ایک مکمل عضو کو خوشبو لگانا، تمام دن سر کو ڈھانپ کر رکھنا' صفا اور مروہ کے درمیان سعی چھوڑنا اور تین ایام کی رمی جمار ترک کرنا۔ ان تمام امور کے ارتکاب پر الگ الگ ایک جانور ذبح کرنا کفارہ ہے۔(۵۹۹)

ان آیات قرآنیہ یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں بعض افعال کے ارتکاب اور بعض حدود الٰہی

کو توڑنے پر یہ کفارات واجب ہوتے ہیں۔

(۱) طعام مساکین (۲) لباس مساکین (۳) صدقہ کرنا (۴) جانور ذبح کرنا (۵) روزہ رکھنا (۶) غلام کی آزادی

ان میں موخرالذکر دو کفارات توکیل سے مستثنیٰ اور متروک ہیں جب کہ اول الذکر چار کفارات میں توکیل جائز ہے۔

کفارات میں توکیل کی مشروعیت حضرت عمر فاروقؓ کی اس سنت سے ہوتی ہے جس کے متعلق امام سرخسی نے لکھا ہے۔

آپ نے ایک بار کسی قوم کے متعلق یہ قسم اٹھائی کہ میں انہیں کوئی عطیہ نہیں دوں گا پھر ان کی حالت اپ پر واضح ہوئی تو آپ نے انہیں کچھ عطیہ دے دیا۔ اس کے بعد آپ نے اپنے کسی خادم سے فرمایا۔

"فاذا انا فعلت ذلک فاطعم عنی عشرۃ مساکین کل مسکین نصف صاع من حنطۃ اوصاع من تمر"(۷۰۰)

پس جب ہم نے قسم توڑ دی لہٰذا تم جاؤ اور دس مساکین کو کھانا کھلاؤ ہر مسکین کو نصف صاع گندم یا ایک صاع(۷۰۱) کھجور دو۔

اس روایت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کفارہ قسم طعام مساکین کی صورت میں ادا کرنے کے لیے توکیل جائز ہے۔

احکام

کفارات کی توکیل سے متعلق یہ احکام ملتے ہیں۔

۱۔ کفارہ میں موکل نے نئے کپڑے وکیل کو دیے تو وکیل نے ان کپڑوں کی بجائے کوئی اور کپڑے بطور کفارہ دیے تو یہ جائز نہیں ہوگا۔(۷۰۲)

۲۔ لباس میں کپڑے سے مراد اتنا کپڑا ہے جو کسی شخص کے اکثر بدن کو ڈھانپ لے' دوسرے قول کے مطابق کم از کم اتنا کپڑا دینا چاہیے جس سے نماز ہو جاتی ہے۔ لیکن عورت کے لیے اتنا کپڑا دینا ہوگا جو تمام بدن کو ڈھانپ لے۔(۷۰۳)

۳۔ اگر موکل نے وکیل کو اس لیے مقرر کیا کہ اس کی طرف سے کفارہ ظہار میں ساٹھ مساکین کو

نے ایک ہی مسکین کو ساٹھ دن کھانا کھلایا تو یہ بھی جائز ہو گا۔(۶۰۴)

۴۔ موکل نے مساکین کو کھانا کھلانے کے لیے وکیل مقرر کیا۔ اب وکیل کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ نصف صاع سے کم کھانا دے البتہ اگر اس نے ایک مسکین کو ہی دس مساکین کا کھانا دے دیا تو جائز ہے۔(۶۰۵)

۵۔ طعام سے مراد صبح و شام کا سیر ہو کر کھانا کھلانا ہے ایک وقت کا کھانا ہو تو وکیل نے بیس یوم تک کھلایا تو یہ بھی جائز ہے۔ اگر وکیل نے دس مساکین کو اکھٹا کھانا کھلا دیا تو بھی درست ہے۔ کھانا کھانے والوں کا بچے نہیں جوان ہونا ضروری ہے۔(۶۰۶)

۶۔ وکیل نے اگر طعام کفارہ موکل کے زیر کفالت لوگوں کو کھلا دیا تو کفارہ ادا نہیں ہو گا۔ البتہ اگر وکیل اپنے قریبی عزیزوں کو دے سکتا ہے۔(۶۰۷)

۷۔ موکل نے اگر دو قسموں کا کفارہ ادا کرنے کے لیے وکیل کیا تو وکیل کو ان دونوں قسموں کا الگ الگ کفارہ ادا کرنا ہو گا۔(۶۰۸)

۸۔ وکیل کو چاہیے کہ وہ کفارہ کا کھانا غریب افراد جو زکوۃ لینے کا مستحق ہوں کو کھلائیں۔ غیر مسلموں کو بھی کفارے سے کھانا کھلایا جا سکتا ہے۔(۶۰۹)

۹۔ موکل نے کفارہ کی رقم جس قسم کفارہ میں وکیل کو دی وکیل پر لازم ہے کہ وہ اس رقم کو اس طرح خرچ کرے یعنی اگر مساکین کو کھانا کھلانے کے لیے دی تو اس رقم سے مساکین کو کھانا کھلائے اگر لباس دینے کے لیے رقم دی تو انہیں لباس ہی دیا جائے۔(۶۱۰)

۱۰۔ کفارہ کے ضمن میں اگر موکل نے وکیل سے کہا کہ یہ کھانا فقراء کو ھبہ کر دو تو یہ درست نہیں ہو گا اسی طرح اگر موکل نے وکیل سے کہا کہ میری قسم توڑنے سے قبل دس مساکین کو بطور کفارہ کھانا کھلا دو تو یہ بھی درست نہیں ہو گا۔(۶۱۱)

فصل ہفتم

احکام توکیل خصومات و جنایات

خصومات و جنایات سے مراد وہ مقدمات ہیں جن میں لڑائی جھگڑے وغیرہ کے معاملات پیش آتے ہیں۔ ان مقدمات کو عصر حاضر میں فوجداری مقدمات کہا جاتا ہے۔

احکام توکیل خصومت

خصومت کا لفظ "خصم" سے مشتق ہے جس کا معنی "جھگڑنا"(۶۱۲) کے آتے ہیں۔ قرآن مجید میں یہ لفظ متعدد صیغوں میں استعمال ہوا ہے۔ سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے انسان کے بارے میں فرمایا۔

"وهو الد الخصام"(۶۱۳) اور وہ انسان سخت جھگڑالو ہے۔

خصم کا ایک اور معنی کنارہ(۶۱۴) بھی ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں دیناروں کے متعلق فرمایا۔

"نسیتها فی خصم الفراش"(۶۱۵) میں دیناروں کو بستر کے کونے میں بھول آیا ہوں(۶۱۶)

اسی سے خصیم کا لفظ ہے جس کا معنی ہے مدمقابل، مخالف اور جھگڑا کرنے والا، خصومت اسی سے اسم ہے جس کا معنی ہے جھگڑا، مخالفت اور دشمنی۔(۶۱۷)

توکیل خصومت سے مراد نزاعی مقدمات کی پیروی کے لیے کسی شخص کا اپنی طرف سے حق دعویٰ یا جواب دعویٰ کی پیروی کے لیے وکیل مقرر کرنا ہے۔ وکیل خصومت کا مفہوم علامہ عبدالرحمٰن جزیری نے یوں بیان کیا ہے۔

"من یقوم مقامه فی الخصومة بان یدعی عنه دعوی صحیحة اویجب عن دعوی" (۶۱۸)

جو شخص نزاعی مقدمات میں موکل کی طرف سے صحیح دعوی یا جواب دعوی دینے کا فرض انجام دے وکیل خصومت کہلاتا ہے۔

اسلام میں وکیل کے تقرر کی ضرورت و اہمیت اس لیے محسوس کی گئی کہ انسان کی اجتماعی زندگی میں اختلافات و تنازعات فطری امور ہیں جن کے دینی' معاشی' معاشرتی' اور سیاسی اسباب ہوتے ہیں۔ لہٰذا اختلافات کے بعد ہر انسان کو دفاع کا حق بھی فطری ہوتا ہے۔ اسلام ہر انسان کو مختلف پہلوؤں کے لحاظ سے مختلف حقوق عطا کرتا ہے۔ انہی میں سے ایک دفاع کا حق ہے۔ اس حق کے حصول میں بعض لوگ ضعیف اور بعض لوگ قوی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا۔

"انکم تختصمون الیّ و انما انا بشر ولعلّ بعضکم ان یکون الحن بحجة من بعض انّما اقضی لکم علی نحو مما اسمع منکم"(٦١٩)

بے شک میں تو صرف انسان ہوں تم میرے پاس مقدمات لے کر آتے ہو۔ ممکن ہے کہ کوئی شخص دلیل پیش کرنے میں دوسرے سے زیادہ فصیح اللسان ہو اور میں اس کی بات سن کر اس کے حق میں فیصلہ دے دوں۔

اظہار رائے کے اس تفاوت اور انسانوں کی اس فطری کمزوری کو پورا کرنے کے لیے شریعت اسلامیہ نے خصومت میں وکالت کی اجازت دی۔ کیونکہ وکیل وہ شخص ہوتا ہے جو کسی کی ضروریات دعوی یا جواب دعوی کے مقدمات کو قانونی دلائل کے مطابق پیش کرے اور ان تمام پہلوؤں کو قانونی طور پر پورا کرے جن سے عام آدمی ناواقف اور نابلد ہوتا ہے۔

فلاسفہ الحقوق بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ حقیقت کی بنیاد بحث پر ہوتی ہے بحث کے طریقے حقیقت سے مختلف ہوتے ہیں اور ہر کوئی اپنے زاویہ سے ہر چیز کو سوچتا ہے لہٰذا یہ اختلاف رائے حق کو پہنچنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

وکیل' قاضی یا جج کے سامنے اسباب و علل اور وجوہات وغیرہ تمام امور کو نہایت شرح و بسط کے ساتھ پیش کرتا ہے تاکہ جج عدل سے فیصلہ کرسکے۔

مشروعیت

توکیل خصومت کی مشروعیت اور جواز کا اثبات اس حدیث مبارکہ سے ہوتا ہے۔

عن ابن عباس فی قصة قدوم مسیلمة الکذاب فاقبل الیه رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم و معه ثابت بن قیس بن شماس فی ید رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه

القطعة ما اعطیتکها ولن تعدو امر اللّٰہ فیک ولئن ادبرت لیعقرنک اللّٰہ وانی لاراک الذی اریت فیه ما رایت وهذا ثابت یجیبک عنی ثم انصرف عنه (۶۲۰)

(ترجمہ) مسیلمہ کذاب کی مدینہ میں آمد کے واقعہ میں (۶۲۱) حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس آئے۔ آپ کے ساتھ ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ (۶۲۲) تھے۔ آپ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی اور آپ مسیلمہ کے پاس اس کے ساتھیوں میں کھڑے ہو گئے اور اس سے فرمایا۔

اگر تو مجھ سے اس چھڑی کا بھی مطالبہ کرے تو میں تجھے نہیں دوں گا۔ اللہ تعالیٰ کا تیرے بارے میں جو فیصلہ ہے میں اس سے ہرگز تجاوز نہیں کر سکتا۔ اگر تو نے پیٹھ پھیری تو اللہ تعالیٰ تجھے ضرور ہلاک کر دے گا۔ میں تجھے وہی بات بتاتا ہوں جو مجھے بتائی گئی ہے اور یہ ثابت بن قیس ہیں جو میری طرف سے تجھے جواب دیں گے۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ثابت بن قیسؓ کا متعلق یہ فرمانا کہ یہ میری طرف سے تجھے جواب دیں گے۔ خصومت میں وکالت کا جواز پیش کرتا ہے۔

دوسری روایت سنن بیہقی میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ فرماتے ہیں۔

"کان علی بن ابی طالب یکره الخصومة فکان اذا کانت له خصومة وکل فیها عقیل بن ابی طالب فلما کبر عقیل وکلنی۔" (۶۲۳)

حضرت علی بن ابی طالبؓ خصومت یعنی عدالتی جھگڑوں و مقدمہ بازی کو ناپسند کرتے۔ لیکن پھر بھی جب کبھی ان کا کوئی مقدمہ ہوتا تو اس کی جوابدہی کے لیے اپنے بھائی عقیل ابن ابی طالبؓ کو وکیل مقرر کرتے۔ جب وہ بڑی عمر کے ہو گئے تو آپ نے اپنا مجھے وکیل مقرر کیا۔

حضرت علیؓ کا یہ فعل بھی توکیل خصومت کی مشروعیت پر دلالت کرتا ہے۔

شرائط

توکیل خصومت کے لیے دو قسم کی شرائط ہیں۔

۱۔ عمومی شرائط۔ ۲۔ خصوصی شرائط۔

عمومی شرائط سے مراد وہ شرائط ہیں جن کی بنا پر موکل اپنے معاملات طے کرنے کے لیے وکیل خصومت مقرر کر سکتا ہے۔ یہ شرائط حسب ذیل ہیں۔

(۱) عدم صحت (۲) عدم حفظ (۳) عدم سفر (۴) عدم علم (۵) مسرویت (۶) عجز (۷) کثرت مال (۸) قید (۹) آسائش (۱۰) پردہ نشینی۔(۶۲۴)

ان شرائط پر تمام فقہاء کا اجماع ہے کہ اگر ان میں سے کوئی شرط موکل میں پائی جائے تو وہ اپنے مقدمات کے لیے وکیل خصومت مقرر کر سکتا ہے۔

خصوصی شرط سے مراد خصومتی مقدمات میں فریق ثانی کی رضا مندی ہونا ہے اس شرط کے متعلق امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔

"لایجوز التوکیل بالخصومة من قبل المدعی والمدعی علیه الا برضاء الخصم" (۶۲۵)

مدعی اور مدعی علیہ کی جانب سے توکیل خصومت فریق ثانی کی رضا مندی کے بغیر جائز نہیں۔ آپ وکیل خصومت کی تقرری کے لیے فریق ثانی کی رضا مندی اس لیے ضروری قرار دیتے ہیں کہ ہر شخص کو خصومت (مقدمہ بازی' اور مقدمہ سے متعلق دعوی اور جواب دعوی کرنا) کا طریقہ نہیں آتا۔ اگر ایک طرف وکیل نہ ہو بلکہ خود فریق ہو اور دوسری طرف وکیل خصومت ہو جو چرب زبانی' باطل دعووں اور ناجائز حیلوں کو پیش کر کے اپنے مخالف کو نقصان دے سکتا ہو۔ اس طرح ایک فریق کو ناجائز نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اس شرط کی تائید کرتے ہوئے علامہ ظفر احمد عثمانی نے لکھا ہے۔

ومن شاهد حال وکلاء الزمان فی احقاقهم الباطل وابطالهم الحق لم یشک قط فی صحة قول ابی حنیفة رحمة الله علیه و دقة فهم فی السنة(۶۲۶)

جو کوئی موجودہ زمانے کے وکلاء کے حالات کا آنکھوں دیکھے مشاہدہ کرے کہ وہ کس طرح باطل کو حق ثابت کرتے ہیں اور حق کو باطل بناتے ہیں تو اس بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں رہے گا کہ امام ابو حنیفہؒ نے جو کچھ فرمایا وہ بالکل صحیح تھا۔ اور آپ حدیث نبوی کے فہم میں کس قدر باریک بین اور حقیقت شناس تھے۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک فریق مخالف کی رضامندی کے بغیر وکیل خصومت کی تقرری اس لیے بھی درست نہیں کہ کسی بھی دعوی کی جواب وہی مخاصم (مدعا علیہ) پر واجب ہوتی ہے اور جج کسی بات کو ثابت کرنے کے لیے پہلے مخاصم کو عدالت میں بلاتا ہے تاکہ دعوی کی جواب وہی کرے۔ مدعی کا خصم کی رضا مندی کے بغیر وکیل کرنا خالص حق قرار دینا درست نہیں۔ اس لیے کہ ایسے حق کا تصرف اس

وقت درست ہوتا ہے جب اس سے دوسرے کو نقصان نہ پہنچے۔ چونکہ فریق ثانی کی رضامندی کے بغیر وکیل خصومت مقرر کرنے سے اسے نقصان پہنچ سکتا ہے لہذا توکیل خصومت میں فریق ثانی کی رضامندی ضروری ہے۔(۶۲۷)

اس بات کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے۔

آپ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حجرہ مبارکہ کے دروازے کے پاس جھگڑے کی آواز سنی تو آپ جھگڑنے والوں کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا:

"انما انا بشر وانکم تختصمون(۶۲۸) ولعل بعضکم ان یکون الحن بحجتہ من بعض فاقضی لہ علی نحو ما اسمع فمن قضیت لہ من اخیہ شیاء فلایا خذ فانما اقطع لہ قطعة من النار"(۶۲۹)

(ترجمہ) بے شک میں تو صرف انسان ہوں تم میرے پاس مقدمات لے کر آتے ہو ممکن ہے کہ کوئی شخص دلیل پیش کرنے میں دوسرے سے زیادہ فصیح اللسان ہو اور میں اس کی بات سن کر اس کے حق میں فیصلہ دے دوں(۶۳۰) اس لیے اس بنا پر اگر میں اس کے بھائی کے خلاف کسی کے حق میں کسی چیز کا فیصلہ کروں (یعنی وہ سمجھتا ہو کہ یہ ناحق ہے) پس میں نے جس کے لیے کسی مسلمان کے حق کا فیصلہ کر دیا تو وہ آگ کا ٹکڑا ہو گا اس کو لے لے یا چھوڑ دے۔ اس حدیث مبارکہ سے تین باتیں واضح ہوتی ہیں۔

i) جج کو دلائل یا شہادتوں کی روشنی میں فیصلہ کرنا چاہیے۔

ii) اس صورت میں جج خلاف حقیقت بھی فیصلہ کر سکتا ہے یا قاضی کا فیصلہ خلاف حقیقت بھی ہو سکتا ہے۔

iii) غلط فیصلہ کرنے والے فریق کو یہ علم ہونا چاہیے کہ ایسا کرنا حرام ہے۔

انہی وجوہ کی بنا پر امام ابوحنیفہؒ وکیل خصومت کے لیے فریق مخالف کی رضامندی شرط قرار دیتے ہیں۔(۶۳۱) آپ کے نزدیک اگر موکل میں عمومی شرائط پائی جائیں تو وہ فریق مخالف کی رضامندی کے بغیر بھی وکیل خصومت مقرر کر سکتا ہے۔(۶۳۲)

بعض فقہاء کے نزدیک مندرجہ ذیل صورتوں میں جج کسی بھی فریق کو خود بھی وکیل خصومت مقرر کرنے کی اجازت دے سکتا ہے۔ اگرچہ فریق مخالف رضامند ہو یا نہ ہو۔

پہلی صورت یہ ہے کہ جب ایک فریق کی نیت فریق ثانی کو ناحق نیچا دکھانا اور ناجائز نقصان

پہنچاتا ہو۔ اس صورت میں جج دوسرے فریق کو وکیل خصومت مقرر کرنے کی اجازت دے سکتا ہے کیونکہ وہ خود اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

دوسری صورت یہ کہ بعض اوقات انسان یہ جانتا ہے کہ وہ غلطی پر ہے اور اپنے دعوی کو ثابت کرنے میں ناکام ہو گا پھر بھی کوئی چالاک اور تیز وکیل کر لیتا ہے جس کا مقصد صرف فریق ثانی کی حق رسی میں تاخیر کرنا ہوتا ہے۔ اس صورت میں بھی جج دوسرے فریق کو وکیل خصومت مقرر کرنے کی اجازت دے سکتا ہے۔ تاکہ وہ اپنے حق کی حفاظت کر سکے۔ اس صورت میں بھی وکیل ثانی کی رضا مندی ضروری نہیں البتہ ان حالات میں قاضی کا غیر جانبدار ہونا ضروری ہے۔(۶۳۳)

صاحبین اور دیگر ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر موکل میں عمومی شرائط نہ بھی پائی جائیں تو بھی وکیل خصومت مقرر کرنے میں فریق مخالف کی رضامندی ضروری نہیں۔ کوئی بھی فریق غیر مشروط طور پر وکیل خصومت کا تقرر عمل میں لا سکتا ہے کیونکہ وکالت جواب دینے کے لیے ہوتی ہے یا خصومت کے لیے۔ یہ دونوں کام موکل کے حقوق سے متعلق ہیں۔ جب یہ موکل کے حقوق میں سے ہیں تو توکیل خالص اپنے حق میں تصرف ہو گا اور اس کے لیے دوسرے کی رضا مندی کوئی شرط نہیں۔(۶۳۴)

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ فریق مخالف کی رضامندی کے بغیر بھی ایک وکیل خصومت مقرر کیا جا سکتا ہے خواہ وکیل مدعی کا ہو یا مدعا علیہ کا اس لیے کہ توکیل خصومت انسان کا حق ہے اس میں کسی کی رضا مندی کوئی ضروری نہیں۔(۶۳۵) لہٰذا موکل خواہ مدعی ہو یا مدعی علیہ' اونچے مرتبے کا ہو یا ادنی کا' مقیم ہو یا مسافر' مرد ہو یا پردہ نشین عورت اس کو اپنا وکیل خصومت مقرر کرنا صحیح ہے۔

ان اقوال سے بظاہر آئمہ ثلاثہ کی رائے بہتر معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ آئمہ ثلاثہ کے دلائل قوی ہیں۔ دوسری بات یہ کہ امام ابو حنیفہؒ کی یہ رائے کہ "فریق ثانی کی رضا مندی کے بغیر وکیل خصومت مقرر کرنے سے دوسرے فریق کو نقصان پہنچ سکتا ہے" توجہ طلب ہے۔ اس لیے کہ فریق ثانی کو نقصان پہنچنے کا احتمال اس صورت میں بدستور قائم رہتا ہے کہ ایک فریق کو وکیل خصومت مقرر کرنے کے لیے دوسری فریق کی رضا مندی پر پابند کر دیا جائے۔ کیونکہ چرب زبانی' باطل دعووں اور ناجائز حیلوں کو پیش کرنے کی قابلیت عام فریق میں بھی ہو سکتی ہے اگر ایک فریق قانون کا بذات خود عالم ہو' چرب زبان ہو اور دوسرا فریق اسے وکیل خصومت مقرر کرنے کی اجازت نہ دے تو پھر کس طرح اسے اپنا حق ملے گا۔ یہ صورت موجودہ دور میں عام پیش آ سکتی ہے۔ لہٰذا عصر حاضر میں صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کا قول قابل ترجیح ہے۔(۶۳۶)

احکام

فقہاء اکرام نے توکیل خصومت کے ضمن میں یہ احکامات بیان کیے ہیں۔

۱۔ کیا وکیل دوران خصومت موکل کی طرف سے جرم کا اقرار یا انکار کر سکتا ہے یا نہیں۔ علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں کہ اس اختیار کی چھ صورتیں ہیں۔

اول۔ عقد وکالت میں موکل وکیل کو وکالت خصومت یا جوابدہی کی وکالت کا اقرار دے اس صورت میں وکیل اقدار اور خصومت دونوں کا وکیل ہو گا۔

دوم۔ موکل عقد وکالت میں اقرار کو مستثنیٰ کر دے یعنی یہ کہے۔
"**وکلتک بالخصومة غیر جائز الاقرار**" میں نے تجھے خصومت میں جائز اقرار کے علاوہ وکالت دی ہے اس صورت میں وکیل صرف انکار کا وکیل ہو گا اقرار کا نہیں۔

سوم۔ موکل عقد وکالت میں انکار کو مستثنیٰ کر دے۔ اس صورت میں ظاہر الروایہ کے مطابق وکیل صرف اقرار کا وکیل ہو گا اس لیے کہ کبھی انکار مضر ہوتا ہے جیسے مدعا اور مدعا علیہ کے پاس امانت ہو۔ اگر وکیل مدعا علیہ کے پاس مدعا بہ کے وجود کا انکار کر دے تو بعد میں مدعا علیہ کی جانب سے امانت کو واپس لوٹانے کا دعویٰ صحیح نہیں ہو گا صرف انکار سے پہلے صحیح ہو گا۔ لہٰذا انکار کے استثناء میں بھی فائدہ ہو گا جب کہ صاحب عنایہ کے نزدیک یہ وکالت باطل ہو گی۔

چہارم۔ موکل وکیل کو خصومت میں جائز امور سے متعلق اقرار و انکار دونوں کا اختیار دے۔ اس صورت میں وکیل اقرار اور خصومت دونوں کا وکیل ہو گا۔

پنجم۔ موکل خصومت میں ناجائز امور سے متعلق اقرار و انکار کا اختیار دے اس صورت میں متاخرین علماء کا اختلاف ہے۔

ششم۔ موکل نے مطلقاً جوابدہی کے لیے وکیل مقرر کیا ہو۔ اگرچہ جوابدہی اقرار و انکار کو شامل ہے لیکن بعض فقہاء کے نزدیک یہ صرف انکاری خصومت کی جوابدہی سے مقید ہو گی اور بعض کے نزدیک اقرار و انکار کا اسے اختیار حاصل ہو گا۔(۶۴۷)

۲۔ علامہ نابلسی نے بھی اقرار و انکار کے لحاظ سے توکیل خصومت کی یہ اقسام بیان کی ہیں:

(الف) خصومت اور اقرار میں دکیل کو وکالت مطلقہ دی گئی ہو تو یہ وکالت خصومت اور اقرار دونوں کی اجتماعی وکالت ہو گی۔

(ب) اگر موکل وکیل کو صرف خصومت میں وکیل کرے تو اس میں صرف خصومت کی توکیل ہوتی ہے اقرار کی نہیں لہٰذا اسے اقرار کی اجازت نہیں ہوتی۔

(ج) موکل اپنے وکیل کو صرف خصومت کی اجازت دے لیکن اقرار و انکار سے منع کر دے چونکہ اس عقد وکالت میں صراحت کے ساتھ اقرار و انکار کی ممانعت کر دی جاتی ہے لہٰذا وہ صرف خصومت کا وکیل ہو گا۔(۶۳۸)

شارح مجلہ کے نزدیک اس صورت میں اختلاف ہے۔ ایک قول کے مطابق یہ استثناء ہی درست نہیں کیونکہ وکالت کے ضمن میں اب کچھ باقی نہیں رہا۔

دوسرے قول کے مطابق یہ استثناء بھی درست ہے کیونکہ سکوت باقی ہے(۶۳۹)

ان صورتوں کے متعلق علامہ نابلسی فرماتے ہیں۔

پہلی صورت میں صرف قاضی کی مجلس میں اقرار درست ہے اگرچہ وہ خصومت اور اقرار دونوں کا وکیل ہے جب کہ امام شافعی کے نزدیک ایسا کرنے سے وکالت ہی درست نہ ہو گی۔ کیونکہ اقرار صرف موکل کی طرف سے ہو سکتا ہے وکیل کی طرف سے نہیں۔ دوسری اور تیسری صورت میں اگر اقرار کا استثناء ہے تو اقرار نہیں کر سکتا اور اگر وہ انکار کا وکیل ہے تو اقرار کا نہیں ہو سکتا۔(۶۴۰)

امام ابو حنیفہ' امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ علیہم کے نزدیک وکیل اپنے موکل کے خلاف عدالت کے روبرو اقرار کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ امام زفر و امام شافعی اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کے نزدیک بھی وکیل اپنے موکل کے خلاف اقرار کا اختیار نہیں رکھتا۔(۶۴۱) کیونکہ وکیل خصومت درحقیقت وکیل منازعت ہوتا ہے اور اقرار مسالمت مصالحت ہوتی ہے۔ لہٰذا خصومت کے لیے توکیل میں اقرار شامل نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی وکیل کو صلح اور بری کرنے کا اختیار ہو گا۔ لہٰذا موکل وکیل کو اقرار کی اجازت بھی دے تو بھی اقرار درست نہین ہو گا۔ کیونکہ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی وکیل سے کہے کہ میں آپ کو اس لیے وکیل مقرر کرتا ہوں کہ میرے ذمہ فلاں شخص کے لیے اس رقم کا اقرار کر لو اور وکیل اقرار کرے تو درست نہ ہو گا کیونکہ یہ تو حق کی خبر دینا ہے اس بارے میں گواہی کی طرح وکالت تسلیم نہیں کی جاتی۔(۶۴۲)

امام ابو حنیفہؒ اور دیگر ائمہ کے نزدیک وکیل خصومت درحقیقت جواب دینے کے لیے وکیل ہوتا ہے جو شرعی طور پر حق ہو یہ کبھی اقرار کی صورت میں ہوتا ہے اور کبھی انکار کی صورت میں۔ تو جب وکیل اپنے موکل کے خلاف اقرار کرے گا تو اس بات کی دلیل ہو گی کہ اسے اقرار کرنے کا حق

اور موکل اس کی تصدیق کرے۔(٦٤٣)

٣۔ ائمہ احناف کے نزدیک وکیل کی طرف سے اقرار کو قبول کرنے کے لیے مندرجہ ذیل شرائط ہیں۔

(الف) وکیل کا اقرار حدود و قصاص سے متعلق نہ ہو۔

(ب) اقرار جج کی عدالت میں کیا جائے۔

(ج) معاہدہ وکالت میں یہ صراحت نہ ہو کہ وکیل کو حق اقرار نہ ہو گا۔(٦٤٤)

ان شرائط پر اقرار اس لیے قابل قبول ہے کہ موکل نے وکیل کو صرف خاص معاملہ تفویض کیا ہے جیسے توکیل خصومت یا جواب خصومت۔ لہٰذا یہ معاملہ جج کی مجلس کے ساتھ خاص ہے اور جج کی مجلس کے علاوہ اور کسی جگہ نہیں ہو سکتا لہٰذا یہ وکالت جج کی مجلس کے ساتھ مقید رہے گی۔

البتہ تیسری شرط کے مطابق اگر وکیل نے عدم اختیار کی صراحت کے باوجود جج کی مجلس کے علاوہ کسی اور جگہ بھی اقرار کرے گا تو وہ معاہدہ وکالت کی خلاف ورزی کرنے کی بنا پر وکالت سے معزول ہو جائے گا۔ اور اس کی سماعت نہیں کی جا سکے گی۔ اگر موکل وکیل کو اقرار کا حق نہ دے تو انکار کا حق بدستور قائم رہتا ہے۔(٦٤٥)

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وکیل کا اقرار جج کی مجلس کے علاوہ بھی ہر جگہ درست ہے کیونکہ توکیل کا مطلب کسی غیر کو وہ اختیارات دینا ہے جو خود موکل کو ہوتے ہیں اور موکل کے اقرار کی صحت صرف جج کی مجلس سے ہی متعلق نہیں ہوتی لہٰذا وکیل جہاں بھی اقرار کرے قابل تسلیم ہو گا۔(٦٤٦)

طرفین کے نزدیک وکیل کا اقرار صرف جج کی مجلس میں قابل قبول ہو گا اس لیے کہ موکل نے وکیل کو معاملہ تفویض کیا ہے اور یہ توکیل خصومت یا جواب خصومت کے لیے ہو گی یعنی انکار ہو تو خصومت حقیقتاً اور اگر اقرار ہو تو خصومت مجازاً ہوتی ہے اور یہ دونوں جج کی مجلس کے ساتھ خاص ہیں لہٰذا جواب خصومت جج کی عدالت کے علاوہ اور کہیں حلف اٹھانے سے نہیں ہوتا۔ لہٰذا وکالت جج کی عدالت کے ساتھ مقید رہے گی۔ اگر وہ جج کی عدالت کے علاوہ کہیں اور اقرار کرے تو وہ وکالت سے نکل جائے گا۔ کیونکہ اگر وکیل باقی رہے تو وہ صرف اقرار کا وکیل رہے گا۔ کیونکہ انکار کی صورت میں تناقض و اختلاف کی بنا پر اس کا انکار قابل سماعت نہیں ہو گا اور صرف اقرار ہی امر وکالت نہیں ہوتا۔(٦٤٧)

فریق ثانی کی رضامندی ضروری ہے اس طرح وکیل خصومت کی تقرری کے بعد فریق ثانی کی موجودگی میں ہی عدالت اپنے دلائل پیش کر سکتا ہے(۶۴۸)

وکیل کے اقرار کے ضمن میں ایک بات یہ بھی ہے کہ وکیل کا اپنے موکل کے خلاف اقرار حدود و قصاص کے علاوہ ہونا چاہیے۔ اگر وکیل اپنے موکل کی عدم موجودگی میں حدود و قصاص سے متعلق اقرار کرے گا تو ہرگز قابل قبول نہیں ہو گا۔(۶۴۹)

شارح مجلّہ کے نزدیک توکیل بالاقرار خود اقرار نہیں کہ اسے موکل کا اقرار کہا جائے کیونکہ یہ بھی احتمال ہے کہ موکل نے جھگڑے سے بچنے کے لیے وکیل کو مدعی کے اقرار کا کہہ دیا ہو اگرچہ واقعتاً موکل کے ذمہ مدعی کا کچھ نہ نکلتا ہو کیونکہ ہر شخص ان باتوں کا متحمل نہیں ہو سکتا۔(۶۵۰)

۴۔ احناف کے آئمہ ثلاثہ کے نزدیک وکیل خصومت کو یہ اختیار ہے کہ جب جج مال کے قبضہ لینے کا حکم دے تو وکیل کو اس مال پر قبضہ کرنے کا اختیار ہوتا ہے کیونکہ جب موکل نے اس کو مال میں خصومت کے لیے وکیل مقرر کیا تو اس کے اس مال پر قبضہ کرنے میں بھی اسے امین سمجھا۔ اس لیے کہ مال کی خصومت مال کے قبضہ کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ لہٰذا خصومت کے لیے توکیل مال پر قبضہ کے لیے بھی توکیل ہو گی اور جب تک قبضہ نہ ہو خصومت باقی رہتی ہے۔ اور فریق مخالف کے انکار کا خطرہ رہتا ہے' ایسی صورت میں موکل دوبارہ مرافعہ (اپیل) کا محتاج ہو گا۔ لہٰذا اس کا مالک قبضہ ہونا ضروری ہے۔ نیز خصومت کا اصل مقصد اپنا حق حاصل کرنا ہوتا ہے۔(۶۵۱) ان ائمہ کے نزدیک جو شخص کسی کام کا مجاز ہو وہ اس کے تمام امور کا مجاز ہوتا ہے اور قبضہ سے ہی خصومت مکمل ہوتی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قرض پر قبضہ کا وکیل وکیل خصومت بھی ہو گا۔ البتہ اگر قبض عین کا وکیل ہو تو خصومت کا بالاتفاق وکیل نہیں ہو گا۔ کیونکہ یہ وکیل محض امین ہے اور قبضہ کرنا مبادلہ نہیں۔ اس طرح وہ ایلچی کی حیثیت سے ہو گا۔(۶۵۲)

امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک وکیل خصومت کو قبضہ کا اختیار نہیں ہوتا اس لیے کہ وکیل خصومت سے صرف راہنمائی مطلوب ہوتی ہے اور وکیل قبض سے امانت مطلوب ہوتی ہے۔

ہر وہ شخص جو کسی معاملے سے واقف ہو اسے امین نہیں سمجھا جاتا لہٰذا خصومت کے لیے توکیل مال پر قبضہ کے لیے توکیل نہیں ہو گی اور اسے قبضہ کا اختیار نہیں ہو گا۔ یہ اس وکیل کے اختیار میں ہو گا جسے قرض و مطالبہ مال کے لیے وکیل بنایا گیا ہو۔ امام زفر مزید فرماتے ہیں کہ وکیل خصومت

کے علاوہ ہے اس پر وہ راضی نہیں بھی ہو سکتا۔(۶۵۳)

اب چونکہ لوگوں میں عام طور پر خیانت کا غلبہ ہو گیا ہے اور وکیلوں میں بھی یہ عیب غالب نظر آنے لگا ہے لہٰذا امام زفر کا قول بہتر ہے اور اس پر فتویٰ ہونا چاہیے۔

حنابلہ کے نزدیک وکیل خصومت کو مطالبات وصول کرنے کا صرف اس صورت میں حق ہے جب معاہدہ وکالت میں اس کی صراحت کر دی گئی ہو۔ اگر صراحت نہ ہو تو قبضہ کا حق نہ لغوی طور پر اس میں شامل ہو گا اور نہ عرف کے لحاظ سے۔ کیونکہ موکل نے صرف پیروی مقدمہ کے لیے اسے وکیل مقرر کیا ہے نہ کہ قبضہ کے لیے۔ البتہ اگر کسی وکیل کو قبضہ کے لیے مقرر کیا جائے تو اسے مقدمہ چلانے کا بھی حق مل جاتا ہے اور قبضہ کا بھی کیونکہ وصولی مطالبات دعوی کے بغیر نہیں ہوتے۔(۶۵۴)

مجلہ میں ہے کہ جس طرح وکیل خصومت کے لیے یہ لازم نہیں کہ مال پر قبضہ کرنے میں مختار ہو اسی طرح دعوی پیش کرنے والے وکیل کو اگر موکل نے ڈگری کے مال پر قبضہ لینے کا حق نہ دیا ہو تو وہ مال پر قبضہ نہیں کر سکتا۔(۶۵۵) تو اس ضابطہ پر فقہاء احناف کا اتفاق ہے البتہ قرض پر قبضہ کی صورت میں یہ قول صاحبینؒ کا ہے۔ جب کہ امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت بھی اس کے موافق ہے کیونکہ خصومت اور مال پر قبضہ الگ معاملہ ہے اور یہ ضروری نہیں کہ جو خصومت کا اہل ہو اس میں امانتداری کا وصف بھی موجود ہو۔(۶۵۶)

۵۔ اگر خصومت کے لیے دو وکیل مقرر ہوں تو یہ دونوں اکٹھے مال پر قبضہ کر سکتے ہیں کیونکہ موکل دونوں کی مجموعی امانت سے راضی ہوا ہے نہ کہ ایک کی امانت سے اور قبضہ میں دونوں کا اکٹھا کام کرنا ممکن بھی ہے۔(۶۵۷)

۶۔ ابن شحنہ کے نزدیک وکیل خصومت کو مصالحت کا اختیار نہیں کیونکہ مصالحت خصومت میں سے نہیں ہے لہٰذا مصالحت کا اختیار وکیل کو نہیں ہو گا۔(۶۵۸)

۷۔ اگر موکل نے وکیل خصومت سے کہا کہ تو جو کرے جائز ہے یعنی اسے وکالت عامہ حاصل ہو تو اسے کسی اور کو بھی وکیل خصومت بنانا جائز ہے۔(۶۵۹) امام مالک کے نزدیک ایک سے زائد وکیل خصومت مقرر کرنے کے لیے فریق مخالف کی رضامندی ضروری ہے۔ اگر وکیل کو فریق مخالف سے عداوت نہ ہو تو اس کو رضامندی کے بغیر بھی وکیل بنایا جا سکتا ہے۔(۶۶۰)

احکام توکیل جنایات

جنایات کی واحد جنایۃ ہے یہ "جنی" سے مشتق ہے جس کا لغوی معنی ہے کسی گناہ کا ارتکاب کرنا، جھکنا، تازہ پھل توڑنا اور ظلم کرنا(۷۶۱)

اسی سے جانی ہے جس کا معنی ہے ظلم اور گناہ کرنے والا۔ **جنایۃ** اس سزا کو کہتے ہیں جو گناہ کے مرتکب فرد کو گناہ کے بدلے میں دی جائے۔(۷۶۲)

جیسے رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ **حجۃالوداع** کے موقع پر فرمایا۔

"الا لا یجنی جان الا علی نفسہ"(۷۶۳)

ہر ظلم کرنے والا انسان اپنے اوپر ظلم کرتا ہے۔

فقہی اصطلاح میں جنایت کہتے ہیں۔

"کل فعل محظور یتضمن ضررا علی النفس وغیرھا"(۷۶۴)

انسان کو کسی ممنوع فعل کے ارتکاب پر جو نقصان ادا کرنا پڑتا ہے اسے جنایت کہتے ہیں۔

توکیل فی الجنایات سے مراد یہ ہے کہ جنایت سے متعلقہ مقدمات کی پیروی کے لیے کسی شخص کو اپنی طرف سے حق دعوی، جواب دعوی کی پیروی اور تنفیذ جنایت کے لیے وکیل مقرر کرنا۔

اسلام میں جنایات کی تین اقسام ہیں۔

(۱) قصاص (۲) حدود (۳) تعزیرات

احکام توکیل قصاص

قصاص کا لفظ قصص سے مشتق ہے جس کا لغوی معنی ہے کسی کے پیچھے پیچھے چلنا' کہا جاتا ہے۔

"قص اثرہ' یقص قصاوقصصا" (۶۶۵)

وہ اس کے نقش قدم پر چلا' وہ کسی کے نقش قدم پر چلتا ہے۔

اس کا ایک اور معنی قصہ بیان کرنا بھی ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔

"نحن نقص علیک احسن القصص" (۶۶۶)

(ترجمہ) ہم آپ کو بہترانداز میں واقعات بیان کرتے ہیں۔

احادیث میں یہ لفظ کاٹنے کے معنی بھی استعمال ہوا ہے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"قصوا الشوارب واعفوا اللحی" (۶۶۷)

مونچھیں کاٹو اور داڑھی بڑھاؤ۔

راغب اصفہانی نے قصص کا معنی **"تتبع الدم بالقود"** (۶۶۸) بھی بیان کیا ہے۔ یعنی مجرم کا اس طرح پیچھا کرنا کہ اسے اس کے جرم کی سزا مل کر رہے۔

قرآن مجید میں قصاص کا لفظ قتل کے جرم کی سزا کے معنی میں اس طرح استعمال ہوا ہے۔

"یاایھا الذین امنوا کتب علیکم القصاص فی القتلی" (۶۶۹)

(ترجمہ) اے ایمان والو تم پر مقتولین کے بارے میں قصاص فرض قرار دیا گیا ہے۔ ایک دوسرے مقام پر فرمایا گیا۔

"ولکم فی القصاص حیاۃ یاولی الالباب" (۶۷۰)

(ترجمہ) اے عقل والو! تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔

فقہاء کرام نے قصاص کی اصطلاحی تعریف یہ بیان کی ہے۔

"ان یوقع علی الجانی مثل ماجنی" (۶۷۱)

ظلم کرنے والے کو اس کے ظلم کے مطابق سزا دینا۔ رواس قلعہ جی نے بیان کیا ہے۔

"المماثلۃ بین العقوبۃ والجنایۃ" (۶۷۲)

۱۔ اثبات و عدم اثبات قصاص۔ ۲۔ استیفاء قصاص۔
۳۔ ایفاء، طلب و اقرار قصاص۔ ۴۔ عفو عن القصاص

موخر الذکر یعنی عفو عن القصاص کا تعلق عقود الاسقاطات سے ہے لہٰذا اس کی وکالت کے احکام کا ذکر اس باب کی فصل سوم میں کر دیا گیا ہے۔ قصاص سے متعلق باقی تین قسم کی وکالت اور ان کے احکام کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔

i۔ اثبات و عدم اثبات قصاص

اثبات قصاص سے مراد یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی کو قتل کیا ہو تو مدعی کی طرف سے اثبات قتل کے لیے وکیل مقرر کرنا۔ جب کہ عدم اثبات قصاص سے مراد یہ ہے کہ جس شخص پر قتل کے جرم کا الزام ہو تو اس کا قرائن و شواہد سے یہ ثابت کرنا کہ اس نے قتل کا یہ جرم نہیں کیا۔

اثبات قصاص میں توکیل جائز ہے کیونکہ یہ وکالت توکیل خصومت کے ضمن میں آتی ہے۔ علامہ کاسانی فرماتے ہیں۔ چونکہ اثبات قصاص میں شبہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس میں توکیل بھی جائز ہے۔(۶۷۳)

امام سبکی **تکملۃ المجموع** میں فرماتے ہیں۔ **"یجوز التوکیل فی اثبات القصاص"**(۶۷۴)
اثبات قصاص میں توکیل جائز ہے۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں **"فان وکلہ باقامۃ البینۃ علی ذلک جاز التوکیل"**(۶۷۵)
اگر اثبات قصاص کے ضمن میں دلائل قائم کرنے کے لیے کسی کو وکیل کیا تو جائز ہے۔ صاحب ہدایہ اثبات قصاص میں وکالت کے متعلق امام ابو حنیفہؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں۔

اثبات قصاص میں موکل کی عدم موجودگی میں بھی توکیل جائز ہے اس لیے کہ اثبات قصاص کے لیے مخاصمت (یعنی فریق ثانی کا دعوی) شرط محض ہے جب کہ قصاص کا وجوب نفس جرم سے ہے نہ کہ فریق مخالف کے دعوی سے۔ اس طرح جرم کا اثبات شہادت سے ہوتا ہے نہ کہ اثبات جرم کی کوشش سے۔ لہٰذا دیگر حقوق کی طرح اثبات قصاص کی کوشش بھی ایک حق ہے جس میں وکالت جائز ہے۔(۶۷۶)

صاحبین میں سے امام محمدؒ کے نزدیک بھی اثبات قصاص کے لیے وکالت موکل کی عدم موجودگی میں بھی جائز ہے جب کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک موکل کی عدم موجودگی میں اثبات قصاص کی توکیل

پرہیز کیا جاتا ہے۔ اثبات قصاص میں اگر تھوڑا سا شک ہو جائے تو قصاص ثابت نہیں ہوتا جیسے اثبات قصاص میں اگر کوئی شھادۃ علی الشھادۃ(۶۷۷) کے طور پر گواہی دے یا مردوں کے ساتھ عورتوں کی گواہی شامل ہو جائے تو قصاص ثابت نہیں ہوتا۔ لہٰذا موکل کی عدم موجودگی میں وکیل کا کلام موکل ہی کا کلام سمجھا جاتا ہے۔(۶۷۸)

اثبات قصاص کے علاوہ جس شخص پر قصاص کا دعوی ہو تو اس کی طرف سے جوابدہی میں اقرار پر وکالت کے متعلق امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔

خصومت (فریق مخالف کا دعوی) ثبوت جرم کے لیے صرف شرط ہے کیونکہ قصاص کا وجوب ارتکاب جرم کی بنا پر ہے نہ کہ صرف خصومت پر۔ ارتکاب جرم کی سزا شہادت پر مبنی ہے نہ کہ صرف اثبات جرم کی کوشش پر لہٰذا اثبات کی کوشش بھی دیگر حقوق کی طرح ایک حق ہے جس میں وکالت جائز ہے' اس کے بعد صاحب ہدایہ فرماتے ہیں۔

"التوکیل بالجواب من جانب من علیه الحد والقصاص وکلام ابوحنیفه فیه اظهر لان الشبهه لاتمنع الدفع غیر ان الاقرار الوکیل غیر مقبول علیه لمافیه من شبهة عدم الامربه" (۶۷۹)

جس شخص پر حد یا قصاص کا دعوی ہو اس کی طرف سے جوابدہی میں اقرار کے متعلق امام ابوحنیفہؒ کا کلام واضح ہے کہ شک دفعیہ(۶۸۰) کو نہیں روکتا لہٰذا صرف اتنی بات پر کہ موکل پر وکیل کا اقرار مقبول نہیں کیونکہ اس میں موکل کے حکم نہ دینے کا شبہ ہے۔ اس میں توکیل کس طرح ناجائز ہوگی۔ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک بھی موکل کی موجودگی و عدم موجودگی ہر دو حالت میں توکیل اثبات قصاص جائز ہے۔(۶۸۱)

نتیجہ یہ کہ تمام آئمہ فقہاء اثبات قصاص میں توکیل کو جائز قرار دیتے ہیں خواہ موکل حاضر ہو یا غیر حاضر۔ صرف امام ابویوسف اس جواز کو موکل کی موجودگی کے ساتھ مشروط قرار دیتے ہیں۔

استیفاء قصاص

استیفاء قصاص سے مراد یہ ہے کہ قاتل پر جب قتل کا جرم ثابت ہو جائے تو اسے قصاص میں قتل کرنا۔ قاتل کو سزا میں حکومت کی طرف سے مقرر کردہ کوئی شخص قتل کرے یا مقتول کے وارث۔ اگر قاتل کو مقتول کے وارث خود قتل کرنے کی طاقت نہ رکھیں تو ان کی طرف سے مقرر کردہ وکیل بھی

استیفاء قصاص میں بھی توکیل کی اجازت ہے لیکن اس توکیل میں لازمی شرط یہ ہے کہ موکل جو مقتول کا کا ولی ہو وہ موجود ہو۔ اس میں توکیل کی صورت یہ ہو گی کہ اگر جج اثبات قتل کے بعد قاتل کو قصاص میں قتل کرنے کی سزا کا فیصلہ سنا دے اور مقتول کے ولی کو حکم دے کہ وہی قاتل کو قتل کرے تو اس میں دو صورتیں ہوں گی، پہلی صورت یہ کہ وہ قاتل کو قتل کرنے پر قدرت رکھتا ہو۔ دوسری صورت یہ کہ وہ استیفاء قصاص پر قدرت نہ رکھتا ہو۔

دوسری صورت میں اگر وہ کسی کو وکیل مقرر کرے تو استیفاء قصاص کے وقت موکل کا موجود ہونا ضروری ہے۔ اس لیے کہ وہ موکل قصاص میں قتل کرنے کے آخری وقت تک معاف کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اگر موکل موجود نہ ہو تو یہ شبہ باقی رہے گا کہ شاید اگر موکل موجود ہوتا تو وہ معاف کر دیتا۔ لٰہذا اس شبہ کرنے کے لیے موکل جو مقتول کا ولی ہے کا موجود ہونا جواز توکیل کے لیے شرط قرار دیا گیا۔ علامہ زیلعی (م ۷۴۳ھ) فرماتے ہیں۔

"یجوز التوکیل بایفاء جمیع الحقوق والاستیفاء لما بینا الا باستیفاء الحدود القصاص فانه لایجوز مع غیبة الموکل عن المجلس لانها تسقط بالشبهات"(۶۸۲)

عام حقوق کی طرح حدود و قصاص کے استیفاء میں وکالت جائز ہے لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ موکل موجود ہو۔ کیونکہ یہ قصاص شبہات سے ساقط ہو جاتا ہے اور موکل کسی بھی وقت قاتل کو معاف کرنے کا مختار ہے۔

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ موکل کی موجودگی میں استیفاء قصاص میں اس لیے توکیل جائز ہے کہ ہو سکتا ہے کہ موکل خود اچھی طرح قصاص نہ لے سکتا ہو اگر استیفاء قصاص میں وکالت ناجائز قرار دی جائے تو استیفاء قصاص کا دروازہ بند ہو جائے گا۔(۶۸۳)

احناف کے علاوہ باقی مذاہب میں بھی استیفاء قصاص میں توکیل جائز ہے۔ علامہ مرادوی فرماتے ہیں کہ

استیفاء قصاص میں وکالت موکل کی موجودگی میں ہی درست ہے۔(۶۸۴)

علامہ سبکی فرماتے ہیں۔

"اما القصاص فانه یجوز التوکیل فی استیفائها بحضرة الموکل"(۶۸۵)

استیفاء قصاص میں توکیل موکل کی موجودگی میں جائز ہے۔

امام مالک کے نزدیک استیفاء قصاص میں موکل کی موجودگی ضروری نہیں لٰہذا موکل کی

ہے۔ اس حق کا استیفاء بھی بذریعہ توکیل جائز ہے۔(٦٨٦)

علامہ مقدسی فرماتے ہیں کہ استیفاء قصاص میں موکل کا موجود ہونا ضروری نہیں۔ اس کی عدم موجودگی میں بھی توکیل جائز ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ موکل استیفاء قصاص پر قدرت نہ رکھتا ہو اور کسی سبب سے استیفاء کے وقت حاضر ہونے سے قاصر ہو۔ لہٰذا اس عدم قدرت کی بنا پر قدرت کا محتاج ہو جب کہ بعض علماء موکل کی موجودگی ضروری قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ عفو کا احتمال باقی رہتا ہے اور شبہ کی موجودگی سے قصاص پورا کرنا درست نہیں۔(٦٨٧)

استیفاء قصاص میں اگرچہ توکیل جائز ہے لیکن استیفاء کا یہ طریقہ عصر حاضر میں متروک ہو چکا ہے کیونکہ اب حکومت کی طرف سے سزا موت دینے کے لیے باقاعدہ آدمی مقرر ہوتا ہے۔

ایفاء، طلب و اقرار قصاص

ایفاء قصاص سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص جس نے قتل کے جرم میں قتل ہونا ہے وہ اپنی جگہ کسی اور کو وکالتاً قتل کے لیے پیش کرے۔ یہ وکالت جائز نہیں اور اس کا ذکر باب ششم کی فصل پنجم میں وکالت کی مستثنیات کے ضمن میں کیا جائے گا۔ اقرار قصاص میں توکیل کے متعلق امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ اس میں توکیل جائز نہیں اس لیے کہ عدالت میں قصاص شبہات ساقط ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ عورتوں کی شہادت سے عفو عن القصاص ثابت ہو جاتا ہے۔ اگر وکیل اپنے موکل کے دعوی کو ثابت کرنے میں ناکام رہے اور وکیل نے عدالت میں قصاص کا اقرار کر لیا۔ اگرچہ یہ اقرار قیاساً جائز ہے کیونکہ صحت توکیل کے بعد وہ موکل کے قائم مقام ہو جاتا ہے اور اس کا اقرار موکل کا اقرار تصور ہو گا۔ لیکن وکیل کا یہ اقرار استحساناً درست نہیں اس لیے کہ ممکن ہے کہ موکل نے وکیل کو اس قتل کے جرم کے اقرار کا اختیار نہ دیا ہو۔ بہرحال اگر موکل نے واضح طور پر اقرار یا انکار کا اختیار دیا ہو تو عدالت میں اس کا اقرار و انکار قابل و قبول ہو گا۔(٦٨٨)

طلب قصاص سے مراد یہ ہے کہ جانی یا قاتل پر جب جرم کا اثبات ہو جائے تو قصاص میں اس کو سزا دینے یا قتل کرنے یا ہونے کا مطالبہ کرنا۔ اس کے متعلق امام سرخسی فرماتے ہیں۔

اذا وکل الرجل وکیلاً بطلب قصاص فی نفس او فیما دون النفس لا یجوز(٦٨٩)

اگر کسی نے جان یا جان سے کم کے بدلے میں طلب قصاص کے لیے وکیل مقرر کیا تو یہ جائز نہیں۔

احکام توکیل حدود

حد کی جمع حدود ہے جس کا لغوی معنیٰ ہے **"الحاجز بین الشیئین"** (۶۹۰)
دو چیزوں کے درمیان روکنے والی چیز۔ دربان کو بھی حداد اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ لوگوں کو اندر آنے سے روکتا ہے۔ اسلام میں عقوبات کو حد کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ یہ لوگوں کو ان جرائم کے ارتکاب سے روکتی ہیں جن کی وجہ سے حد واجب ہوتی ہے۔ شرعی اصطلاح میں حد کہتے ہیں۔
"فی الشرع الحد اسم لعقوبة مقدرة وجبت حقاللّٰہ تعالیٰ زجراً" (۶۹۱)
شریعت میں حد اس سزا کو کہتے ہیں جو (قرآن و حدیث میں) معین ہو اور اللہ تعالیٰ کا حق ہونے کی وجہ سے افعال قبیحہ سے باز رکھنے کی بنا پر وہ واجب ہو۔
بقول رواس قلعہ جی **"عقوبة مقدرة شرعا"**
شریعت کی طرف سے مقررہ سزا کو حد کہتے ہیں۔ ان حدود کی پانچ اقسام ہیں۔
(۱) حد زنا (۲) حد شرب خمر (۳) حد قذف (۴) حد سرقہ (۵) حد حرابہ
حدود میں توکیل کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں۔
۱۔ اثبات حدود
۲۔ استیفاء حدود
۳۔ ایفاء حدود
ایفاء حدود وکالت سے مستثنیٰ ہے لہٰذا اس کا ذکر باب ششم مستثنیات وکالت میں کیا جائے گا لہٰذا یہاں اثبات و استیفاء حدود کے ضمن میں تحریر کیا جاتا ہے۔

اثبات حدود

اثبات حدود کی وکالت کے ضمن میں علامہ کاسانی فرماتے ہیں کہ حدود کی دو قسمیں ہیں۔
اول۔ وہ حدود جن میں اثبات حد کے لیے خصومت یا جھگڑے کی ضرورت نہیں ہوتی جیسے حد زنا، او رحد شرب خمر۔ ان حدود میں مدعی کا دعوی دائر کرنا ضروری نہیں ہوتا بلکہ عینی و دیگر شہادتوں سے دعوی کا اثبات ہو جاتا ہے۔

دوم- وہ حدود جن کے اثبات کے لیے خصومت اور جھگڑے کی ضرورت ہوتی ہے- جیسے حد سرقہ، حد حرابہ اور حد قذف۔ ان اقسام کے بیان کے بعد علامہ کاسانی فرماتے ہیں۔

اما التوکیل باثبات الحدود فان کان حداً لایحتاج فیه الی الخصومة کحد الزنا و شرب الخمر فلا یتقدر التوکیل فیه بالاثبات لانه یثبت عند القاضی بالبینة او الاقرار من غیر خصومة۔ وان کان مما یحتاج فیه الی الخصومة کحد السرقة و حد القذف فیجوز التوکیل باثباته عند ابی حنیفة ومحمد وعند ابی یوسف لایجوز ولاتقبل البینة فیهما الا من الموکل۔(۶۹۲)

جہاں تک اثبات حدود میں توکیل کا تعلق ہے تو وہ اگر ایسی حد ہے جس میں خصومت یا جھگڑے کی ضرورت نہیں ہوتی جیسے حد زنا و حد شراب نوشی تو اس میں اثبات کے لیے توکیل کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ حد قاضی کے ہاں گواہوں اور اقرار کے بغیر خصومت سے ثابت ہوتی ہے۔ اگر وہ ایسی حد ہے جس میں خصومت کی ضرورت ہوتی ہے جیسے چوری اور تہمت زنا کی حد تو اس میں اثبات کے لیے طرفین کے نزدیک توکیل جائز ہے جب کہ امام ابویوسفؒ کے نزدیک جائز نہیں اس لیے کہ ان کے نزدیک ان حدود کے اثبات کے لیے صرف موکل ہی کی طرف سے دلائل قابل قبول ہوں گے۔

علامہ ابن قدامہ اثبات حدود کی توکیل کے متعلق فرماتے ہیں۔

"ویجوز التوکیل فی اثباتها"(۶۹۳)

یعنی حدود کے اثبات میں توکیل جائز ہے۔

علامہ سبکی فرماتے ہیں کہ حد قذف میں توکیل جائز ہے کیونکہ یہ آدمی کا حق ہے دیگر اموال کی طرح اس کے اثبات میں بھی توکیل جائز ہے۔(۶۹۴)

علامہ المرادوی اور السید البکری نے بھی حدود کے اثبات میں وکالت کو جائز قرار دیا ہے۔(۶۹۵)

علامہ مقدسی حنبلی نے لکھا ہے۔

موکل کی موجودگی و عدم موجودگی میں اثبات حدود کے لیے وکالت جائز ہے۔ البتہ اس کا موجود ہونا بہتر ہے۔(۶۹۶)

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ثبوت حد کا انحصار ارتکاب جرم پر ہے نہ کہ فریق مخالف پر اور ارتکاب جرم کا اثبات شہادت سے ہوتا ہے لہٰذا شہادت سے جرم کا اثبات دیگر حقوق کی طرح ایک حق

اثبات حدود میں وکالت کی مشروعیت اس حدیث سے ثابت ہوتی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انیس بن ضحاکؓ سے فرمایا تھا۔

"واغدیا انیس الی امراۃ ھذا فان اعترفت فارجمھا"(۶۹۸)

اے انیس تم صبح اس شخص کی بیوی کے پاس جاؤ اگر وہ زنا کا اقرار کرے تو اسے سنگسار کر دو۔(۶۹۹) اس حدیث کے ضمن میں علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں۔

اس حدیث میں پہلے اثبات وکالت کی توکیل کا جواز ہے۔ کیونکہ اقرار زنا کرانا اثبات حد کی وکالت سے ہے۔(۷۰۰)

نتیجہ یہ کہ حد قذف' حد حرابہ اور حد سرقہ میں اثبات جرم کے لیے توکیل جائز ہے اور اس پر تمام مذاہب فقہ کا اجماع ہے۔

استیفاء حدود

استیفاء حدود سے مراد حدود کے مرتکب افراد کو سزا دینے کا مطالبہ سزا کا نفاذ ہے استیفاء حدود میں توکیل جائز ہے اور اس میں توکیل دو طرح کی ہوگی۔

اول۔ وہ حدود جن کے اثبات میں توکیل کی اجازت نہیں جیسے حد زنا اور حد شراب نوشی۔ ان حدود کے استیفاء کا مکمل اختیار قاضی یا حاکم وقت کو ہوتا ہے۔ اس میں توکیل کی یہ صورت ہوگی کہ حاکم وقت خود بھی مجرم پر حد نافذ کر سکتا ہے اور حد نافذ کرنے کے لیے کسی بھی شخص کو وکیل مقرر کر سکتا ہے۔ اس لیے کہ ان حدود کے اثبات میں کوئی عام آدمی مدعی نہیں ہوتا بلکہ حکومت ہی مدعی ہوتی ہے۔ لہٰذا حد نافذ کرنے کا مکمل اختیار حاکم وقت کے پاس ہوتا ہے۔ ان حدود کے استیفاء میں وکالت کی مشروعیت ان روایات سے ہوتی ہے۔

۱۔ قبیلہ بنی غامدیہ کی ایک عورت نے جب زنا کا ارتکاب کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انیس بن ضحاکؓ سے فرمایا۔ تم اس کے پاس جاؤ اگر وہ زنا کا اقرار کرے تو اسے سنگسار کر دو۔ چنانچہ آپ نے جرم ثابت ہونے کے بعد اسے سنگسار کیا۔(۷۰۱)

حضرت انیسؓ کا اس زانیہ عورت کو سنگسار کرنا حدود کے استیفاء میں وکالت ہی کی ایک عملی شکل ہے۔

حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے عہد خلافت میں شراب نوشی کی حد نافذ کرنے کے لیے حضرت علیؓ کو حکم دیا۔ حضرت علیؓ نے اپنے بیٹے حضرت حسنؓ کو حکم دیتے ہوئے فرمایا۔

"قم یا حسن فاجلده"

اے حسن اٹھو اور اس پر حد نافذ کرو۔

حضرت حسنؓ نے حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کو حد نافذ کرنے کے متعلق کہا تو حضرت علیؓ نے ان سے فرمایا:

"یا عبداللّٰہ بن جعفر قم فاجلده فجلده وعلی یعد حتی بلغ اربعین فقال امسک" (۷۰۲)

اے عبداللہ اٹھو اور اسے کوڑے لگاؤ پھر انھوں نے کوڑے لگائے حضرت علیؓ کوڑے گنتے رہے جب کوڑوں کی تعداد چالیس ہوگئی تو آپ نے رکنے کو کہا۔

یہ دونوں روایات ان حدود کے استیفاء میں وکالت کا جواز پیش کرتی ہیں جن کے متعلق لوگوں میں سے کوئی مدعی نہیں ہوتا۔

دوم۔ استیفاء حدود میں وکالت کی دوسری صورت ان حدود سے متعلق ہے۔ جن کے ارتکاب کے بعد لوگوں میں سے کوئی مدعی ہوتا ہے۔ جیسے حد قذف، حد سرقہ اور حد حرابہ۔ ان حدود کے استیفاء میں بھی توکیل جائز ہے۔

اس توکیل کے متعلق فقہاء کے دو اقوال ہیں۔

احناف کے نزدیک ان حدود کے استیفاء کی وکالت کے وقت موکل کا موجود ہونا ضروری ہے۔

علامہ فخرالدین زیلعی فرماتے ہیں۔

لایجوز مع غیبة الموکل عن المجلس لانها تسقط بالشبهات" (۷۰۳)

ان حدود میں موکل کی غیر موجودگی میں وکالت درست نہیں۔

اس لیے کہ یہ حدود شبہات (۷۰۴) سے ساقط ہو جاتی ہیں جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اگر اثبات حد میں مردوں کے ساتھ عورتوں کی گواہی شامل ہو جائے یا شہادت بر شہادت ہو تو ان سے اثبات حد نہیں ہوتی اور اثبات حد نہ ہونے سے استیفاء حد کا مطالبہ ساقط ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس شبہ کی بنا پر توکیل کے وقت موکل کا ہونا ضروری ہے۔

بدائع میں ہے کہ استیفاء حد قذف اور حد سرقہ کے وقت مقذوف (جس پر بہتان لگایا گیا) اور

امام کو حاصل ہوتی ہے لیکن وہ ہر حال میں خود استیفاء کا متولی بننے پر قادر نہیں اور اگر مقذوف اور مسروق منہ موجود نہ ہوں تو اس صورت میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک یہ جائز ہے کیونکہ عدم جواز صلح اور عفو کے احتمال کی بنا پر ہوتا ہے جب کہ یہ احتمال یہاں مفقود ہے۔ اور بعض مشائخ کے نزدیک جائز نہیں کیونکہ اس میں اگرچہ عفو و صلح کا احتمال نہیں لیکن اقرار اور تصدیق کا تو احتمال ہے(۷۰۵)

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ نفاذ حد کے وقت موکل کا موجود ہونا ضروری ہے کیونکہ حد لگانے کی ولایت امام یا سربراہ حکومت کی طرف سے جج کو حاصل ہوتی ہے اور وہ ممکن ہے کسی وقت حد لگانے پر قادر نہ ہو۔ بعض اوقات جج خود حد لگانے کی بجائے کسی سے اس حد کا اجراء کرتا ہے۔ لہٰذا ان صورتوں میں توکیل جائز ہے۔(۷۰۶)

امام سبکی فرماتے ہیں کہ استیفاء حد کی توکیل موکل کی موجودگی میں جائز ہے۔(۷۰۷) جب کہ دیگر آئمہ کے نزدیک اس توکیل کے لیے موکل کا موجود ہونا ضروری نہیں۔

علامہ مقدسی فرماتے ہیں کہ حدود کے استیفاء میں وکالت موکل کا حق ہے اور یہ جائز ہے اگرچہ موکل موجود ہو یا غیر موجود۔(۷۰۸)

علامہ کاسانی و امام شربینی اور علامہ شیرازی بھی اس توکیل کے جواز کے قائل ہیں اور اسے آدمی کا حق قرار دیتے ہیں۔(۷۰۹)

الانصاف میں ہے: استیفاء حدود کی وکالت موکل کی موجودگی اور غیر موجودگی دونوں حالتوں میں جائز ہے البتہ بعض فقہاء کے نزدیک حدقذف میں موکل کا توکیل کے وقت موجود ہونا ضروری ہے۔(۷۱۰)

بہرحال احناف کے علاوہ باقی آئمہ کے نزدیک موکل کی عدم موجودگی میں شبہ کا احتمال ضعیف ہے لہٰذا موکل کی موجودگی اور عدم موجودگی دونوں حالتوں میں استیفاء حدود کی وکالت درست ہے۔(۷۱۱)

(نوٹ) عصر حاضر میں چونکہ استیفاء حدود یعنی مجرموں کو سزا دینے کے لیے حکومت کی طرف سے افراد مقرر ہیں لہٰذا یہ توکیل اب عملاً متروک ہے۔

ایفاء و اقرار حدود

ایفاء حدود سے مراد مجرم پر حد کا نافذ کرنا ہے اس میں توکیل کی یہ صورت ہو گی کہ وہ شخص جس پر اثبات حد کے بعد جج نے حد لگانے کا فیصلہ سنا دیا ہو تو وہ خود حد کی سزا بھگتنے کی بجائے کسی اور کو پیش کرے تو یہ قرآن اور حدیث کے خلاف ہے لہٰذا اس میں توکیل جائز نہیں اس کو فقہاء کرام نے وکالت سے مستثنیٰ قرار دیا ہے اور اس کا ذکر باب ششم کی فصل پنجم میں کیا جائے گا۔

کیا وکیل کا موکل کی طرف سے حدود کے ضمن میں اقرار درست ہو گا اس ضمن میں امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ اقرار حدود میں توکیل جائز نہیں اس لیے کہ عدالت میں حدود شبہات کی بنا پر ساقط ہو جاتی ہیں۔ اگر وکیل اپنے موکل کے دعویٰ کو ثابت کرنے میں ناکام رہا اور وکیل نے عدالت میں ارتکاب حد کا اقرار کر لیا۔ اگرچہ یہ اقرار قیاساً" جائز ہے کیونکہ صحت توکیل کے بعد وہ موکل کے قائم مقام ہو جاتا ہے اور اس کا اقرار موکل کا اقرار تصور ہو گا لیکن وکیل کا یہ اقرار استحساناً درست نہیں۔ وجہ استحسان یہ ہے کہ ممکن ہے کہ موکل نے وکیل کو اس جرم حد کے اقرار کا اختیار نہ دیا ہو۔

بہرحال اگر موکل نے واضح طور پر اقرار یا انکار کا اختیار دیا ہو تو عدالت میں اس کا اقرار و انکار قابل قبول ہو گا۔(۱۲۷)

وہ حدود جن میں مدعی عوام میں سے ہوتے ہیں اگر ان میں کسی حد کا کسی ملزم پر اثبات ہو جائے تو طلب حد میں توکیل جائز ہے کیونکہ یہاں عفو کا کوئی احتمال نہیں۔

احکام توکیل تعزیرات

تعزیر کا لفظ عزر سے ہے جس کا معنی ہے ملامت کرنا، منع کرنا، لوٹانا، روکنا اور بلند کرنا۔(۷۱۳)

فقہی اصطلاح میں تعزیر کہتے ہیں۔

"تادیب دون الحد واکثره تسعة وثلاثون سوط واقله ثلاثة"(۷۱۴)

حد کے علاوہ کسی کو سزا دینا جو زیادہ سے زیادہ انتالیس اور کم سے کم تین کوڑے ہوں۔ سعدی ابو جیب نے لکھا ہے۔

"تادیب علی ذنبا لاحد فیه ولا کفارة"(۷۱۵)

وہ جرم جس کی سزا میں کوئی حد شرعی نہ ہو اور نہ ہی کفارہ، گویا قصاص اور حدود کے علاوہ وہ سزا جو کسی بھی جج کے صوابدید میں ہو اور وہ جرم کی نوعیت کے مطابق جتنی چاہے سزا دے تعزیر کہلاتی ہے۔ لیکن یہ سزا تین کوڑوں سے لے کر انتالیس کوڑوں تک ہونی چاہیے۔

تعزیرات کے اثبات اور استیفاء میں بھی بلااختلاف توکیل جائز ہے۔ چنانچہ علامہ کاسانی بدائع میں فرماتے ہیں۔

"یجوز التوکیل بالتعزیر اثباتا واستیفاء بالاتفاق والوکیل ان یستوفی سواء کان الموکل غائبا" اوحاضرا لانه حق العبد ولا یسقط بالشبهات بخلاف الحدود"(۷۱۶)

تعزیر کے اثبات اور استیفاء میں متفقہ طور پر توکیل جائز ہے۔ وکیل ان دونوں معاملات میں وکالت کر سکتا ہے اگرچہ موکل موجود ہو یا غیر موجود کیونکہ یہ بندے کا حق ہے اور یہ شبہات سے ساقط نہیں ہوتا۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ الطحاوی، حاشیہ، ۳/۲۶۴۔

۲۔ مرغینانی، ہدایہ، ۳/۱۹۱۔

۳۔ خالد اتاسی، شرح المجلہ، ۴/۴۴۷۔

۴۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۶/۳۲۔
الجزیری، کتاب الفقہ، ۳/۲۰۵۔

۵۔ الجزیری، کتاب الفقہ، ۳/۲۰۵۔

۶۔ زیلعی، تبیین الحقائق، ۴/۲۸۷۔۲۸۸۔

۷۔ مجلہ الاحکام العدلیہ، (۱۴۷۳)، ص ۲۸۷۔

۸۔ خالد اتاسی، شرح المجلہ، ۴/۴۶۳۔

۹۔ مجلہ الاحکام العدلیہ، (۱۴۶۰۔۱۴۶۱)، ص ۲۸۳۔ ۲۸۴۔

۱۰۔ فتاوی ہندیہ، ۳/۶۲۸۔

۱۱۔ لسان العرب، (بذیل مادہ نکح)، ۲/۶۳۶۔

۱۲۔ سورۃ البقرہ، ۲/۲۳۰۔

۱۳۔ ابن جریر طبری، جامع البیان، دار المعرفۃ بیروت، ۱۹۸۰ء، ۲/۲۹۰۔

۱۴۔ جزیری، کتاب الفقہ، ۴/۲۔

۱۵۔ نسائی، (کتاب النکاح، باب نکاح الابن لامہ)، ۲/۷۶۔
ظفر احمد، اعلاء السنن، ۱۵/۳۰۹۔
توکیل نکاح کی مشروعیت سے متعلق مزید احادیث باب دوم کی فصل سوم میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

۱۶۔ جزیری، کتاب الفقہ، ۴/۴۳۔

۱۷۔ علاؤالدین المراودی، الانصاف، ۵/۳۵۹۔

۱۸۔ عبدالواحد، شرعی قانون عقد وکالت، (سہ ماہی منہاج)، ص ۱۴۰۔

۱۹۔ جزیری، کتاب الفقہ، ۴/۴۴۔

۲۰۔ جزیری، کتاب الفقہ، ۴/۴۴۔

۲۱۔ ایضاً، ۴/۴۳۔

۲۲۔ سرخسی، المبسوط، ۱۹/۱۱۹۔

۲۳۔ سرخسی، المبسوط، ۱۹/۱۱۹۔
قاضی خان، ۳/۱۶۷۔

۲۴۔ محمد حنیف، معدن الحقائق، المکتبۃ الاشرفیہ، لاہور، ۱۳۸۸ھ، ۱/۲۹۰۔

۲۵۔ طاہر بن عبدالرشید، خلاصۃ الفتاوی مع مجموعہ الفتاوی لعبدالحی لکھنوی، نول کشور، لاہور، (ت۔ن)، ۴/۱۶۳۔

۲۶۔ قاضی خان، ۳/۱۶۷۔

۲۷۔ ابن بزاز، (علی حاشش فتاوی ہندیہ)، ۵/۲۸۸۔۲۸۹، خلاصۃ الفتاوی، ۴/۱۶۲۔

۲۸۔ قاضی خان، ۳/۱۶۷۔

۲۹۔ عبدالواحد، شرعی قانون عقد وکالت، سہ ماہی منہاج، لاہور، ص ۱۴۲۔

۳۰۔ قاضی خان، ۳/۱۶۷۔

۳۱۔ جزیری، کتاب الفقہ، (اردو)، ۴/۳۳۔

۳۲۔ مہر مثلی سے مراد وہ مہر ہے جو منکوحہ کے خاندان میں سے دیگر لڑکیوں کا مقرر ہوا ہو (عمیم الاحسان، قواعد الفقہ، ص ۵۱۶)۔

۳۳۔ سرخسی، المبسوط، ۱۹/۱۱۷۔
قاضی خان، ۳/۱۶۶۔

۳۴۔ سرخسی، المبسوط، ۱۹/۱۱۷۔

۳۵۔ عبدالواحد، شرعی قانون عقد وکالت، ص ۱۴۲۔

۳۶۔ احسن نانوتوی، غایۃ الاوطار، ۲/۱۳۔

۳۷۔ عبدالواحد، شرعی قانون عقد وکالت، ص ۱۴۲۔

۳۸۔ عبدالواحد، شرعی قانون عقد وکالت، ص ۱۴۱۔

۳۹۔ فتاوی ہندیہ' (باب ۶' فصل اول)' ۳/ ۶۱۰-۶۱۱

۴۰۔ جزیری' کتاب الفقہ' ۴/ ۴۳۔

۴۱۔ سرخسی' المبسوط' ۱۹/ ۱۲۴۔

خلاصۃ الفتاوی' ۴/ ۱۶۳۔

۴۲۔ قاضی خاں' ۳/ ۱۶۷۔

۴۳۔ فقہ میں کفو سے مراد مرد اور عورت کا خاندان اسلام' نسب' پیشہ' دین' امانتداری اور مال میں برابر ہونا ہے غیر کفو میں ولی کی اجازت کے بغیر نکاح جائز نہیں۔ (الجزیری' کتاب الفقہ' ۴/ ۱۵۴)

۴۴۔ ابن ماجہ' (ابواب النکاح' باب الاکفاء)' ص ۱۴۱۔

۴۵۔ سرخسی' المبسوط' ۱۹/ ۱۲۳۔

۴۶۔ قاضی خان' ۳/ ۱۶۶۔

۴۷۔ سرخسی' المبسوط' ۱۹/ ۱۲۳۔

۴۸۔ ایضاً"۔

۴۹۔ ایضاً" ۱۹/ ۱۱۸۔

۵۰۔ ایضاً" ۱۲۳-۳۰۔

۵۱۔ عبدالواحد' شرعی قانون عقد وکالت' ص ۱۴۱-۱۴۲۔

۵۲۔ ایضاً" ص ۱۴۲۔

۵۳۔ ایضاً"۔

۵۴۔ سرخسی' مبسوط' ۱۹/ ۱۲۳۔

قاضی خاں' ۳/ ۱۶۶۔

۵۵۔ سرخسی' المبسوط' ۱۹/ ۱۲۵۔

۵۶۔ عبدالواحد' شرعی عقد قانون وکالت' ص ۱۴۲۔

۵۷۔ سرخسی' المبسوط' ۱۹/ ۱۲۱۔

۵۸۔ ایضاً" ص ۱۲۳۔

۵۹۔ جزیری' کتاب الفقہ' ۴/ ۴۰۔

۶۰۔ مفتی رشید احمد لدھیانوی، احسن الفتاوی، قرآن محل، کراچی، (ت۔ن)، ص ۳۷۲۔
۶۱۔ محمد حنیف گنگوہی، طلوع النیرین، ۱/۴
۶۲۔ سورۃ الجمعۃ، ۶۲/۹۔
۶۳۔ رازی، التفسیر الکبیر، ۳۰/۹۔
۶۴۔ احمد رضا، معجم متن اللغۃ، "بذیل مادہ ش ر ی" ۳/۳۱۴۔
۶۵۔ سورۃ یوسف، ۱۲/۲۰۔
۶۶۔ قرطبی، جامع لاحکام القرآن، ۹/۱۵۵۔
۶۷۔ سورۃ البقرہ، ۲/۱۶۔
۶۸۔ پیر کرم شاہ، (ترجمہ)، تفسیر ضیاء القرآن، ۱/۳۷۔
۶۹۔ احسن نانوتوی، غایۃ الاوطار، ۳/۶۔
۷۰۔ محمود نسفی، کنز الدقائق، ۲۱۷۔
۷۱۔ محمد حنیف گنگوہی، معدن الحقائق، ۲/۳۱۔
۷۲۔ سرخسی، المبسوط، ۱۹/۳۸۔
۷۳۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۶/۲۸۔
۷۴۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۶/۲۸۔
۷۵۔ خطیب الشربینی، مغنی المحتاج، ۲/۲۲۴۔
۷۶۔ المرادوی، الانصاف، ۵/۳۷۵۔
۷۷۔ ابن رشد، بدایۃ المجتہد، ۲/۲۲۷۔
۷۸۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۶/۲۸۔
۷۹۔ السید السابق، فقہ السنہ، ۲/۲۳۷۔
۸۰۔ جزیری، کتاب الفقہ، ۳/۱۹۵۔
۸۱۔ بیع فاسد کی تعریف احکام توکیل عقد بیع کے شروع میں حوالہ نمبر ۱۷ کے تحت بیان کر دی گئی ہے۔
۸۲۔ ابو اسحاق شیرازی، المھذب، ۱/۳۵۲۔
۸۳۔ ابن قدامہ، المغنی، ۵/۱۳۲۔

۸۴۔ کاسانی' بدائع الصنائع' ۶/۲۹۔

۸۵۔ مرغینانی' ہدایہ' ۳/۱۸۸۔
ابن نجیم' البحرالرائق' ۷/۱۶۷۔

۸۶۔ خالد اتاسی' شرح المجلہ' ۴/۴۸۳۔

۸۷۔ ایام تشریق سے مراد امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ذوالحج کی نویں تاریخ (یوم عرفہ) کی نماز فجر سے لے کر ۱۲ ذوالحج نماز عصر تک اور صاحبینؒ کے نزدیک ۱۳ ذی الحج کی نماز عصر تک کے دن ہیں۔ یہاں امام ابوحنیفہ کا قول مراد ہے کیونکہ قربانی ۱۲ ذوالحج نماز عصر تک کی جا سکتی ہے۔ ان ایام میں ہر فرض نماز کے بعد طاق عدد میں یہ تکبیر کہی جاتی ہے "**اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد**" (امام قدوری' المختصر قدوری' ص ۳۸)

۸۸۔ مرغینانی' ہدایہ' ۳/۱۸۸۔

۸۹۔ کاسانی' بدائع الصنائع' ۶/۲۷۔

۹۰۔ فتاوی ہندیہ' ۳/۵۸۸۔

۹۱۔ ڈاکٹر عبدالواحد' شرعی قانون عقد وکالت' ص ۱۳۶۔

۹۲۔ مرغینانی' ہدایہ' ۳/۱۸۸۔
فتاوی ہندیہ' ۳/۵۸۸۔

۹۳۔ السید سابق' فقہ السنہ' ۳/۲۳۷۔

۹۴۔ بعثت نبویؐ کے وقت عرب سونے کا جو سکہ استعمال کرتے تھے اسے دینار کہا جاتا ہے۔ یہ سکہ اہل عرب دیگر ممالک جیسے مصر' روم اور افریقہ وغیرہ سے درآمد کرتے اس کے مختلف اوزان ہوتے جب کہ عام دینار ایک مثقال یعنی ساڑھے چار ماشے کا ہوتا۔ (جی سی میلس (MILES) "دینار" اردو دائرہ معارف اسلامیہ' پنجاب یونیورسٹی' لاہور' ۱۹۷۲' ۹/۵۶۹۔ ۵۷۲۔

۹۵۔ ابوداؤد' (کتاب البیوع' باب فی المضارب یخالف)' ۲/۴۸۰۔
ترمذی' (ابواب البیوع' **باب ماجاء فی اشتراط الولا**)' ۱/۱۷۱۔

۹۶۔ ابوداود' ایضاً"۔
ابن ماجہ' (کتاب الصدقات' باب الامین یتجر فیہ فیربح)' ص ۱۷۳۔

الوصول الی التابعی اولم یسمع من الذی فوقہ والساقط بینھما غیر مذکور" یعنی جس حدیث کی سند میں تابعی سے پہلے ایک یا متعدد راوی ساقط ہوں یا ان کا سماع ثابت نہ ہو (زین الدین عبدالرحمٰن' التقیید والایضاح شرح مقدمہ' ابن صلاح' ناشر' دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک' ۱۹۶۹' ص ٧٦۔)

۹۸۔ ابن حزم' المحلی' ۸/۲۳۶۔

۹۹۔ خالد اتاسی' شرح المجلہ' ۴/۴۸۵۔

۱۰۰۔ مجلہ الاحکام العدلیہ' (نمبر۱۴۹۵)' ص ۲۹۱۔

۱۰۱۔ خالد اتاسی' شرح المجلہ' ۴/۴۸۷۔

۱۰۲۔ مجلہ الاحکام العدلیہ' (نمبر۱۴۹۷)' ص ۲۹۱۔

۱۰۳۔ مرغینانی' ہدایہ' ۳/۱۸۷۔
ابن نجیم' البحرالرائق' ۷/۱۷۰۔

۱۰۴۔ کاسانی' بدائع الصنائع' ۶/۲۸۔

۱۰۵۔ مجلہ الاحکام العدلیہ' (نمبر۱۴۹۹)' ص ۲۹۱۔

۱۰۶۔ خالد اتاسی' شرح المجلہ' ۴/۴۹۱۔

۱۰۷۔ مجلہ الاحکام العدلیہ' (نمبر۱۵۰۲)' ص ۲۹۲۔

۱۰۸۔ بیع صرف سے مراد وہ بیع ہے جس میں ایک ثمن کو دوسرے ثمن کے عوض فروخت کیا جاتا ہے جیسے سونے کو چاندی کے عوض یا عصر حاضر میں روپے کی کسی بھی ملکی کرنسی کے مساوی کسی چیز جیسے بانڈز وغیرہ یا غیر ملکی کرنسی کے عوض خرید و فروخت کرنا۔ (قدوری' المختصر' ص ۸۵)

۱۰۹۔ خالد اتاسی' شرح المجلہ' ۴/۴۹۶۔

۱۱۰۔ مجلہ الاحکام العدلیہ' (نمبر۱۵۰۴)' ص ۲۹۲۔

۱۱۱۔ قدوری' المختصر' ص ۷۴۔

۱۱۲۔ ابو اسحاق شیرازی' المھذب' ۱/۳۵۴۔

۱۱۳۔ خالد اتاسی' شرح المجلہ' ۴/۴۹۵۔

۱۱۵۔ عبدالواحد، شرعی قانون عقد وکالت، ص ۱۳۸۔

۱۱۶۔ عبدالواحد، شرعی قانون عقد وکالت ص ۱۳۹۔

۱۱۷۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۶/۲۷۔

۱۱۸۔ ابن نجیم، البحرالرائق، ۷/۱۶۷۔

۱۱۹۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۶/۲۷۔
ابن نجیم، البحرالرائق، ۷/۱۶۷۔

۱۲۰۔ ابواسحاق شیرازی، المھذب، ۱/۳۵۳۔
الجزیری، کتاب الفقہ، ۳/۱۹۶۔

۱۲۱۔ ابن قدامہ، المغنی، ۵/۱۱۰۔

۱۲۲۔ ابن شحنہ، لسان الحکام، ۲۵۴۔ ابن رشد، بدایۃ المجتھد، ۲/۲۲۷۔

۱۲۳۔ ابن نجیم، البحرالرائق، ۷/۱۷۱۔

۱۲۴۔ مجلہ الاحکام العدلیہ، (نمبر ۱۴۹۸) ص ۲۹۱۔
خالد اتاسی، شرح المجلہ، ۴/۴۸۹۔

۱۲۵۔ رواس قلعہ جی، معجم لغۃ الفقہاء، ص ۱۱۳۔

۱۲۶۔ عمیم الاحسان، قواعد الفقہ، ص ۲۱۲۔

۱۲۷۔ امام محمد، کتاب الاصل، ۵/۷۹۔

۱۲۸۔ جزیری، کتاب الفقہ، ۳/۱۹۸۔

۱۲۹۔ عبدالواحد، شرعی قانون عقد وکالت، ص ۱۳۶۔

۱۳۰۔ مجلہ الاحکام العدلیہ، (۱۵۰۰) ص ۲۹۱۔

۱۳۱۔ جزیری، کتاب الفقہ، (مترجم) ۲/۶۴۰۔

۱۳۲۔ مجلہ الاحکام العدلیہ، ص ۲۹۱۔

۱۳۳۔ عبدالواحد، شرعی قانون عقد وکالت، ص ۱۳۷۔ ۱۳۸۔

۱۳۴۔ مجلہ الاحکام العدلیہ، (۱۵۰۵) ص ۲۹۲۔

۱۳۵۔ فتاوی ہندیہ، ۳/۵۹۶۔

۱۳۶۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۲۸/۶۔

۱۳۷۔ قدوری، المختصر، ص ۱۷۶۔

۱۳۸۔ امام محمد، کتاب الاصل، ۷۷/۵۔

حداد یمنی، الجوہرہ النیرہ، مکتبہ امدادیہ، ملتان، (ت۔ن)، ۳۶۴/۱۔

۱۳۹۔ ابن نجیم، الاشباہ والنظائر، ۴۴۸۔

۱۴۰۔ سلم کا لغوی معنی سلامتی، ڈھسنا، رنگنا اور فوری طور پر قرض یا کسی رقم کا ادا کرنا ہے۔ اہل لغت اسے سلف بھی کہتے ہیں (احسن نانوتوی، غایتہ الاوطار، ۱۵۹/۳) فقہی اصطلاح میں بیع سلم سے مراد "**بیع الدین بالعین یا بیع الاجل بالعاجل**" یعنی نقد رقم دے کر مال ادھار لینا ہے یا کسی خاص مال کے خریدنے کے لیے اس شرط پر پیشگی رقم دینی کہ فلاں چیز اتنے عرصے کے بعد اتنے طے شدہ نرخ میں حاصل کی جائے گی۔ (حنیف گنگوہی، معدن الحقائق ۶۲/۲) بیع سلم بیع کے لحاظ سے بیع کی چار صورتوں میں سے ایک ہے، وہ چار صورتیں یہ ہیں۔

i۔ مقایضہ۔ مال کا تبادلہ مال کے ساتھ ہو یا رقم کے بدلے مال خریدنا بیع مقایضہ کہلاتی ہے۔

ii۔ صرف۔ نقدی کی نقدی کے عوض خرید و فروخت کرنا بیع صَرف ہوتی ہے۔

iii۔ سلم۔ نقد رقم دے کر مال ادھار لینا بیع سلم کہلاتا ہے۔

iv۔ مطلق۔ مال پہلے لے کر قم بعد میں ادا کرنا یعنی ادھار خریدنا بیع مطلق کہلاتا ہے۔ (رواس قلعہ جی، معجم **لغة الفقهاء**، ص ۱۱۳)

۱۴۱۔ امام محمد، کتاب الاصل، ۱/۵۔ مرغینانی، ہدایہ، ۱۸۱/۳۔

۱۴۲۔ بیع سلم کے چار ارکان ہیں۔ ۱۔ راس المال یا سلم اس سے مراد دام یا روپے ہیں۔ ۲۔ مسلم فیہ، فروخت شدہ مال ۳۔ رب السلم، مشتری یا خریدار۔ ۴۔ مسلم الیہ، فروخت کنندہ یا بائع (جزیری، کتاب الفقہ ۳۰۴/۲)

۱۴۳۔ حنیف گنگوہی، طلوع النیرین، ۳۶۲/۲۔

۱۴۴۔ سرخسی، المبسوط، ۶۷/۱۹۔

۱۴۵۔ الجزیری، کتاب الفقہ، ۱۹۲/۳۔

۱۴۶۔ ایضاً، ص ۱۹۳۔

۱۴۷۔ قفال الشاشی، حلیۃ العلماء، ۱۱۷/۵۔

۱۴۸۔ ایضاً" ص ۱۱۸۔

۱۴۹۔ خالد اتاسی' شرح المجلہ' ۴/ ۴۴۷۔

۱۵۰۔ احمد ابراہیم بک 'کتاب المعاملات الشرعیۃ المالیۃ' ص ۱۷۷۔

۱۵۱۔ مرغینانی' ہدایہ' ۳/۱۸۰۔

۱۵۲۔ خالد اتاسی' شرح المجلہ' ۴/۴۴۹۔

۱۵۳۔ مجلہ الاحکام العدلیہ' (نمبر ۱۴۷۵)' ص ۲۸۷۔

۱۵۴۔ مجلہ الاحکام العدلیہ' (نمبر ۱۴۷۷)' ص ۲۸۷۔

۱۵۵۔ ایضاً" (نمبر ۱۴۷۳)' ص ۲۸۷۔

۱۵۶۔ خالد اتاسی' شرح المجلہ' ۴/۴۵۳۔

۱۵۷۔ محمد حنیف گنگوہی' طلوع النیرین' ۳/ ۳۶۳۔

۱۵۸۔ ابن نجیم' البحرالرائق' ۷/ ۱۵۵۔

۱۵۹۔ خالد اتاسی' شرح المجلہ' ۴/ ۴۷۴۔

۱۶۰۔ مقدسی' الاقناع' ۲/ ۲۴۲۔

۱۶۱۔ خالد اتاسی' شرح المجلہ' ۴/ ۴۷۴۔

۱۶۲۔ جزیری' کتاب الفقہ' ۳/ ۱۹۹۔

۱۶۳۔ ابواسحاق شیرازی' المھذب' ۱/ ۳۵۲۔ الشربینی' مغنی المحتاج' ۲/ ۲۲۵۔

۱۶۴۔ ابواسحاق شیرازی' المھذب' ۱/ ۳۵۴۔

۱۶۵۔ حنیف گنگوہی' طلوع النیرین' ۳/ ۳۶۳۔

۱۶۶۔ ابن نجیم' البحرالرائق' ۷/ ۱۵۵۔

۱۶۷۔ مجلہ الاحکام' العدلیہ' (نمبر ۱۴۹۱)' ص ۲۹۰۔

۱۶۸۔ ابواسحاق شیرازی' المھذب' ۱/ ۳۵۴۔

۱۶۹۔ قدوری' المختصر' ۱۷۸۔

۱۷۰۔ خالد اتاسی' شرح المجلہ' ۴/ ۴۶۳۔

۱۷۱۔ ایضاً"۔

۱۷۲۔ خالد اتاسی' شرح المجلہ' ۴/ ۴۶۳۔

۱۷۳۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۲۹/۶۔

۱۷۴۔ فتاویٰ ہندیہ، ۵۷۵/۳، کاسانی، بدائع الصنائع، ۳۰/۶۔

۱۷۵۔ خالد اتاسی، شرح المجلہ، ۴۶۳/۴۔

۱۷۶۔ ایضاً۔

۱۷۷۔ ڈاکٹر عبدالواحد، شرعی قانون عقد وکالت، سہ ماہی منہاج، لاہور، ص ۱۲۳۔

۱۷۸۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۳۱/۶۔

۱۷۹۔ عبدالواحد، شرعی قانون عقد وکالت، ص ۱۲۴۔

۱۸۰۔ ایضاً۔

۱۸۱۔ مرغینانی، ہدایہ، ۱۸۹/۳۔

۱۸۲۔ عبدالواحد، شرعی قانون عقد وکالت، ص ۱۲۴۔ ۱۲۵۔

۱۸۳۔ مقدسی، الاقناع، ۲۴۲/۲۔

۱۸۴۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۳۱/۶۔
ابن نجیم، البحرالرائق، ۱۵۸/۷۔

۱۸۵۔ خطیب الشربینی، مغنی المحتاج، ۲۲۴/۲۔ ۲۲۵۔

۱۸۶۔ السید سابق، فقہ السنۃ، ۲۳۶/۲۔ ۲۳۷۔

۱۸۷۔ عبدالواحد، شرعی قانون عقد وکالت، ص ۱۲۷۔

۱۸۸۔ الشربینی، مغنی المحتاج، ۲۲۵/۲۔

۱۸۹۔ عبدالواحد، شرعی قانون عقد وکالت، ص ۱۲۷۔ ۱۲۸۔

۱۹۰۔ فتاویٰ ہندیہ، ۵۷۵/۳۔

۱۹۱۔ عبدالواحد، شرعی قانون عقد وکالت، ص ۱۲۳۔

۱۹۲۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۲۹/۶۔

۱۹۳۔ ابن بزاز، علی ہامش فتاویٰ ہندیہ، ۴۸۵/۵۔

۱۹۴۔ خالد اتاسی، شرح المجلہ، ۴۶۳/۴۔

۱۹۵۔ ایضاً۔

۱۹۶۔ ابن قدامہ، المغنی، ۱۱۷/۵، ۱۱۹۔

۱۹۷۔ خالد اتاسی، شرح المجلہ، ۴/۴۷۱۔

۱۹۸۔ ایضاً، ص ۴۶۳۔

۱۹۹۔ خالد اتاسی، شرح المجلہ، ۴/۴۷۷۔

۲۰۰۔ جزیری، کتاب الفقہ، ۳/۱۹۲۔

۲۰۱۔ عبدالواحد، شرعی قانون عقد وکالت، ص ۱۲۴۔

۲۰۲۔ خالد اتاسی، شرح المجلہ، ۴/۴۷۸۔

۲۰۳۔ الجزیری، کتاب الفقہ، ۳/۱۹۲۔

۲۰۴۔ خالد اتاسی، شرح المجلہ، ۴/۴۸۱۔

۲۰۵۔ مجلۃ الاحکام العدلیۃ (۱۴۹۳)، ص ۲۹۰۔

۲۰۶۔ جزیری، کتاب الفقہ، ۳/۱۹۲۔

۲۰۷۔ خلیل احمد محدث سہارنپوری، فتاوی مظاہر العلوم، المعروف فتاوی خلیلیہ، ترتیب و تدوین، سید محمد خالد، مکتبہ الشیخ، کراچی، ۱۴۰۳ھ، ص ۲۴۳۔ ۲۴۴۔

۲۰۸۔ لسان العرب، "بذیل مادہ اجر" ۴/۱۰۔

۲۰۹۔ سورۃ القصص، ۲۸/۲۷۔

۲۱۰۔ ابن نجیم، البحرالرائق، ۷/۲۹۷۔

۲۱۱۔ سرخسی، المبسوط، ۱۹/۱۳۲۔

۲۱۲۔ الجزیری، کتاب الفقہ، ۳/۲۰۷، ۲۰۸۔

۲۱۳۔ فتاوی ہندیہ، ۳/۶۰۲۔

۲۱۴۔ ایضاً۔

۲۱۵۔ ایضاً۔

۲۱۶۔ برھان الدین، المحیط البرھانی، ۶/۲۱۶۶۔ خلاصۃ الفتاوی، ۳/۱۴۲۔

۲۱۷۔ سرخسی، المبسوط، ۱۹/۱۳۴۔

۲۱۸۔ ایضاً۔ فتاوی ہندیہ، ۳/۶۰۳۔

۲۱۹۔ ایضاً۔ فتاوی ہندیہ، ص ۶۰۳۔

۲۲۰۔ سرخسی، المبسوط، ۱۹/۱۳۴۔

۲۲۲۔ سرخسی، المبسوط، ۱۹/ ۱۳۴۔

۲۲۳۔ فتاوی ہندیہ، ۳/ ۶۰۲۔

۲۲۴۔ فتاوی ہندیہ، ۳/ ۶۰۲۔

۲۲۵۔ فتاوی ہندیہ، ۳/ ۶۰۳۔

۲۲۶۔ ایضاً۔

۲۲۷۔ فتاوی ہندیہ، ۴/ ۵۱۳۔

۲۲۸۔ لسان العرب، "بذیل مادہ وھب" ۱/ ۸۰۳۔

۲۲۹۔ حنیف گنگوہی، معدن الحقائق، ۲/ ۲۲۳۔

۲۳۰۔ سرخسی، المبسوط، ۱۹/ ۹۱۔

۲۳۱۔ جزیری، کتاب الفقہ، ۳/ ۱۷۳۔

۲۳۲۔ سرخسی، المبسوط، ۱۹/ ۹۱۔

۲۳۳۔ ایضاً، ص ۹۲۔

۲۳۴۔ فتاوی ہندیہ، ۳/ ۶۰۱۔

۲۳۵۔ سرخسی، المبسوط، ۱۹/ ۹۳۔

۲۳۶۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۶/ ۳۲۔

۲۳۷۔ سرخسی، المبسوط، ۱۹/ ۹۳۔ فتاوی ہندیہ، ۳/ ۶۰۱۔

۲۳۸۔ ایضاً، ص ۹۳۔ ایضاً۔

۲۳۹۔ سرخسی، المبسوط ۱۹/ ۹۱۔ ۹۲۔

۲۴۰۔ ایضاً۔

۲۴۱۔ ایضاً۔

۲۴۲۔ سمرقندی، فتاوی النوازل، ص ۳۲۴۔

۲۴۳۔ فتاوی ہندیہ، ۳/ ۶۲۰۔

۲۴۴۔ سرخسی، المبسوط، ۱۹/ ۶۸۔
فتاوی ہندیہ، ۳/ ۶۲۰۔

۲۴۶۔ فتاوی ہندیہ، ۳/۶۲۰۔

۲۴۷۔ قاضی خاں، ۳/۱۵۱، ابن نجیم، البحرالرائق، ۷/۱۸۱۔

۲۴۸۔ فتاوی ہندیہ، ۳/۶۲۹۔۶۳۰۔

۲۴۹۔ ایضاً۔

۲۵۰۔ قاضی خاں، ۳/۱۵۴۔

۲۵۱۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۶/۲۵۔

۲۵۲۔ فتاوی ہندیہ، ۳/۶۲۰۔

۲۵۳۔ خلاصۃ الفتاوی، ۴/۱۵۳۔

۲۵۴۔ قاضی خاں، ۳/۱۵۲۔

۲۵۵۔ ابن نجیم، البحرالرائق، ۷/۱۸۰۔

۲۵۶۔ قاضی خاں، ۳/۱۵۔

۲۵۷۔ سرخسی، المبسوط، ۱۹/۶۷۔

۲۵۸۔ قاضی خاں، ۳/۱۵۳۔

۲۵۹۔ سرخسی، المبسوط، ۱۹/۶۸۔ خلاصۃ الفتاوی، ۴/۱۵۲۔

۲۶۰۔ سرخسی، المبسوط، ۱۹/۷۵۔

۲۶۱۔ سرخسی، المبسوط، ۱۹/۶۷۔ خلاصۃ الفتاوی، ۴/۱۵۲۔

۲۶۲۔ قاضی خاں، ۳/۱۵۲۔ فتاوی ہندیہ، ۳/۶۲۳۔

۲۶۳۔ عبدالوہاب شعرانی، میزان الکبری، ۲/۹۵۔۹۶۔

۲۶۴۔ سرخسی، المبسوط، ۱۹/۶۹۔

۲۶۵۔ ایضاً۔

۲۶۶۔ سرخسی، المبسوط، ۱۹/۶۹، ۱۹/۹۲۔

۲۶۷۔ ایضاً، ص ۷۳۔ قاضی خاں، ۳/۱۵۳۔ فتاوی ہندیہ، ۳/۶۲۴۔

۲۶۸۔ ایضاً، ص ۷۴۔

۲۶۹۔ فتاوی ہندیہ، ۳/۶۲۱، ۶۲۲۔

۲۷۰۔ فتاوی ہندیہ، ۳/۶۲۲۔

۲۷۱۔ ایضاً۔

۲۷۲۔ سرخسی، المبسوط، ۱۹/۶۸۔

۲۷۳۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۶/۲۶۔

۲۷۴۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۶/۲۶۔

۲۷۵۔ فتاوی ہندیہ، ۳/۶۲۲۔

۲۷۶۔ خلاصۃ الفتاوی، ۴/۱۵۲۔

۲۷۷۔ فتاوی ہندیہ، ۳/۶۲۲۔ ۶۲۳۔

۲۷۸۔ ایضاً، ص ۶۲۱۔

۲۷۹۔ فتاوی ہندیہ، ۳/۶۲۱۔

۲۸۰۔ قاضی خاں، ۳/۱۵۱۔ ۱۵۳۔

۲۸۱۔ ابن قدامہ، المغنی، ۵/۱۰۲۔

۲۸۲۔ فتاوی ہندیہ، ۳/۶۲۹۔

۲۸۳۔ ابن شحنہ، لسان الحکام، ص ۲۵۲۔

۲۸۴۔ الجزیری، کتاب الفقہ، (اردو)، ۳/۳۳۵۔

۲۸۵۔ ایضاً، ص ۳۱۸۔

۲۸۶۔ ایضاً، (عربی)، ص ۱۷۲۔

۲۸۷۔ ابن نجیم، الاشباہ والنظائر، ص ۴۴۸۔

۲۸۸۔ خالد الاتاسی، شرح المجلہ، ۴/۵۱۷۔

۲۸۹۔ لسان العرب، "بذیل مادہ طلق" ۱۰/۲۲۶۔

۲۹۰۔ تاج العروس، ۶/۴۲۵۔

۲۹۱۔ عمیم الاحسان، قواعد الفقہ، ۳۶۲۔

۲۹۲۔ سورۃ البقرہ، ۲/۲۳۰۔

۲۹۳۔ جزیری، کتاب الفقہ، ۴/۳۷۱۔

۲۹۴۔ جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن، مجموعہ قوانین اسلام، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد،

۱۹۹۱ء، ۲/۳۸۳۔

۲۹۵۔ طلاق سنت کے دو طریقے ہیں۔ اول یہ کہ وہ طہر جس میں شوہر نے بیوی سے مباشرت نہ کی ہو ایک طلاق دینا، پھر دوسرے طہر میں ایک طلاق دینا اسی طرح تیسرے طہر میں تیسری طلاق دینا۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مذکورہ طریقے سے پہلے طہر میں صرف ایک طلاق دینا پھر دوران عدت کوئی طلاق نہ دینا یہاں تک کہ مکمل عدت گزر جائے۔ اور بیوی شوہر کی زوجیت سے نکل جائے۔ (جزیری، کتاب الفقہ، (مترجم)، ۴/۵۴۹-۵۵۰)

۲۹۶۔ فتاوی ہندیہ، (باب ٦، فصل ۲)، ۳/۶۱۱۔

۲۹۷۔ خالد اتاسی، شرح المجلہ، ۴/۴۰۲۔

۲۹۸۔ سرخسی، المبسوط، ۱۹/۱۲۶۔

۲۹۹۔ سرخسی، المبسوط، ۱۹/۱۲۶۔

۳۰۰۔ فتاوی ہندیہ، ۳/۶۱۲۔

۳۰۱۔ قاضی خاں، ۳/۱۶۷۔

۳۰۲۔ سرخسی، المبسوط، ۱۹/۱۲۵۔

۳۰۳۔ ایضاً۔

۳۰۴۔ فتاوی ہندیہ، ۳/۶۱۱۔

۳۰۵۔ فتاوی ہندیہ، ۳/۶۱۱۔

۳۰۶۔ طلاق رجعی سے مراد وہ طلاق ہے جس کی عدت کے دوران شوہر زبانی اور عمل مباشرت سے رجوع کر سکتا ہے۔ جب کہ طلاق بائن میں بھی رجوع کر سکتا ہے لیکن رجعی میں ایک طلاق کے حق کا استعمال اور بائن میں دو کا استعمال ہوتا ہے اور ایک کا اختیار باقی رہتا ہے۔ (جزیری، کتاب الفقہ، (مترجم)، ۴/۵۱۵)

۳۰۷۔ فتاوی ہندیہ، ۳/۶۱۱۔

۳۰۸۔ سرخسی، المبسوط، ۱۹/۱۲۵۔ احسن نانوتوی، غایتہ الاوطار، ۲/۱۲۶۔

۳۰۹۔ قاضی خاں، ۳/۱۶۸۔

۳۱۰۔ ایضاً۔ سرخسی، المبسوط، ۱۹/۱۲۹۔

۳۱۱۔ خلاصتہ الفتاوی، ۴/۱۶۳۔

۳۱۲۔ مکرہ کی تعریف وکیل سے متعلق شرائط کے ضمن میں بیان کی گئی ہے۔

۳۱۳۔ قاضی خاں، ۳/۱۶۷، ابن بزاز، ۵/۴۹۰۔

۳۱۴۔ نشے سے مراد وہ کیفیت ہے جس میں انسان کی عقل زائل ہو جائے اور طبعی حالت دیوانگی کی حد تک ہو۔ مرد اور عورت میں وہ شخص تمیز نہ کر سکے۔ (جزیری، کتاب الفقہ ۴/ ۵۲۱)

۳۱۵۔ خلاصۃ الفتاوی، ۴/۶۳۱۔

۳۱۶۔ سرخسی، المبسوط، ۱۹/۱۲۷۔

۳۱۷۔ سرخسی، المبسوط، ۱۹/۱۲۷۔

۳۱۸۔ عبدالواحد، شرعی قانون عقد وکالت، ص ۱۴۳۔

۳۱۹۔ سرخسی، المبسوط، ۱۹/۱۲۷۔

۳۲۰۔ قاضی خاں، ۳/۱۶۷۔

۳۲۱۔ ایضاً۔ المرادوی، الانصاف، ۵/۳۷۱۔

۳۲۲۔ سرخسی، المبسوط، ۱۹/۱۲۹۔

۳۲۳۔ ایضاً۔ فتاوی ہندیہ، ۳/۶۱۲۔

۳۲۴۔ عبدالواحد، شرعی قانون عقد وکالت، ص ۱۴۴۔

۳۲۵۔ ہندیہ، ۳/۶۱۲۔

۳۲۶۔ ابن نجیم، البحرالرائق، ۷/۱۷۴۔

۳۲۷۔ تاج العروس "بذیل مادہ خلع" ۵/۳۲۱۔

۳۲۸۔ جزیری، کتاب الفقہ، ۴/۳۸۷۔ سعدی ابوجیب، القاموس الفقہیہ، ص ۱۲۰۔

۳۲۹۔ ایضاً، ۳۸۷۔ ۳۸۸۔

۳۳۰۔ فتاوی ہندیہ، ۳/۶۱۳۔

۳۳۱۔ قاضی خاں، ۳/۱۶۸۔

۳۳۲۔ سرخسی، المبسوط، ۱۹/۱۳۰۔

۳۳۳۔ قدوری، المختصر، ص ۱۲۲۔

۳۳۴۔ قاضی خاں، ۳/۱۶۸۔

۳۳۶۔ سرخسی' المبسوط' ۱۹/۱۳۲۔

۳۳۷۔ ایضاً' ص ۱۳۱۔ قاضی خاں' ۱/۱۶۸۔

۳۳۸۔ قاضی خاں' ۳/۱۶۸۔

۳۳۹۔ سرخسی' المبسوط' ۱۹/۱۲۹۔

۳۴۰۔ سرخسی' المبسوط' ۱۹/۱۳۰۔۱۳۱۔
قاضی خاں' ۳/۱۶۸۔

۳۴۱۔ سرخسی' المبسوط' ۱۹/۱۳۲۔

۳۴۲۔ سرخسی المبسوط' ۱۹/۱۴۰۔

۳۴۳۔ فتاوی ہندیہ' ۳/۶۱۳۔

۳۴۴۔ امجد علی' بہار شریعت' شیخ غلام علی' لاہور' (ت۔ن)' ۱۱/۱۴۰۔

۳۴۵۔ ظفر احمد' اعلاء السنن' ۱۵/۳۲۵۔

۳۴۶۔ البخاری' (کتاب الاستقراض' باب حسن القضاء)' ۱/۳۲۲۔

۳۴۷۔ عبدالوہاب شعرانی' میزان الکبری' ۲/۸۳۔

۳۴۸۔ فتاوی ہندیہ' ۳/۶۲۰۔

۳۴۹۔ شریک سے مراد ایک دوسرے کے عیال میں شامل ہونا اور خلیط سے مراد کاروباری لحاظ سے ان دونوں کا ایک معروف ہونا ہے۔

۳۵۰۔ فتاوی ہندیہ' ۳/۶۲۷۔

۳۵۱۔ ایضاً"۔

۳۵۲۔ خالد اتاسی' شرح الجلہ' ۴/۵۰۲۔

۳۵۳۔ مجلہ الاحکام العدلیہ' (نمبر ۱۵۱۱)' ص ۲۹۳۔

۳۵۴۔ سرخسی' المبسوط' ۱۹/۱۷۔ فتاوی ہندیہ' ۳/۶۲۷۔

۳۵۵۔ خالد اتاسی' شرح الجلہ' ۴/۵۰۴۔

۳۵۶۔ فتاوی ہندیہ' ۳/۶۴۷۔ مجلہ احکام العدلیہ' (۱۵۱۵)' ص ۲۹۴۔

۳۵۷۔ سرخسی' المبسوط' ۱۹/۱۷۔

۳۵۹۔ فتاوی ہندیہ، ۳/۶۲۸۔

۳۶۰۔ فتاوی ہندیہ، ۳/۶۲۸۔

۳۶۱۔ ایضاً۔

۳۶۲۔ ابن قدامہ، المغنی، ۵/۱۰۲۔

۳۶۳۔ مجلہ الاحکام العدلیہ، (۱۵۱۳)، ص ۲۹۴۔

۳۶۴۔ خالد اتاسی، شرح المجلہ، ۴/۵۰۹۔

۳۶۵۔ عبدالواحد، شرعی قانونِ عقدِ وکالت، ص ۱۵۲۔

۳۶۶۔ خلاصۃ الفتاوی، ۴/۱۵۲۔

۳۶۷۔ سرخسی، المبسوط، ۱۹/۷۰۔

۳۶۸۔ سرخسی، المبسوط، ۱۹/۷۱۔

۳۶۹۔ ایضاً، ص ۷۱۔

۳۷۰۔ خالد اتاسی، شرح المجلہ، ۴/۵۰۲۔

۳۷۱۔ ایضاً۔

۳۷۲۔ المفردات، ۳۳۹/۳۴۰۔

۳۷۳۔ عمیم الاحسان، قواعد الفقہ، ص ۴۳۰۔

۳۷۴۔ سورۃ البقرہ، ۲/۱۷۸۔

۳۷۵۔ سورۃ المائدہ، ۵/۴۵۔

۳۷۶۔ ابن ماجہ، (ابواب الدیات، باب من قتل عمداً فرضوا بالدیة)، ص ۸۹۔۱۸۹۔

۳۷۷۔ عبدالقادر عودہ، التشریع الجنائی الاسلامی، اردو ترجمہ، اسلام کا فوجداری نظام، مترجم، ساجد الرحمٰن صدیقی، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۸، ۲/۱۷۱۔

۳۷۸۔ سرخسی، المبسوط، ۱۹/۱۴۳۔

۳۷۹۔ الجزیری، کتاب الفقہ، ۳/۱۷۳۔

۳۸۰۔ سرخسی، المبسوط، ۱۹/۱۴۳۔

۳۸۱۔ سرخسی، المبسوط، ۱۹/۱۴۳۔

۳۸۳۔ سرخسی، المبسوط، ۱۹/۱۴۳۔

۳۸۴۔ سرخسی، المبسوط، ۱۵۲۔

۳۸۵۔ فتاوی ہندیہ، ۳/۶۳۱۔

۳۸۶۔ ایضاً۔

۳۸۷۔ فتاوی ہندیہ، ۳/۶۳۱۔

۳۸۸۔ ایضاً۔

۳۸۹۔ اسلام میں دیت ایک سو اونٹ یا ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم ہیں ایک دینار ساڑھے چار ماشے سونے اور ایک درہم تین ماشے سے تھوڑا زیادہ چاندی کا ہوتا ہے۔

۳۹۰۔ فتاوی ہندیہ، ۳/۶۳۱۔

۳۹۱۔ ایضاً، ۶۳۲۔

۳۹۲۔ ایضاً، ۶۳۳۔

۳۹۳۔ نجم الدین، نسفی، طلبہ الطلبہ، ص ۲۰۵۔

۳۹۴۔ حداد یمنی، الجوہرہ النیرہ، ۱/۳۴۴۔

۳۹۵۔ مجلہ الاحکام العدلیہ، ترجمہ، عبدالقدوس ہاشمی، (کتاب دہم، مقدمہ)، محکمہ اوقات پنجاب، لاہور، ۱۹۸۱، ص ۲۳۸۔

۳۹۶۔ کاسانی، بدائع الصنائع، مترجم، ۶/۱۴۰۔

۳۹۷۔ نسفی، کنز الدقائق، ص ۲۱۱۔

۳۹۸۔ ابن عابدین، ردالمحتار، ۳/۳۶۹۔
کاسانی، بدائع الصنائع، ۶/۱۴۳۔۱۴۲۔

۳۹۹۔ حنیف گنگوہی، معدن الحقائق، ۱/۴۶۳۔

۴۰۰۔ مرغینانی، ہدایہ، ۲/۶۰۵۔

۴۰۱۔ قدوری، المختصر، ص ۱۱۴۔

۴۰۲۔ استحساناً اس لیے کہ شرکت تجارت کے طریقوں پر منعقد ہوتی ہے اور بیع و شرا کے لیے وکیل بنانا ان کا طریقہ ہے۔ نیز یہ تجارت کی ضروریات میں سے ہے کیونکہ تاجر کے لیے

ممکن نہیں کہ وہ تمام تصرفات خود کر سکے لہٰذا توکیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا وکیل خرید کسی دوسرے شخص کو اپنا وکیل خرید مقرر نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ اسے خریدنے کے علاوہ کسی اور تصرف کا اختیار نہیں ہوتا۔ (کاسانی 'بدائع الصنائع' (مترجم) ۶/۱۷۱)

۴۰۳۔ کاسانی 'بدائع الصنائع' ۶/۱۶۷۔

۴۰۴۔ ایضاً' ص ۱۷۱۔ ۱۷۲۔

۴۰۵۔ فتاوی ہندیہ' ۳۴۶/۲۔

۴۰۶۔ سرخسی' المبسوط' ۱۸۲/۱۱۔

۴۰۷۔ سرخسی' المبسوط' ۱۸۴/۱۱۔

۴۰۸۔ کاسانی 'بدائع الصنائع' ۱۸۵/۶۔

۴۰۹۔ فتاوی ہندیہ' ۳۴۶/۲۔

۴۱۰۔ ایضاً۔

۴۱۱۔ سرخسی' المبسوط' ۸۰/۱۱

۴۱۲۔ المفردات' ص ۲۹۴۔ ۲۹۵۔

۴۱۳۔ سورۃ المزمل' ۲۰/۷۳۔

۴۱۴۔ مرغینانی' ہدایہ' ۲۵۵/۳۔

۴۱۵۔ فتاوی عالمگیری' ۲۸۵/۴۔

۴۱۶۔ ڈاکٹر عبدالواحد و مجلس منتظمہ ربوا اور مضاربت' ادارہ تحقیقات اسلامی' اسلام آباد' ۱۹۸۴' ص ۲۰۴۔

۴۱۷۔ جزیری' کتاب الفقہ' ۸۱۲/۲۔

۴۱۸۔ ایضاً' (مترجم)' ۸۲۶/۲۔

۴۱۹۔ سرخسی' المبسوط' ۱۰۲/۱۹۔

۴۲۰۔ ایضاً' ص ۱۰۳۔

۴۲۱۔ جزیری' کتاب الفقہ' ۸۱۵/۲۔

۴۲۲۔ سرخسی' المبسوط' ۱۰۳/۱۹۔

۴۲۳۔ جزیری' کتاب الفقہ' مترجم' ۸۱۷/۲۔ ۸۱۸۔

۴۲۴۔ عبدالواحد، شرعی قانون عقد وکالت، ص ۱۵۳۔

۴۲۵۔ مجلہ الاحکام العدلیہ، (نمبر ۱۵۱۰)، ص ۲۹۳۔

۴۲۶۔ خالد اتاسی، شرح المجلہ، ۵۰۸/۴۔

۴۲۷۔ سرخسی، المبسوط، ۱۰۳/۱۹۔

۴۲۸۔ سرخسی، المبسوط، ۱۰۳/۱۹۔

۴۲۹۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۲۲/۶۔

۴۳۰۔ سرخسی، المبسوط، ۱۰۴/۱۹۔

۴۳۱۔ لسان العرب، (بذیل مادہ زرع)، ۱۴۱/۸۔

۴۳۲۔ سورۃ الواقعہ، ۵۶/ ۶۳۔۶۴۔

۴۳۳۔ مسلم، (کتاب المساقاۃ، باب فضل الغرس والزرع)، ۱۵/۲۔

۴۳۴۔ حداد یمنی، الجوہرہ النیرہ، ۶۲/۲۔

۴۳۵۔ رواس قلعہ جی، معجم لغۃ الفقہاء، ص ۴۲۳۔

۴۳۶۔ الجزیری، کتاب الفقہ، (مترجم)، ۷۸۶/۲۔

۴۳۷۔ سرخسی، المبسوط، ۱۳۶/۱۹۔

۴۳۸۔ ایضاً، ص ۱۳۴۔

۴۳۹۔ ایضاً، ص ۱۳۴۔

۴۴۰۔ برھان الدین محمود، المحیط البرھانی، ۲۱۶۶/۶۔

۴۴۱۔ فتاوی ہندیہ، ۲۶۶/۵۔

۴۴۲۔ ایضاً۔

۴۴۳۔ فتاوی ہندیہ، ۲۶۶/۵۔۲۶۷۔

۴۴۴۔ قاضی خاں، ۲۳۸/۴۔

۴۴۵۔ سرخسی، المبسوط، ۱۴۱/۲۳۔۱۴۲

۴۴۶۔ سرخسی، المبسوط، ۱۳۷/۲۳۔

۴۴۷۔ قاضی خاں، ۲۳۹/۴۔

۴۴۸۔ سرخسی، المبسوط، ۱۴۰/۲۳۔

۴۵۰۔ برھان الدین محمود، المحیط البرھانی، ۶/۲۱۶۶۔

۴۵۱۔ سرخسی، المبسوط، ۲۳/۱۴۲۔

۴۵۲۔ سرخسی، المبسوط، ۲۳/۱۴۰، فتاوی ہندیہ، ۵/۲۶۷۔

۴۵۳۔ فتاوی ہندیہ، ۵/۲۶۶۔

۴۵۴۔ ایضاً، ص ۲۶۷۔

۴۵۵۔ سرخسی، المبسوط، ۲۳/۱۴۲۔ قاضی خاں، ۴/۲۳۸۔ ۲۳۹۔

۴۵۶۔ ایضاً، ص ۱۳۸۔

۴۵۷۔ ایضاً، ص ۱۴۰۔

۴۵۸۔ احمد حمد، نظریہ النیابہ، ص ۵۳۔

۴۵۹۔ لسان العرب، ۱۱/۵۸۹۔
المنجد، "بذیل مادہ کفل" ص ۶۹۱۔

۴۶۰۔ سورۃ آل عمران، ۳/۳۷۔

۴۶۱۔ البخاری، (کتاب الادب، باب فضل من یعول یتیما")، ۲/۸۸۸
امام احمد، (۵/۳۳۳۔ امام احمد کی روایت میں **کھاتین فی الجنۃ** کے الفاظ ہیں۔)

۴۶۲۔ الجزیری، کتاب الفقہ، ۳/۲۵۹۔

۴۶۳۔ ڈاکٹر منیر احمد مغل، پیشہ وکالت کی شرعی حیثیت، (سہ ماہی منہاج)، اپریل ۱۹۸۵ء، ص ۱۱۳۔

۴۶۴۔ فتاوی ہندیہ، ۳/۲۸۸۔

۴۶۵۔ مرغینانی، الہدایہ، ۳/۱۹۵۔

۴۶۶۔ ایضاً، ص ۲۸۹۔

۴۶۷۔ ڈاکٹر منیر احمد مغل، پیشہ وکالت کی شرعی حیثیت، (سہ ماہی منہاج)، اپریل، ۱۹۸۵ء، ص ۱۳۱۔

۴۶۸۔ المنجد "بذیل مادہ حول" ص ۱۶۳۔
لسان العرب، ۱۱/۱۸۵۔

۴۶۹۔ ایضاً۔

۴۷۰۔ حداد یمنی، الجوہرہ النیرہ، ۱/۳۸۰۔

۴۷۱۔ نسفی، کنز الدقائق، ص ۲۵۳۔

۴۷۲۔ الجزیری، کتاب الفقہ، ۳/۲۱۰۔

۴۷۳۔ جزیری، کتاب الفقہ، (اردو)، ۳/۲۵۹۔

۴۷۴۔ فتاوی ہندیہ، ۳/۶۲۵، ۳/۶۲۱۔

۴۷۵۔ ایضاً، ص ۶۲۲۔

۴۷۶۔ سرخسی، المبسوط، ۱۹/۷۳۔

۴۷۷۔ احسن نانوتوی، **غایۃ الاوطار**، ۳/۲۳۱۔

۴۷۸۔ المنجد، بذیل مادہ رھن، ص ۲۸۴۔

۴۷۹۔ سورۃ المدثر، ۷۴/۳۸۔

۴۸۰۔ الجزیری، کتاب الفقہ، ۲/۳۱۹۔

۴۸۱۔ رواس قلعہ جی، معجم **لغۃ الفقھاء**، ص ۲۲۷۔

۴۸۲۔ سمرقندی، فتاوی النوازل، ص ۳۳۹۔

۴۸۳۔ ایضاً۔

۴۸۴۔ فتاوی ہندیہ، ۵/۴۸۷۔

۴۸۵۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۶/۳۴۔

۴۸۶۔ سمرقندی، فتاوی النوازل، ص ۳۳۹۔

۴۸۷۔ مجلہ الاحکام العدلیہ، (نمبر ۱۵۰۰)، ۲۹۱۔

۴۸۸۔ احمد رضا، متن اللغۃ، (بذیل مادہ ودع)، ۵/۷۲۷۔

۴۸۹۔ رواس قلعہ جی، معجم **لغۃ الفقھاء**، ص ۵۰۱۔

۴۹۰۔ ابن نجیم، البحر الرائق، ۷/۱۷۵۔

۴۹۱۔ حنیف گنگوہی، معدن الحقائق، ۲/۲۱۶۔

۴۹۲۔ حنیف گنگوہی، معدن الحقائق، ۲/۱۵۲۔

۴۹۳۔ ابن شحنہ، لسان الحکام، ص ۲۵۲۔

۴۹۵۔ کاسانی، بدائع الصنائع، (مترجم)، ۶/۸۷۔

۴۹۶۔ قدوری، المختصر، ۱۲۸۔

۴۹۷۔ ڈاکٹر منیر احمد مغل، پیشہ وکالت کی شرعی حیثیت، سہ ماہی منہاج، اپریل ۱۹۸۵ء، لاہور ص ۱۳۳۔

۴۹۸۔ لسان العرب، بذیل مادہ عور، ۴/۶۱۸۔
تاج العروس، ۳/۴۳۰۔

۴۹۹۔ ابن اثیر، النھایہ فی غریب الحدیث، ۳/۳۱۸۔

۵۰۰۔ سرخسی، المبسوط، ۱۱/۱۳۳۔

۵۰۱۔ عبیداللہ بن مسعود، شرح الوقایہ۔ ۳/۲۷۳۔

۵۰۲۔ فتاوی ہندیہ، ۳/۵۶۴

۵۰۳۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۶/۸۷۔

۵۰۴۔ فتاوی ہندیہ، ۴/۳۷۲۔

۵۰۵۔ سرخسی، المبسوط، ۱۹/۹۰۔۹۱۔

۵۰۶۔ امجد علی، بہار شریعت، ۱۲/۱۴۸۔

۵۰۷۔ بطرس بستانی، محیط المحیط، "بذیل مادہ عبد" ص ۵۷۰۔

۵۰۸۔ رواس قلعہ جی، معجم لغۃ الفقہاء، ص ۳۰۳۔

۵۰۹۔ سعدی ابوجیب، القاموس الفقہیہ، ص ۲۴۰۔

۵۱۰۔ سعدی ابوجیب، القاموس الفقہیہ، ص ۲۴۰۔

۵۱۱۔ شیخ احمد ملاجیون، نور الانوار، سعید کمپنی، کراچی، ۱۳۶۷ھ، ص ۴۶۔۴۷۔

۵۱۲۔ حنیف گنگوہی، غایۃ السعایۃ، ۶/۳۸۸۔

۵۱۳۔ لسان العرب، "بذیل مادہ حج" ۲/۲۲۶۔

۵۱۴۔ حدود یمنی، الجوہرہ النیرہ، ۱/۱۸۲۔

۵۱۵۔ البخاری، (کتاب المناسک، باب وجوب الحج وفضلہ)، ۱/۲۰۵۔

۵۱۶۔ ظفر احمد عثمانی، اعلاء السنن، ۱۵/۳۳۳۔

۵۱۸۔ حنیف گنگوہی' **غایۃ السعایۃ**' ۶/۳۸۸۔

۵۱۹۔ سورۃ النجم' ۵۳/۳۹۔

۵۲۰۔ احسن نانوتوی' **غایۃ الاوطار**' ۱/ ۶۶۳۔۶۶۴۔

۵۲۱۔ علاؤ الدین' الدر المختار' ص ۲۱۵۔

۵۲۲۔ کاسانی' بدائع الصنائع' (مترجم' ظفر اللہ شفیق)' ۲/۵۸۹۔

۵۲۳۔ علاؤ الدین' الدر المختار' ص ۲۱۵۔

۵۲۴۔ احمد رضا خاں' فتاوی رضویہ' دار الاشاعت' فیصل آباد' ۱۹۷۴' ۴/ ۶۶۳۔

۵۲۵۔ ابن عابدین' رد المختار' ۲/۲۵۹۔

۵۲۶۔ علاؤ الدین' الدر المختار' ص ۲۱۵۔

۵۲۷۔ ایضا"۔

۵۲۸۔ احمد رضا خاں' فتاوی رضویہ' ۴/۶۶۸۔

۵۲۹۔ کاسانی' بدائع الصنائع' ۲/۵۹۰۔

۵۳۰۔ کاسانی' بدائع الصنائع' ۲/۵۹۱۔

۵۳۱۔ ایضا"' ص ۵۸۸۔

۵۳۲۔ ایضا"۔

۵۳۳۔ فتاوی ہندیہ' ۱/۲۵۷۔

۵۳۴۔ مرغینانی' ہدایہ' ۱/۲۷۷۔

۵۳۵۔ کاسانی' بدائع الصنائع' ۲/ ۵۹۲۔۵۹۳۔

۵۳۶۔ احصار سے مراد یہ ہے کہ جس شخص نے احرام باندھا ہو لیکن احرام باندھنے کے بعد اسے احرام کے تقاضوں پر عمل کرنے سے روک دیا گیا ہو۔ یہ رکاوٹ خواہ کسی دشمن کی طرف سے ہو۔ قید کی صورت میں ہو یا بیماری ہو' یا حادثہ وغیرہ کی صورت میں ہو تو اس صورت میں قربانی ادا کرنا پڑتی ہے (حنیف گنگوہی' غایۃ السعایہ' ۶/۳۵۱۔۳۵۲)

۵۳۷۔ علاؤ الدین' الدر المختار ص ۲۱۶۔

۵۳۸۔ فتاوی ہندیہ' ۱/۲۵۸۔

۵۴۰۔ ایضاً'' ۵۹۴۔

۵۴۱۔ ابن عابدین' ردالمختار' ۲/ ۲۶۰۔

۵۴۲۔ عزیز الرحمٰن عثمانی' فتاوی دارالعلوم دیوبند' مکتبہ امدادیہ' ملتان' (ت۔ن)' ۶/ ۵۶۴۔

۵۴۳۔ ایضاً'' ۵۷۵۔

۵۴۴۔ ایضاً''۔

۵۴۵۔ ابن قدامہ' المغنی' ۵/ ۹۲۔

۵۴۶۔ غلام احمد پرویز' لغات القرآن' ادارہ طلوع اسلام' لاہور' ۱۹۸۴' ۳/ ۱۰۱۳۔

۵۴۷۔ القاموس المحیط ''بذیل مادہ صدق'' ۳/ ۲۵۳۔

۵۴۸۔ المفردات' ص ۲۷۸۔

۵۴۹۔ ایضاً''۔

۵۵۰۔ سورۃ التوبتہ' ۹/ ۶۰۔

۵۵۱۔ البخاری' (کتاب الزکاۃ' باب وجوب الزکاۃ)' ۱/ ۱۸۷۔

۵۵۲۔ المرادوی' الانصاف' ۵/ ۳۶۰۔

۵۵۳۔ الشربینی' مغنی المحتاج' ۲/ ۲۱۹۔۲۲۰۔

۵۵۴۔ فتاوی ہندیہ' ۳/ ۵۶۴۔

۵۵۵۔ علاوالدین' الدرالمختار ص ۲۱۵۔

۵۵۶۔ عبدالواحد' شرعی قانون عقد وکالت' ص ۱۵۳۔

۵۵۷۔ زیلعی' تبیین الحقائق' ۱/ ۲۵۲۔

۵۵۸۔ فتاوی ہندیہ' ۲/ ۳۳۶۔

۵۵۹۔ ایضاً''۔

۵۶۰۔ سرخسی' المبسوط' ۳/ ۴۰۔

۵۶۱۔ ابن قدامہ' المغنی' ۵/ ۹۱۔

۵۶۲۔ ایضاً'' ص ۱۲۱۔ مرادوی' الانصاف' ۵/ ۳۵۷۔

۵۶۳۔ جزیری' کتاب الفقہ' ۳/ ۱۷۳۔

۵۶۴۔ برہان الدین محمود' المحیط البرھانی' ۶/۲۱۲۶۔

۵۶۵۔ ایضاً"۔

۵۶۶۔ برہان الدین محمود' المحیط البرہانی' ۶/۲۱۲۶۔

۵۶۷۔ سمرقندی' فتاوی النوازل' ص ۳۲۴۔

۵۶۸۔ کاسانی' بدائع الصنائع' ۶/۳۴۔

۵۶۹۔ حنیف گنگوہی' معدن الحقائق' ۴/۳۲۵۔

۵۷۰۔ رواس قلعہ جی' معجم لغۃ الفقہاء' ص ۷۲۔

۵۷۱۔ شوکانی' نیل الاوطار' (کتاب المناسک' **باب السن الذی یجزی فی الاضحیة**)' ۶/ ۳۳۵۔

۵۷۲۔ ایضاً"' ۷/۱۹۔
عثمانی' اعلاء السنن' ۱۵/۳۳۳۔

۵۷۳۔ الشربینی' مغنی المحتاج' ۲/۲۱۹۔۲۲۰۔

۵۷۴۔ مثنیہ بھیڑ بکریوں میں ایک برس کی عمر کے جانور کو گائے اور بیلوں میں دو برس کی عمر کے اور اونٹوں میں پانچ برس کی عمر کے جانوروں کو کہتے ہیں' (محمد ذکی' اشراق نوری' ترجمہ المختصر قدوری' سعید کمپنی' کراچی' ۱۴۱۲ھ' ص ۳۳۱۔)

۵۷۵۔ مسنہ گائے کے اس بچے کو کہتے ہیں جس کی عمر تیسرے سال میں داخل ہو جائے یا تین سال کا ہو جائے۔ اس کو مسنہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس عمر میں اس کے دانت ظاہر ہو جاتے ہیں (یوسف قرضاوی' فقہ الزکاۃ' موستہ الرسالتہ' بیروت' ۱۹۸۱ء' ۱/۱۹۴۔

۵۷۶۔ فتاوی ہندیہ' ۵/۳۰۶۔

۵۷۷۔ ایضاً"' ۲/۳۳۶۔

۵۷۸۔ المفردات' ص ۴۸۷۔

۵۷۹۔ رواس قلعہ جی' معجم **لغة الفقهاء**' ص ۴۷۷۔

۵۸۰۔ المفردات' ص ۴۸۷۔

۵۸۱۔ سورۃ مریم' ۱۹/۲۶۔

۵۸۲۔ سورۃ البقرہ' ۲/۲۷۰۔

۵۸۴۔ ایضاً۔

۵۸۵۔ سورۃ الحج، ۲۲/۲۹۔

۵۸۶۔ سورۃ الدھر، ۷۶/۷۔

۵۸۷۔ امام احمد، ۶/۶۹۔

۵۸۸۔ ابوداود، (کتاب الایمان والنذور، باب من رای علیہ کفارۃ)، ۲/۴۶۷۔

۵۸۹۔ ایضاً، ۴۶۸۔

۵۹۰۔ ایضاً، (باب من نذر نذر لا یطیقہ) ۲/۴۷۲۔

۵۹۱۔ لسان العرب، "بذیل مادہ کفر" ۵/۱۴۸۔

۵۹۲۔ سعدی ابوجیب، القاموس الفقہیہ، ص ۳۲۱۔

۵۹۳۔ تاج العروس، ۳/۵۲۷۔

۵۹۴۔ سورۃ المائدہ، ۵/۸۹۔

۵۹۵۔ ابوداؤد، ۲/۴۷۲۔

۵۹۶۔ سورۃ النساء، ۴/۹۳۔

۵۹۷۔ قتل عمد پر احناف کے نزدیک کفارہ نہیں جب کہ شوافع اور ایک روایت کے مطابق حنابلہ کے ہاں قتل عمد میں بھی کفارہ واجب ہے کیونکہ قصداً ارتکاب کرنے والے کا جرم قتل خطا اور قتل غیر عمد سے بہت زیادہ ہے۔ اگر قتل خطا میں کفارہ ہے تو قتل عمد میں بھی اس کا کفارہ زیادہ مناسب ہے (جزیری، کتاب الفقہ، مترجم، ۵/۴۷۵)
قتل کی یہ اقسام ہیں۔ (۱) قتل عمد۔ جب کوئی شخص کسی کو تیز ادھار آلے سے ارادۃً قتل کرنا۔ (۲) شبہ قتل عمد۔ تیز دھار آلے کے علاوہ کسی چیز جیسے پتھر یا لاٹھی سے قصداً کسی کو قتل کرے۔ (۳) قتل خطا کسی انسان کو دور سے شکار کا جانور سمجھ کر قتل کرنا۔ (۴) قتل شبہ خطا۔ کسی نشانہ کو مارنا لیکن وہ تیر یا گولی کسی انسان کو لگ جانا۔ (۵) قتل سبب۔ کسی کی ملکیت زمین میں کوئی کنواں کھودنا یا بڑا پتھر رکھنا جس سے ٹھوکر لگنے سے کوئی آدمی مرجائے (قدوری، المختصر، ص ۲۰۳)

۵۹۸۔ سورۃ المجادلہ، ۵۸/۲-۴۔

۵۹۹۔ قدوری' المختصر' ص ۶۴۔۶۵۔

۶۰۰۔ سرخسی' المبسوط' ۸/۱۴۹۔

۶۰۱۔ ایک صاع ہمارے تقریباً" ساڑھے چار سیر یا سوا چار کلوگرام کے برابر ہوتا ہے۔

۶۰۲۔ قاضی خاں' ۲/۲۹۲۔

۶۰۳۔ ایضاً"' ۲۹۳۔

۶۰۴۔ فتاوی ہندیہ' ۱/۵۱۳۔

۶۰۵۔ قاضی خان' ۲/۲۹۳۔

۶۰۶۔ قاضی خاں' ۲/۲۹۳۔

۶۰۷۔ فتاوی ہندیہ' ۲/۶۴۔

۶۰۸۔ ایضاً"' ۲/۶۲۔

۶۰۹۔ ایضاً"۔

۶۱۰۔ قاضی خاں' ۲/۲۹۲۔

۶۱۱۔ کاسانی' بدائع الصنائع' (اردو)' ۳/۱۱۷۔ فتاوی ہندیہ' ۲/۶۶۔

۶۱۲۔ لسان العرب' "بذیل مادہ خصم" ۱۲/۱۸۰۔

۶۱۳۔ سورۃ البقرہ' ۲/۲۰۴۔

۶۱۴۔ لسان العرب' ۱۲/۱۸۲۔

۶۱۵۔ امام احمد' ۶/۳۱۴۔

۶۱۶۔ یہ حدیث ام المومنین حضرت ام سلمہؓ مروی ہے آپ فرماتی ہیں کہ ایک روز صبح کی نماز کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے حجرہ میں تشریف لائے تو آپ کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے میں نے عرض کی یا رسول اللہ کیا آپ کی طبیعت ناساز ہے فرمایا نہیں۔ میرے پاس کل سات دینار آئے تھے رات گذر گئی لیکن میں نے انہیں خرچ نہیں کیا تو اب میں انہیں بستر کے کونے میں بھول آیا ہوں۔ (امام احمد' ۶/۳۱۴)

۶۱۷۔ المفردات' ص ۱۴۹۔

۶۱۸۔ الجزیری' کتاب الفقہ' ۳/۲۰۰۔

۶۱۹۔ ابن ماجہ' (ابواب الحکام' باب قضیۃ الحاکم لا تحل)' ص ۱۶۷۔

۶۲۰۔ البخاری' (کتاب المغازی' باب وفد بنی حنیفة وحدیث ثمامة بن اثال)' ۲/ ۶۲۸۔

۶۲۱۔ اس حدیث کا پس منظر و دیگر تفصیل باب دوم' فصل سوم کی حدیث نمبر ۱۶ کے تحت بیان کر دیا گیا ہے۔

۶۲۲۔ حضرت ثابت بن قیسؓ بہت بڑے خطیب تھے آپ کی اس قابلیت کے باعث حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اپنا وکیل خصومت مقرر کیا۔ ان کی کنیت ابو محمد تھی۔ بعض لوگ آپ کو ابو عبد الرحمٰن بھی کہتے۔ (ابن اثیر' اسد الغابہ' مترجم' ۲/ ۴۰۔)

۶۲۳۔ بیہقی' (کتاب الوکالۃ)' ۶/ ۸۱۔
ظفر احمد' اعلاء السنن' ۱۵/ ۳۱۲۔

۶۲۴۔ ان شرائط کا تفصیلی ذکر باب چہارم کی فصل سوم میں موجود ہے۔

۶۲۵۔ ابن ہمام' فتح القدیر' ۶/ ۵۵۹۔

۶۲۶۔ ظفر احمد' اعلاء السنن' ۱۵/ ۳۱۳۔

۶۲۷۔ مرغینانی' ہدایہ' ۳/ ۱۷۷۔
حنیف گنگوہی' طلوع النیرین' ۲/ ۳۴۷۔

۶۲۸۔ مسند احمد کی روایت میں تحتکمون کے الفاظ ہیں۔ (۶/ ۳۰۷)

۶۲۹۔ البخاری' (کتاب الحیل)' ۲/ ۱۰۳۰۔
ابوداوٗد' (کتاب الاقضیہ' باب فی قضاء القاضی اذا اخطا)' ۲/ ۵۰۴۔

۶۳۰۔ علامہ سبکی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اس خدشہ کا اظہار فرمایا ہے کہ ایک فریق کی فصیح البیانی جج کو خلاف حقیقت فیصلہ کرنے میں معاون ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ ثابت ہرگز نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایسا فیصلہ صادر فرمایا ہو جس کا بعد میں خلاف واقع ہونا ظاہر ہوا ہو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے فیصلے کرنے سے محفوظ فرمایا اور آپ نے خود بھی یہ فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس منہ سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا (ابوداوٗد' کتاب العلم باب **کتابة العلم**' ۲/ ۵۱۴) علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ظاہر حال پر فیصلہ کرنے میں اس امت کی شرافت ہے۔ کیونکہ علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "**انما احکم بما اسمع**" میں وہی فیصلہ کروں گا جو میں سنوں گا۔

(علامہ غلام رسول رضوی' تفہیم بخاری' (حدیث نمبر ۲۲۹۵)' جامعہ رضویہ' فیصل آباد'
(ت۔ن)' ۶۸۲/۳)

علامہ وحید الزماں فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ان حالات میں قاضی کا فیصلہ کرنا درست ہے البتہ فریقین کو جاننا چاہیے کہ جو خوش تقریری سے ایسا فیصلہ کرائے گا وہ اس کے لیے حرام ہوگا اور اس کا انجام و وزخ ہوگا۔ (وحید الزمان' شرح ابی داود' نعمانی کتب خانہ' لاہور' ۱۹۸۷ء' ۸۹/۳)

۶۳۱۔ امام محمد' کتاب الاصل' (المبسوط)' ۵۴۱/۴۔

۶۳۲۔ ابن نجیم' البحر الرائق' ۱۴۳/۷۔

۶۳۳۔ جزیری' کتاب الفقہ' ۲۰۲/۳۔

۶۳۴۔ ابن نجیم' البحر الرائق' ۱۴۳/۷۔

۶۳۵۔ الجزیری' کتاب الفقہ' ۲۰۰/۳۔

۶۳۶۔ پاکستان کے مروجہ نظام وکالت میں ایسی کوئی پابندی نہیں۔ پاکستانی عدالتوں میں ایک فریق اپنے مقدمہ کو خود بھی پیش کر سکتا ہے یعنی اصالتاً" بھی اور وکالتاً" بھی۔ وکالت کی صورت میں فریق ثانی کی رضامندی کے بغیر بھی وکیل خصومت مقرر کر سکتا ہے۔

۶۳۷۔ ابن نجیم' البحر الرائق' ۱۸۲/۷۔ احسن نانوتوی' **غایۃ الاوطار**' ۳۸۵/۳۔
حنیف گنگوہی' طلوع النیرین' ۴۱۵/۲۔۴۱۶۔

۶۳۸۔ نابلسی' معین الاحکام' ص ۶۳۔۶۴۔

۶۳۹۔ خالد الاتاسی' شرح المجلہ' ۵۱۴/۴۔

۶۴۰۔ نابلسی' معین الاحکام' ص ۶۳۔۶۴۔

۶۴۱۔ کاسانی' بدائع الصنائع' ۲۴/۶۔
مقدسی' الاقناع' ۲۴۴/۲۔

۶۴۲۔ سبکی' **تکملۃ المجموع**' ۱۱۴/۱۴۔
جزیری' کتاب الفقہ' ۲۰۳/۳۔

۶۴۳۔ کاسانی' بدائع الصنائع' ۲۴/۶۔

۶۴۴۔ ابو اسحاق ابراہیم' المہذب' ۳۵۱/۱۔

۶۴۵۔ مجلہ الاحکام العدلیہ' (نمبر۱۵۱۷) ص ۲۹۴۔

۶۴۶۔ مرغینانی' ہدایہ' ۳/ ۱۹۴' کاسانی' بدائع الصنائع' ۶/ ۲۴۔

۶۴۷۔ کاسانی' بدائع الصنائع' ۶/ ۲۴۔

۶۴۸۔ محمد عرفہ الدسوقی' حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر' ۳/ ۳۷۸۔

۶۴۹۔ ایضاً۔

۶۵۰۔ خالد الاتاسی' شرح المجلہ' ۴/ ۵۱۵۔

۶۵۱۔ کاسانی' بدائع الصنائع' ۶/ ۲۵۔ مرغینانی' ہدایہ' ۳/ ۱۹۳۔
حنیف گنگوہی' طلوع النیرین' ۲/ ۴۰۹۔

۶۵۲۔ مرغینانی' ہدایہ' ۳/ ۱۹۴۔

۶۵۳۔ مجلہ الاحکام العدلیہ' (نمبر۱۵۱۹) ص ۲۹۵۔
نانوتوی' غایۃ الاوطار' ۳/ ۳۸۳۔

۶۵۴۔ حنیف گنگوہی' طلوع النیرین' ۳/ ۴۰۳۔

۶۵۵۔ مجلہ الاحکام العدلیہ' (۱۵۱۹) ص ۲۹۵۔

۶۵۶۔ خالد الاتاسی' شرح المجلہ' ۴/ ۵۱۷۔

۶۵۷۔ خالد الاتاسی' شرح المجلہ' ۴/ ۵۱۷۔

۶۵۸۔ ابن شحنہ' لسان الحکام' ص ۲۵۳۔

۶۵۹۔ فتاویٰ ہندیہ' ۳/ ۶۲۰۔

۶۶۰۔ جزیری' کتاب الفقہ' ۳/ ۲۰۰۔

۶۶۱۔ المفردات' ص ۱۰۱۔

۶۶۲۔ القاموس المحیط "بذیل مادہ جنی" ۴/ ۳۱۳۔

۶۶۳۔ ابن ماجہ' (ابواب المناسک' باب الخطبہ یوم النحر) ص ۲۱۹۔

۶۶۴۔ عمیم الاحسان' قواعد الفقہ' ص ۲۵۲۔

۶۶۵۔ تاج العروس "بذیل مادہ قصص" ۴/ ۴۲۱۔

۶۶۶۔ سورۃ یوسف' ۱۲/ ۳۔

۶۶۸۔ المفردات' ص ۴۰۴۔

۶۶۹۔ سورۃ البقرۃ' ۱۷۸/۲۔

۶۷۰۔ ایضاً'' ۱۷۹۔

۶۷۱۔ سعدی ابوجیب' القاموس الفقہیہ' ص ۳۰۴۔

۶۷۲۔ رواس قلعہ جی' معجم لغۃ الفقہاء' ص ۳۶۴۔

۶۷۳۔ کاسانی' بدائع الصنائع' ۲۱/۶۔

۶۷۴۔ سبکی' تکملۃ المجموع' ۹۸/۱۴۔

۶۷۵۔ سرخسی' المبسوط' ۱۰۶/۱۹۔

۶۷۶۔ مرغینانی' ہدایہ' ۱۷۶/۳' حنیف گنگوہی' طلوع النیرین' ۳۴۵/۲۔

۶۷۷۔ شہادت بر شہادت سے مراد یہ ہے کہ اصل گواہ اپنا نائب یا فرع گواہ عدالت میں پیش کرے اور وہ گواہی کے وقت یہ کہے کہ فلاں شخص نے مجھے اپنی گواہی پر گواہ بنایا ہے (حنیف گنگوہی' طلوع النیرین' ۳۰۴/۲)

۶۷۸۔ کاسانی' بدائع الصنائع' ۲۱/۶۔

۶۷۹۔ مرغینانی' ہدایہ' ۱۷۷/۳۔

۶۸۰۔ دفع اور رفع دو فقہی اصطلاحات ہیں۔ دفع سے مراد کسی امر یا بات کو ابتداء ہی سے نہ ہونے دینا ہے جب کہ رفع سے مراد کسی امر یا فعل کو ہو جانے کے بعد اس کا انکار یا خاتمہ کرنا ہے۔ (شاہ عبدالعزیز' فتاوی عزیزیہ' سعید کمپنی' کراچی' ۱۹۶۹ء' ص ۲۲۷)۔

۶۸۱۔ مقدسی' الاقناع' ۲۳۴/۲۔

۶۸۲۔ زیلعی' تبیین الحقائق' ۲۵۵/۴۔

۶۸۳۔ حنیف گنگوہی' طلوع النیرین' ۳۴۴/۲۔

۶۸۴۔ امام محمد بن حسن شیبانی' الجامع الصغیر' ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ' کراچی' (ت۔ن)' ۳۳۳۔

المرداوی' الانصاف' ۳۶۱/۵۔

۶۸۵۔ سبکی' تکملتہ المجموع' ۹۸/۱۴۔

۶۸۷۔ مقدسی، الاقناع، ۲/۲۳۴۔

۶۸۸۔ مرغینانی، ہدایہ، ۳/۱۷۷۔

۶۸۹۔ سرخسی، المبسوط، ۱۹/۱۰۶۔

۶۹۰۔ المنجد، بذیل مادہ حد، ص ۱۲۰۔

۶۹۱۔ سرخسی، المبسوط، ۹/۳۶۔ علاؤ الدین حنفی، الدر المختار، ص ۳۹۰۔
رواس قلعہ جی، معجم لغۃ الفقہاء، ص ۶۹۱۔

۶۹۲۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۶/۲۱۔

۶۹۳۔ ابن قدامہ، المغنی، ۵/۹۱۔

۶۹۴۔ سبکی، تکملتہ المجموع، ۴/۹۸۔

۶۹۵۔ مرادوی، الانصاف، ۵/۳۶۰۔
السید البکری، اعانتہ الطالبین، ۳/۸۶۔

۶۹۶۔ مقدسی، الاقناع، ۲/۲۳۴۔

۶۹۷۔ ابن ہمام، فتح القدیر، ۶/۵۵۷۔ حنیف گنگوہی، طلوع النیرین، ۳/۳۴۵۔

۶۹۸۔ مسلم، (کتاب الحدود، باب حد الزنا)، ۲/۶۹۔

۶۹۹۔ مسلم، (کتاب الحدود، باب حد الزنا) ۲/۶۹۔

۷۰۰۔ ابن قدامہ، المغنی، ۵/۹۱۔

۷۰۱۔ مسلم، ۲/۶۹۔

۷۰۲۔ مسلم، (کتاب الحدود، باب حد الخمر)، ۲/۷۲۔

۷۰۳۔ زیلعی، تبیین الحقائق، ۴/۲۵۵۔

۷۰۴۔ فقہی اصطلاح میں شبہ کی تعریف یہ ہے۔ "انہا مایشبہہ الثابت و لیس بثابت اوھی وجود صورۃ الثابت" شبہ وہ ہے جو ثابت شدہ چیز کے مشابہہ ہو اور خود ثابت نہ ہو۔ دوسری تعریف یہ کی گئی ہے کہ شبہ ثابت شدہ چیز کی صورت کا وجود ہے یعنی ظاہری طور پر ثابت ہو اور حقیقت میں ثابت وجود نہ ہو۔ (ڈاکٹر احمد حسن و دیگر، حدود و تعزیرات، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۸۲ء، ص ۳۱۶۔

۷۰۶۔ حنیف گنگوہی، طلوع النیرین، ۳/۳۴۵۔

۷۰۷۔ امام سبکی، تکملۃ المجموع، ۱۴/۹۸۔

۷۰۸۔ مقدسی، الاقناع، ۲/۲۳۴۔

۷۰۹۔ الشربینی، مغنی المحتاج، ۲/۲۲۱، کاسانی، بدائع الصنائع، ۶/۲۱۔
ابو اسحاق شیرازی، المہذب، ۱/۳۴۹۔

۷۱۰۔ مرادوی، الانصاف، ۵/۳۶۱۔

۷۱۱۔ البہوتی، کشاف القناع، ۳/۴۶۵۔

۷۱۲۔ مرغینانی، ہدایہ، ۳/۱۷۷۔

۷۱۳۔ لسان العرب، "بذیل مادہ عذر" ۴/۵۶۱۔۵۶۲۔ القاموس المحیط، ۲/۸۸۔

۷۱۴۔ سعدی ابوجیب، القاموس الفقیہ، ص ۲۵۰۔

۷۱۵۔ ایضاً، ص ۲۵۰۔

۷۱۶۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۶/۲۱۔

باب پنجم

مستثنیات وکالت

۳۴۸-۳۱۳

باب پنجم

مستثنیات وکالت

دین اسلام میں ایک مسلمان کو جن امور کا مکلف بنایا گیا ہے وہ تین طرح کے ہیں۔

اول

وہ امور جن کا تعلق خصوصیت کے ساتھ عمل کرنے والے کی بہبود سے ہے۔ اگر اس کام کو اس کے سوا کوئی اور دوسرا انجام دے تو وہ شرعی مصلحت جس کے پیش نظر وہ حکم دیا گیا تھا جاتی رہے گی۔ ان امور میں کسی کو وکیل بنانا جائز نہیں' جیسے ایمانیات' عبادات بدنیہ' جنایات اور عقوبات وغیرہ۔

ایمانیات کی غرض یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کا اعتراف' اس کی برتری' قدرت کاملہ اور عظمت کا اقرار کرے۔ عبادات بھی بندے کے لیے مخصوص ہیں اس لیے کہ اس کا فائدہ اس کے کرنے والے ہی کو پہنچتا ہے لہٰذا وہ اس کے لیے کسی دوسرے کو وکیل نہیں بنا سکتا۔

عقوبات سے مقصود یہ ہے کہ جو شخص کسی امر ممنوع کا ارتکاب کرے اسے اس کی سزا ملے لہٰذا اگر کسی اور کو سزا دی جائے تو خلاف انصاف ہو گا' لہٰذا عقوبات میں توکیل جائز نہیں۔

دوم

دوم وہ امور ہیں جن کی مصلحت کا تعلق صرف کام کے انجام دینے سے ہے خواہ اسے کوئی دوسرا ہی کیوں نہ انجام دے جیسے ادائیگی زکوۃ' اموال مغصوبہ یا اموال عاریت کی واپسی اور قرض کی ادائیگی وغیرہ۔ ان امور کو بجالانے کا مطالبہ صاحب شریعت نے ہر مکلف انسان سے کیا ہے کیونکہ ان کی انجام دہی میں ہی بہتری ہوتی ہے۔ خواہ انہیں کوئی بھی انجام دے اس سے شریعت کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ان امور میں بلاعذر توکیل جائز ہے جیسے مبایعات و وصولی قرض اور مناکحات وغیرہ۔

سوم

وہ امور جن کی مصلحت ایک طرف محض عمل سے اور دوسری طرف عمل کرنے والے کی ذات سے متعلق ہے جیسے حج کی ادائیگی اور تقسیم صدقات زکوۃ وغیرہ ان امور کی مشروعیت کے دو اسباب ہیں۔

ایک تو اللہ تعالیٰ کی عظمت' اس کی برتری اور اس کے آگے سراطاعت خم کرنے کا اظہار ہے۔ اس مصلحت کا تعلق اس عمل کے کرنے والے کی ذات سے ہے۔ یہ مقصد تب حاصل ہوتا ہے جب عمل کرنے والا اسے خود انجام دے' کسی اور کے انجام دینے سے یہ مقصد پورا نہیں ہوتا۔

دوسرا سبب اس میں مال خرچ کرنا ہے جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچے' یہ مقصد خواہ کوئی بھی شخص اسے انجام دے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

وہ لوگ جنھوں نے حج وغیرہ کو پہلی حالت میں رکھا ان کے نزدیک ان امور میں توکیل جائز نہیں جیسے امام مالکؒ کے نزدیک اگر کوئی شخص کسی دوسرے کی طرف سے حج ادا کرے تو موکل کی طرف سے حج کی فرضیت ساقط نہیں ہوگی البتہ انفاق اور دیگر امور کا ثواب موکل اور وکیل دونوں کو مل جائے گا۔(۱)

جن اصحاب نے دوسری بات کو پیش نظر رکھا ان کے نزدیک معقول عذر کے ساتھ توکیل جائز ہے ورنہ نہیں۔ کیونکہ حج اکثر صورتوں میں مالی عبادت سے جدا نہیں۔ ان اصحاب میں امام مالکؒ کے علاوہ باقی تمام ائمہؒ شامل ہیں۔ ان کے نزدیک حج وکالتاً (حج بدل کی صورت میں) بالعذر جائز ہے ورنہ نہیں۔

امور شرعیہ کی ایک اور تقسیم علامہ سبکی نے اس طرح بیان کی ہے۔

۱۔ وہ امور ان اعمال سے ہوں جو ہمارے لیے مشروع ہیں ان میں وکالت جائز نہیں جیسے اعمال دینیہ' نماز اور روزہ وغیرہ۔

۲۔ وہ امور جن کو کرنے سے عام مسلمان عاجز ہوں۔ ان میں توکیل جائز ہے۔ امام احمد کے نزدیک ان تمام امور میں غیر مشروط پر توکیل جائز ہے۔ جب کہ احناف کے ہاں ان امور میں عجز کی بنا پر توکیل جائز ہے۔ اور شوافع کے ہاں بغیر عذر کے توکیل جائز نہیں۔

۳۔ وہ امور جنہیں خود انجام دینا ممکن نہ ہو اور وہ اعمال مرفوع بھی نہ ہوں۔ ان میں شوافع اور

احناف کے ہاں توکیل جائز نہیں اور حنابلہ کے ہاں توکیل جائز ہے۔(۲)

بہرحال مستثنیات سے مراد وہ امور و معاملات ہیں جن میں شرعاً انعقاد وکالت جائز نہیں۔ کیونکہ جس طرح کلیتاً وکالت جائز نہ ہونے سے مسلمان بہت سی مشکلات کا شکار ہو جاتے اسی طرح اگر تمام امور میں وکالت جائز ہوتی تو تخلیق انسان، فرضیت عبادات اور سزاؤں کے نفاذ کا مقصد فوت ہو جاتا۔ لہٰذا اسلام نے جہاں بعض امور کی انجام دہی میں توکیل کی اجازت دی اس طرح چند امور کو وکالت سے مستثنیٰ بھی قرار دے دیا۔

ان مستثنیات کا ذکر اگرچہ اکثر کتب فقہ میں اجمالاً موجود ہے لیکن ابن قدامہ نے بڑی تفصیل کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

لایصح التوکیل فی الشھادۃ لانھا تتعلق بعین الشھادۃ لکونھا خبراً عما راہ او سمعہ۔ ولا یتحقق ھذا المعنی فی نائبہ۔ فان استناب فیھا کان الغائب شاھداً علی شھادتہ، لکونہ یودی ماسمعہ من شاھد الاصل ولیس وکیلاً ولایصح فی الایمان والنذور۔ لانھا تتعلق بعین الحالف والناذر۔ فاشبھت العبادات البدینۃ والحدود۔ ولایصح فی الایلاء والقسامۃ واللعان لانھا ایمان، ولا فی القسم بین الزوجات۔ لانھا یتعلق ببدن الزوج لامر لایوجد من غیرہ، ولا فی الرضاع لانہ یختص بالمرضعۃ والمرتضع لامر۔ یختص باثبات لحم المرتضع وانشاذ عظمہ بلبن المرضعۃ ولا فی الظھار لانہ قول منکر وزور فلا یجوز فعلہ ولا الاستنابۃ فیہ ولا یصح فی الغصب لانہ محرم ولا فی الجنایات لذلک ولا فی کل محرم۔ لانہ لایجوز لہ فعلہ فلم یجز لنائبہ (۳)

شہادت (گواہی) میں توکیل درست نہیں کیونکہ شہادت عینی طور پر ثابت ہوتی ہے اگرچہ اس نے اس فعل کو کرتا ہوا دیکھا ہو یا اس خبر کو سنا ہو لہٰذا یہ شہادت توکیل سے ثابت نہیں ہوتی اگر اس میں توکیل کر دی جائے تو غائب شخص شہادت میں عینی شاہد ہو جائے گا۔ اس طرح کہ اس نے شہادت میں وہ کچھ کہا جو اس نے اصل گواہ سے سنا لیکن یہ وکالتاً نہیں ہو گا۔ ایسے ہی قسم اور نذر میں بھی توکیل درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ نذر ماننے والے اور قسم اٹھانے والے سے متعلق ہوتی ہے نیز یہ دونوں حدود اور عبادات بدنیہ کے مشابہہ ہیں۔ اسی طرح ایلاء قسامت اور لعان میں وکالت درست نہیں کیونکہ ان کا تعلق بھی قسم کے ساتھ ہے۔ وکالت ازواج کی تقسیم میں بھی درست نہیں

نہیں ہو سکتی۔ وکالت رضاعت میں بھی درست نہیں اس لیے کہ رضاعت موکلہ یعنی دودھ پلانے والی عورت سے حاصل ہوتی ہے اور دودھ پلانا اس سے خاص ہوتا ہے کہ دودھ پینے والے کا گوشت اور ہڈیاں دودھ پلانے والی کے دودھ سے بڑھیں۔

اس طرح ظہار میں بھی توکیل درست نہیں کیونکہ ظہار ایک جھوٹ اور بری بات ہے جس کا کرنا شرعاً" جائز نہیں' نہ ہی غصب میں وکالت جائز ہے' کیونکہ غصب کرنا حرام ہے۔ نہ ہی جنایات و عقوبات میں وکالت درست ہے اور نہ ہی تمام قسم کے امور محرمہ میں وکالت جائز ہے کیونکہ جب ان کا ارتکاب جائز نہیں تو ان کی ادائیگی کے لیے وکالت بھی جائز نہیں ہوگی۔ امام نووی فرماتے ہیں۔

"فلا یصح فی عبادۃ الاالحج و تفرقۃ زکاۃ وذبح اضحیۃ ولافی شھادۃ وایلاء ولعان وسائر الایمان ولافی الظھار"(۴)

حج' تقسیم زکوۃ اور ذبح قربانی کے علاوہ عبادات میں توکیل درست نہیں۔ اس طرح شہادت' ایلاء' لعان' ظہار اور ہر قسم کی قسموں میں بھی توکیل جائز نہیں۔ الانصاف للمرادوی میں ہے۔

"یجوز التوکیل فی حق کل آدمی من العقود والفسوخ--- الاالظھار اللعان والایمان وکذا الایلاء والقسامۃ والشھادۃ والمعصیۃ" (۵)

توکیل انسانوں کے تمام معاملات و معاہدوں میں جائز ہے ماسواء ظہار' لعان' ایلاء' قسامت' گواہی' قسموں اور گناہ کے امور میں۔ علامہ ابن حزم فرماتے ہیں۔

"لاتجوز الوکالۃ علی الاسلام ولاعلیٰ توبۃ"(٦)

وکالت قبولیت اسلام اور توبہ میں جائز نہیں۔ السید البکری نے لکھا ہے۔

"لایصح التوکیل فی عبادۃ کصلاۃ وصوم واعتکاف"(۷)

عبادات جیسے نماز' روزہ اور اعتکاف میں وکالت جائز نہیں۔

صاحب ہدایہ نے وکالت کی مستثنیات کی متعلق لکھا ہے۔

"یجوز الوکالۃ بالخصومہ فی سائر الحقوق--- الافی الحدود والقصاص فان الوکالۃ لاتصح باستیفائھا۔(۸)

وکالت خصومت اور تمام حقوق میں جائز ہے سوائے حدود اور قصاص کے' ان حدود کے استیفاء میں وکالت جائز نہیں۔

خمر' ان کے اثبات میں وکالت جائز نہیں۔(۹)

صاحب المحیط البرھانی فرماتے ہیں۔

"لایجوز التوکیل باستیفاء القصاص وحد القذف"(۱۰)

حد قذف اور قصاص کے نفاذ میں توکیل درست نہیں۔

الاقناع میں علامہ مقدسی بیان کرتے ہیں۔

"یصح الوکالۃ--- سوی ایمان' نذور وقسامۃ و شھادۃ و التقاط واغتنام و جزیۃ و نحوہ ممالا تدخلہ النیابۃ"(۱۱)

قسم کھانے' نذروں کو پورا کرنے' قسامت' شہادت' لقطہ غنیمت اور جزیہ میں وکالت جائز نہیں۔

مھذب میں علامہ ابواسحاق شیرازی فرماتے ہیں۔

"لایجوز التوکیل فی الایلاء والظھار واللعان"(۱۲)

ایلاء' ظہار اور لعان میں توکیل جائز نہیں۔

ان تمام اقوال سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مندرجہ ذیل عنوانات میں توکیل جائز نہیں۔

۱۔ عقائد و ایمانیات: (بنیادی عقائد اور توبہ وغیرہ)

۲۔ عبادات: (طھارۃ' نماز' روزہ' زکاۃ' حج' اعتکاف اور قربانی)

۳۔ معاملات: (لقطہ' غنیمت' شہادت' قسامت' حلف اور نذر)

۴۔ مناکحات: (لعان' ایلاء' ظہار' رجعت' قسم ازواج اور رضاعت)

۵۔ جنایات و عقوبات: (قصاص' حدود' اور تعزیرات)

۶۔ محرمات: (تمام امور محرمہ)

اب ان مستثنیات کا قدرے تفصیل سے ذکر کیا جاتا ہے۔

فصل اول

عقائد و ایمانیات

عقیدہ کا لفظ عقد سے ہے جس کا لغوی معنی ہے گرہ لگانا' باندھنا' معاہدہ کرنا اور مقرر کرنا۔ عقیدہ کا معنی ہے۔ گرہ لگائی ہوئی یا بندھی ہوئی چیز۔ اس کی جمع عقائد آتی ہے۔(۱۳)

شرعی اصطلاح میں عقیدہ کہتے ہیں۔

"ماعقد علیه القلب یعنی اطمینان القلوب علی شئی مایجوز ان ینحل عنه قال السید العقائد مایقصد فیه نفس الاعتقاد دون العمل"(۱۴)

وہ نظریات جن پر دل مضبوط ہو یعنی ان کے واضح اور جائز ہونے پر دل مطمئن ہو۔ سید جرجانی کے نزدیک عقیدہ سے مراد صرف کسی چیز کو تسلیم کرلینا ہی ہوتا ہے۔ عمل مراد نہیں ہوتا۔

بہر حال عقیدہ سے مراد انسان کے وہ پختہ اٹل نظریات ہیں جو اس کے دل و دماغ پر غلبہ حاصل کر کے اس سے اعمال کراتے ہیں۔

ایمان کا لفظ امن سے ہے جو نفس کے مطمئن ہونے اور امانت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اصطلاح میں ایمان اس تصدیق کو کہتے ہیں جس سے قلب مطمئن ہو جائے اور ہر قسم کی غیر اطمینانی جاتی رہے۔ اس کا اظہار زبان کے اقرار و دل سے تصدیق اور اعضاء جسمانی کے اعمال سے ظاہر کی جائے(۱۵)

چونکہ عقائد و ایمانیات کا تعلق دل سے ہوتا ہے اور یہ اسی انسان سے متعلق ہوتا ہے لہٰذا اس میں توکیل نہیں ہوتی۔ اس بنا پر اسے وکالت سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ علامہ ابن حزم فرماتے ہیں۔

"لاتجوز الوکالة علی الاسلام ولاعلیٰ توبه"(۱۶)

قبولیت اسلام اور توبہ(۱۷) میں وکالت جائز نہیں۔

فصل دوم

عبادات میں مستثنیات

عبادات کا لفظ عبد سے مشتق ہے جس کا لغوی معنی ہے عاجزی اور کمزوری۔(۱۸) اصطلاح میں عبادت کہتے ہیں۔

"التصرفات المشروعة التی تجمع كمال المحبة والخوف والخضوع للّٰه تعالٰی"(۱۹)

وہ تمام جائز امور جو اللہ تعالیٰ سے کمال محبت' اس کے خوف اور عاجزی سے کیے جائیں۔

سعدی ابوجیب نے عبادت کا یہ معنی بیان کیا ہے۔

"الطاعة مع الخضوع والتزلل"(۲۰)

عاجزی اور کمزوری سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا عبادت ہے۔

اسلام میں عبادت کا مفہوم بہت وسیع ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر وہ کام جو اطاعت الٰہی اور سنت نبوی کے مطابق کیا جائے عبادت کہلاتا ہے۔(۲۱)

ابوجیب نے علامہ ابن رشد کے حوالے سے عبادت کی یہ دو قسمیں بیان کی ہیں۔

۱۔ عبادت معقولة المعنی: وہ عبادت جو فی نفسہ عبادت نہ ہوں لیکن عبادات کی ادائیگی کے لیے ان کا ہونا شرط ہو جیسے طہارت کبری' (غسل جنابت) اور طہارت صغری' (عام وضو) وغیرہ

۲۔ عبادت محضة: وہ افعال جو خالصتاً" عبادت ہوں ان کا مقصد صرف قرب الٰہی حاصل کرنا ہوتا ہے۔ جیسے نماز' روزہ اور زکاۃ وغیرہ۔

ایک اور لحاظ سے عبادت کی مندرجہ ذیل تین اقسام ہیں۔

۱۔ بدنی عبادات: وہ عبادات جن کی ادائیگی صرف جسمانی حرکات و افعال سے کی جاتی ہے جیسے طہارت بدنیہ' نماز' روزہ اور تلاوت قرآن حکیم وغیرہ۔

۲۔ مالی عبادات: وہ عبادات جن میں ایک مسلمان اپنے مال کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق خرچ کرتا ہے۔ جیسے زکوۃ' صدقات واجبہ و نافلہ وغیرہ۔

۳۔ مرکب یا مشترکہ عبادات: ان سے مراد وہ عبادات ہیں جو ایک لحاظ سے مالی ہیں اور دوسرے لحاظ سے بدنی جیسے حج اور عمرہ۔(۲۲)

عبادات محضہ یا بدنی عبادات میں وکالت جائز نہیں اس لیے کہ عبادات بدنیہ کی اصل غرض یہ ہوتی ہے کہ افعال مخصوصہ سے روح اور بدن پر محنت اور مشقت پڑے تاکہ نفس امارہ کی سرکوبی ہو اور روح کی صفائی اور قرب الٰہی حاصل ہو اور یہ چیز وکالت سے حاصل نہیں ہو سکتی اسی لیے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔

"لا یصلی احد عن احد ولا یصوم احد عن احد"(۲۳)

کوئی شخص کسی دوسرے کی طرف سے نہ نماز ادا کرے اور نہ روزہ رکھے۔

اس حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نماز اور روزہ کا فرض وکالت سے ادا نہیں ہوتا۔

حضرت شداد بن اوسؓ فرماتے ہیں۔

"لو رایتم رجلا یصلی لرجل او یصوم له او یتصدق له اترون انه قد اشرک"(۲۴)

اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ کسی دوسرے کی طرف سے نماز پڑھتا ہے یا روزہ رکھتا ہے یا زکاۃ ادا کرتا ہے تو اس نے شرک کیا۔

ان احادیث کی بنا پر تمام فقہاء نے خالص بدنی عبادات میں توکیل کو ممنوع قرار دیا ہے۔(۲۵)

ابن قدامہ فرماتے ہیں۔

"اما العبادات البدنیة المحضة کالصلوٰة والصیام والطهارة من الحدث فلا یجوز فیها لانها تتعلق ببدن من صلی علیه فلا یقوم غیره مقامه فیها"(۲۶)

عبادات بدنیہ محضہ جیسے نماز، روزہ، وضو میں وکالت صحیح نہیں اس لیے کہ ان کا تعلق اس شخص کے بدن سے ہوتا ہے جس نے نماز ادا کرنا ہوتی ہے اور وہ ان میں اپنا قائم مقام کسی کو نہیں بنا سکتا۔ بدنی عبادات کے علاوہ مالی عبادات کی ادائیگی میں بھی وکالت جائز نہیں جیسے اگر کوئی شخص کسی کی طرف سے زکوۃ ادا کرے تو اس کی ادائیگی نہ ہوگی۔ البتہ تقسیم زکاۃ اور وصولی زکاۃ میں توکیل درست ہے۔ اسی طرح کوئی شخص اپنے اخراجات پر کسی کی طرف سے حج ادا نہیں کر سکتا البتہ اگر موکل معذور ہو اور وہ وکیل کے تمام بنیادی اخراجات ادا کرے تو وکالت جائز ہوگی۔

عبادات میں توکیل اس لیے بھی جائز نہیں کہ اس دنیا میں مسلمان کے لیے یہی امتحان ہے کہ وہ کون سا عمل کرتا ہے۔ سورۃ ملک میں ارشاد ہوتا ہے۔

"خلق الموت والحیاة لیبلوکم ایکم احسن عملا"(۲۷)

زندگی اور موت کو اس لیے پیدا کیا گیا کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے۔

لہٰذا عبادات کی ادائیگی میں توکیل کسی صورت میں جائز نہیں۔ نہ ادائے فرض کے لحاظ سے اور نہ حصول ثواب کے لیے یعنی نہ اس لیے کہ کوئی کسی کی طرف سے اس غرض سے وکیل مقرر کرے کہ اس کی طرف سے نماز ادا کرے اور نہ ثواب کے لیے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ موکل خود گھر پر اکیلا نماز پڑھے اور جماعت کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے کسی اور کو اس غرض سے بھیجے کہ جو نماز اس نے باجماعت ادا کی ہے اس کا ثواب اس کے مؤکل کو مل جائے۔

یہ نہ ممکن ہے کہ طہارت کوئی اور کرے اور اس طہارت کو بنیاد بنا کر عبادت کوئی دوسرا شخص کرے۔ چونکہ رسول اکرم ﷺ نے اپنی حیاۃ طیبہ میں طہارت، نماز، روزہ اور اعتکاف کی ادائیگی میں کسی کو وکیل نہیں بنایا نہ ان میں توکیل کی اجازت فرمائی اور نہ ہی صحابہ کرام نے ایسا کیا لہٰذا عبادات میں توکیل کی کسی طرح اجازت نہیں۔

بعض احادیث میں میت کی طرف سے روزے رکھنے کا ذکر ہے جیسے سنن ابن ماجہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے کہا۔

"ان اختی ماتت و علیہا صیام شہرین متتابعین قال ارایت لوکان علی اختک دین اکنت تقضیہ قالت بلی قال فحق اللہ احق"(۲۸)

(ترجمہ) بے شک میری بہن فوت ہو گئی اور اس پر دو ماہ کے متواتر روزے واجب ہیں آپ نے فرمایا اگر تیری بہن پر کوئی قرض ہوتا تو تم ادا کرتی اس نے کہا ہاں یا رسول اللہ آپ نے فرمایا اللہ کا حق زیادہ حقدار ہے کہ اسے ادا کیا جائے۔ اسی طرح ایک اور روایت حضرت ابن بریدہؓ سے مروی ہے کہ ایک عورت حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگی۔

"ان امی ماتت و علیہا صوم افا صوم عنہا قال نعم"(۲۹)

بے شک میری ماں فوت ہو گئی اور اس کے ذمہ روزوں کی ادائیگی تھی کیا میں اس کی طرف سے روزے رکھوں آپ نے فرمایا ہاں۔

نذر کے ان روزوں کا رکھنا توکیل نہیں بلکہ ایصال ثواب کے پیش نظر ہو گا کیونکہ انعقاد وکالت کے لیے موکل و وکیل کے درمیان باقاعدہ معاہدہ ہوتا اور موکل کا زندہ ہونا بنیادی شرط ہے۔ چونکہ یہاں یہ دونوں شرائط مفقود ہیں لہٰذا ایسا کرنا "وکالتاً" نہیں ہو گا۔(۳۰)

فصل سوم

معاملات میں مستثنیات

معاملات میں مندرجہ ذیل عنوانات میں توکیل جائز نہیں۔

لقطہ

لقطہ کا لفظ لقط سے مشتق ہے جس کا لغوی معنی فیروز آبادی نے "**اخذ من الارض**"(۳۱) بیان کیا ہے یعنی زمین سے کسی چیز کو اٹھالینا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا:

"**لاتقتلوا یوسف والقوہ فی غیابۃ الجب یلتقطہ بعض السیارہ**"(۳۲)

یوسف کو قتل مت کرو اور اسے کسی اندھیرے کنویں میں ڈال دو تاکہ ان کو کوئی راہگزر نکال لے۔

علامہ علاؤالدین حنفی نے لقطہ کا اصطلاحی مفہوم یہ بیان کیا ہے۔

"**رفع الشئی ضایع للحفظ علی الغیر لا التملیک**"(۳۳)

وہ غیر محفوظ مال اٹھانا جس کا مالک معلوم نہ ہو لیکن یہ اٹھانا ملکیت کی بجائے حفاظت کے لیے ہو۔ لقطہ کو انگریزی میں Picked up goods to preserve for its owner کہتے ہیں۔

لقطہ اٹھانے والے کو ملتقط کہا جاتا ہے۔ ملتقط نے اگر کوئی چیز اپنی ملکیت کے لیے اٹھائی تو یہ حرام اور غصب ہوگا۔(۳۴)

اگر راستے میں پڑی ہوئی عام سی چیز ہو جیسے ایک کھجور یا ایک امرود وغیرہ تو اس کے اٹھانے میں کوئی حرج نہیں۔

لقطہ میں وکالت کی یہ صورت ہوگی کہ موکل وکیل کو حکم دے کہ فلاں مقام پر جاؤ اور راستے میں جو چیز بھی ملے وہ میرے لیے اٹھالو' اب اس شے کی دو صورتیں ہوگی۔ پہلی صورت یہ ہے کہ ملنے

والی وہ چیز مباح یا عام سی چیز ہو جیسے گھاس اور لکڑی وغیرہ۔ اس صورت میں وکالت اس لیے درست نہیں کہ موکل فیہ اگر اموال مباحہ سے ہو تو توکیل درست نہیں ہوتی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ وہ چیز قیمتی ہو۔ وکیل اگر اس قیمتی شے کو اٹھا کر موکل کو دے اور وہ اسے اپنے استعمال میں لائے۔ تو یہ غصب ہو گا اور مال غصب میں توکیل جائز نہیں۔ اگر موکل اس سے وہ چیز محض حفاظت کے لیے لیتا ہے تو یہ بے مقصد ہے۔ لہٰذا لقطہ میں توکیل جائز نہیں۔

غنیمت

غنیمت غنم سے ہے۔ لغت میں غنیمت اس مال کو کہتے ہیں جو بلاقیمت' بلا بدل اور بلا محنت حاصل کیا جائے(۳۵) انگریزی میں اسے Booty کہتے ہیں۔

اصطلاح فقہ میں غنیمت کہتے ہیں۔

"ما استولی علیہ من اموال الکفار المحاربین عنوۃ وقہراً حین القتال"(۳۶)

وہ مال جو لڑائی کے دوران کفار سے غلبہ اور قہر کی بنا پر حاصل ہو۔

مال غنیمت کے حقدار ہونے کی بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ آدمی جنگ میں شریک ہو یا حاکم وقت نے عدم شرکت جنگ کی بجائے کوئی اور ذمہ داری سونپی ہو۔(۳۷)

شرح وقایہ میں مال غنیمت کے حقدار ہونے کی یہ شرط بیان کی گئی ہے۔

"لا سوقی لم یقاتل ولا من مات ثمہ" (۳۸)

وہ شخص جو لشکر اسلام کے ساتھ بغرض تجارت نکلا ہو' اور شریک جنگ نہ ہوا ہو'۔ وہ شخص جو دارالحرب میں انتقال کر گیا ہو وہ مال غنیمت حاصل کرنے کا حق دار نہیں ہو گا۔ غنیمت کے حصول میں وکالت کی یہ صورت ہو گی۔

کہ موکل وکیل سے یہ کہے کہ میں تمہیں اس مقصد کے لیے وکیل بناتا ہوں کہ تم میری طرف سے کسی جنگ میں شریک ہو اور کامیابی کے بعد جو مال غنیمت ملے وہ میرا ہو گا۔

یہ توکیل درست نہیں کیونکہ موکل بذات خود جنگ میں شریک نہیں ہوا لہٰذا وہ غنیمت کا حقدار نہیں ہو گا اس لیے فقہاء نے حصول غنیمت کو وکالت سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ الاقناع میں ہے۔

"یصح الوکالۃ---- سوی التقاط واغتنام"(۳۹)

لقطہ اور غنیمت میں وکالت درست نہیں۔ علامہ سبکی فرماتے ہیں۔

"لا یصح التوکیل فی الاغتنام لانہ یستحق بالجہاد وقد تعین علیہ بالحضور فتعین لہ

ما استحق بہ"(۴۰)

غنیمت میں توکیل درست نہیں کیونکہ اس کا استحقاق جہاد میں شرکت سے ہوتا ہے یہ اسی کو ملے گی جو اس کا مستحق ہو۔

لہٰذا جب موکل عدم شرکت کی بنا پر غنیمت کا حقدار ہی نہیں تو اس میں وکالت کیسی۔

شہادت

شہادت کا لغوی معنی ہے۔

"خبر قاطع' شہادۃ ادی ماعندہ من الشہادۃ"(۴۱)

درست خبر اور گواہی دینے کو شہادۃ کہتے ہیں۔

فقہی اصطلاح میں شہادۃ سے مراد ہے۔

"اخبار صدق لاثبات حق"(۴۲)

عدالت میں گواہی کے لفظ کے ساتھ حق ثابت کرنے کے لیے سچی خبر دینے کو شہادت کہتے ہیں۔ شہادت کو انگریزی میں Evidence or witness کہتے ہیں۔ شہادت کے متعلق صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ گواہی دینے والے کے لیے ضروری ہے کہ گواہی دیتے وقت شہادت کا لفظ استعمال کرے کیونکہ لفظ شہادت میں زیادہ صداقت اور انضباط ہوتا ہے۔ لفظ شہادت قسمیہ الفاظ میں سے ہے۔ لہٰذا شہادت دیتے وقت جب "اشہد" یعنی میں گواہی کہا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ گواہی دینے والا اس لفظ سے خود کو جھوٹ سے باز رکھے گا۔(۴۳)

علامہ سید البکری شہادت میں توکیل کے متعلق فرماتے ہیں۔

"لاتصح الوکالۃ--- ولا فی الشہادۃ الحاقالہا بالعبادۃ" (۴۴)

شہادت میں وکالت درست نہیں کیونکہ اس کا تعلق عبادت سے ہے۔

ابن قدامہ توکیل شہادۃ کے عدم جواز کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔

"لایصح التوکیل فی الشہادۃ لانہا تتعلق بعین الشہادۃ لکونہا خبراً عما راٰہ او سمعہ ولا یتحقق ھذا المعنی فی نائبہ"(۴۵)

شہادۃ میں توکیل جائز نہیں اس لیے کہ شہادت عینی گواہی سے متعلق ہوتی ہے اس لحاظ سے کہ گواہی دینے والے نے کیا دیکھا یا اس نے کیا سنا اور یہ معنی وکالت یا نیابت میں ثابت نہیں ہو سکتا۔

علامہ مرغینانی بھی فرماتے ہیں۔

"لایجوز الوکالة باقامة الشھود"(۴۶)

شہادت قائم کرنے میں وکالت جائز نہیں ہے۔

بہر حال شہادت کا بنیادی مقصد مدعا کی سچائی کا اثبات کرنا ہے اگر اصل گواہ کے علاوہ کوئی اور قائم مقام ہونے کی صورت میں شہادت دے تو شہادت دینے کا مقصد حاصل نہ ہو گا۔ لہٰذا اگر کسی نے کسی کو شہادت دینے میں اپنا نائب مقرر کیا تو وہ شخص شہادت دینے میں نائب ہو گا کہ وہ اس شہادت کو اس طرح ادا کرے جیسے اس نے اصل شاہد سے سنا لیکن وہ وکیل نہیں ہو گا۔

اسی لیے علامہ ابو زکریا نووی نے منھاج الطالبین میں فرمایا ہے۔

"لایصح فی شھادة لانا احتطنا فیھا ولم یقم غیر لفظھا مقامھا فالحقت بالعبادة" (۴۷)

شہادت میں توکیل درست نہیں۔ کیونکہ اس میں احتیاط ہے' اس کا متبادل شہادت دینے میں کوئی لفظ نہیں اور اسے عبادت سے ملایا گیا ہے۔ لہٰذا جب نائب کا لفظ استعمال نہیں کیا جاتا تو پھر اس میں وکالت کیسی؟ البتہ فقہاء کے نزدیک شہادة علی الشہادة (۴۸) استحسانا جائز قرار دی گئی ہے۔

قسامت

قسامت کا لفظ قسم سے ہے جس کا معنی ہے قسم اٹھانا۔

لسان العرب میں ہے **"القسم الیمین"**(۴۹) اس کی جمع اقسام آتی ہے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"قالوا تقاسموا باللّٰہ لنبیتنه واھله"(۵۰)

ان لوگوں نے کہا کہ تم آپس میں اللہ تعالیٰ کی قسمیں اٹھاؤ اس پر کہ ہم رات کے وقت صالح اور ان کے متعلقین کو ماریں گے۔

قسامت کا معنی کبھی حسن و جمال کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اسی لیے حضور اکرم ﷺ کا ایک صفاتی نام "قسیم" (۵۱) ہے یعنی بہت زیادہ خوبصورت اصطلاحا" فقہ میں قسامت سے مراد ہے۔

"ایمان مکررة یحلفھا ولی الدم عند وجود قتیل فی محلة لم یعرف قاتله و بینه وبینھم لوث"(۵۲)

وہ حلیفہ بیان جو اس محلہ یا گھر کے لوگ جہاں کوئی مقتول ہو اور اس کے جسم پر ارتکاب قتل کی علامات پائی جائیں قسم کھا کر کہیں کہ نہ ہم نے قتل کیا ہے اور نہ ہی ہمیں یہ معلوم ہے کہ اس کا قاتل کون ہے۔

علامہ کاسانی فرماتے ہیں کہ قسامت سے مراد وہ قسم ہے جو اس محلے کے رہنے والے عاقل بالغ مردوں سے لی جاتی ہے جس میں مقتول کی لاش ملے اور قاتل معلوم نہ ہو۔ اہل محلہ (بچوں اور عورتوں کے علاوہ کیونکہ یہ قسامت سے مستثنیٰ ہیں) کو یہ قسم کھانا پڑے گی کہ نہ ہم نے مقتول کو قتل کیا ہے اور نہ ہی ہم قاتل کو جانتے ہیں۔

اس صورت میں اہل محلہ اگر قسم اٹھا لیں تو ان پر مقتول کی دیت(۵۳) عائد کی جائے گی۔(۵۴)

چونکہ قسامت میں بھی قسم اٹھانا پڑتی ہے اور قسم میں توکیل نہیں ہوتی لہٰذا قسامت میں بھی توکیل جائز نہیں۔ اسی لیے ابن قدامہ نے قسامت میں وکالت کے کے بارے میں لکھا ہے۔

"لایجوز التوکیل فی الشھادۃ--- فی القسامۃ"(۵۵)

شہادت اور قسامت میں توکیل جائز نہیں۔

المرادوی نے بھی الانصاف میں لکھا ہے کہ قسامت میں توکیل جائز نہیں۔(۵۶)

یمین

یمین عربی لغت میں دائیں ہاتھ' قوت اور قسم کو کہتے ہیں اس کی جمع ایمان آتی ہے پھر اس کا استعمال حلف یعنی قسم اٹھانے کے لیے بھی ہونے لگا۔ اہل عرب ہاتھ پکڑ کر قسم اٹھاتے اس لیے قسم کو یمین کہا جانے لگا۔(۵۷)

اصطلاح میں یمین سے مراد وہ الفاظ ہیں جن سے کسی فعل کو کرنے یا چھوڑنے کے متعلق قسم اٹھانے والے کا ارادہ متعین ہو جاتا ہے۔ قواعد الفقہ میں ہے

"یمین یوخذ بھا العقد"(۵۸)

وہ الفاظ جن سے کسی عقد کو مضبوط کیا جاتا ہے۔

قسم اٹھانے والے کو حالف' قسم لینے والے کو مستحلف' جسے قسم دی جائے محلوف اور قسم دلانے کو تحلیف کہتے ہیں۔ قسم اٹھانے کو انگریزی میں Oath کہتے ہیں۔

جو شخص قسم اٹھا کر اسے پورا نہ کرے اسے اس قسم کا کفارہ ادا کرنا ہوتا ہے۔ اس کفارے کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح فرمایا گیا۔

"لایواخذ کم اللّٰہ باللغوفی ایمانکم ولکن یوا خذ کم بما عقد تم الایمان فکفارتہ اطعام عشرۃ مسکین من اوسط ماتطعمون اھلیکم اوکسوتھم او تحریر رقبۃ فمن لم یجد فصیام ثلثۃ ایام ذ لک کفارۃ ایمانکم اذ ا حلفتم واحفظوا ایمانکم کذلک یبین اللّٰہ لکم ایتہ لعلکم تشکرون" (۵۹)

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ تم سے تمہاری لغو قسموں پر مواخذہ نہیں کرتا لیکن وہ ان قسموں پر مواخذہ کرتا ہے جنہیں تم مضبوط کرلو۔ اس کا کفارہ دس محتاجوں کو درمیانے درجے کا کھانا دینا ہے جو تم اپنے گھروالوں کو کھانے کے لیے دیتے ہو۔ یا انہیں کپڑا دینا یا غلام یا لونڈی آزاد کرنا لیکن جو اس کی طاقت نہ رکھے وہ تین دن کے روزے رکھے یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے اور اس طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے احکام بیان کرتا ہے تاکہ تم شکر کرو۔

قسم اٹھانے میں توکیل کی یہ صورت ہوگی کہ موکل وکیل سے کہے کہ تم کہو کہ میں موکل کی طرف سے یہ قسم اٹھاتا ہوں کہ خدا کی قسم کل میں کراچی جاؤں گا۔ اگر موکل اس قسم کے مطابق کراچی نہ جائے تو اسے کفارہ لازم ہوگا۔

اس قسم کی خلاف ورزی سے موکل پر کفارہ لازم نہیں ہوگا اس لیے کہ کفارہ اس پر لازم ہوتا ہے جس نے وہ قسم اٹھائی ہو۔ اسی لیے السید البکری نے لکھا ہے۔

"لاتصح الوکالۃ فی یمین لان لقصد بھا فاشبھت العبادۃ" (۶۰)

قسم اٹھانے میں وکالت نہیں ہے کیونکہ قسم کسی کے ارادے سے متعلق ہوتی ہے نیز یہ عبادت سے بھی مشابہہ ہے۔

اگر موکل نے وکیل کو کسی قابل نیابت فعل کے ساتھ قسم اٹھانے کو کہا تو یہ توکیل جائز ہوگی جیسے موکل وکیل سے کہے کہ وہ اس کی بیوی کو یہ بتائے کہ خدا کی قسم زید جو تمہارا شوہر ہے اس نے تمہیں طلاق دے دی ہے تو ایسی قسم جائز ہوگی۔ (۶۱)

بہرحال قسم اٹھانے میں توکیل نہیں اس پر تمام فقہاء کا اجماع ہے جو شخص قسم اٹھائے گا اس کا پورا کرنا اس کے ذمہ ہے اور پورا نہ کرنے کی صورت میں بھی اس کے ذمہ کفارہ ہوگا۔

نذر

نذر کا لفظ عربی زبان میں متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے جیسے ڈرانا اور واجب کرنا۔ المنجد میں نذر کا معنی یہ بیان کیا گیا ہے:

"اوجب علی نفسہ مالیس بواجب"(٦٢)

اپنے اوپر اس امر کو ضروری قرار دینا جو پہلے ضروری نہ ہو۔

اصطلاح میں نذر کہتے ہیں۔

"ایجاب الفعل المشروع علی النفس بالقول تعظیما للّٰہ تعالیٰ"(٦٣)

کسی جائز کام کو اللہ تعالیٰ کی نسبت سے خود پر لازم کرنا۔

جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ اگر میرا فلاں کام ہو جائے تو میں ایک ہزار روپے صدقہ کروں گا۔ کام ہو جانے کی صورت میں اس نذر ماننے کے لیے واجب ہے کہ وہ ایک ہزار روپے صدقہ کرے۔

نذر پوری کرنے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا۔

"ولیوفوا نذورھم"(٦٤)

پس چاہیے کہ تم اپنی نذروں کو پورا کرو۔

سورۃ الدھر میں فرمایا گیا کہ ابرار وہ لوگ ہوتے ہیں۔

"یوفون بالنذر"(٦٥) جو اپنی نذروں کو پورا کرتے ہیں۔

نذر کے واجب ہونے میں وکالت جائز نہیں۔ اس لیے کہ نذر وہی قابل ایفا ہوتی ہے جو آدمی خود مانے۔ علامہ البکری فرماتے ہیں کہ نذر میں وکالت اس لیے جائز نہیں کہ ظاہری طور پر نذر بھی قسم ہی کے معنی میں ہے اور اسے اپنی ضرورت کی بنا پر اختیار کیا جاتا ہے۔ قسم میں بھی اللہ تعالیٰ کو گواہ بنایا جاتا ہے اور نذر میں بھی ایسا ہی کیا جاتا ہے لہٰذا یہ صحیح نہیں کہ آدمی کسی کو اس بات پر وکیل مقرر کرے کہ وہ اس کی طرف سے نذر مانے۔ اس لیے نذر ماننے میں توکیل جائز نہیں۔(٦٦)

فصل چہارم

مناکحات میں مستثنیات

مناکحات کے ضمن میں یہ معاملات وکالت سے مستثنیٰ ہیں۔

لعان

لعان لعن سے ہے جس کا لغوی معنی ہے۔

"**منعه طرده ابعده**"(٦٧) یعنی کسی چیز کو روکنا، پھینکنا اور دور کرنا، فقہی اصطلاح میں لعان سے مراد ہے۔

"**شهادات اربع موكدات بالايمان مقرونة شهادة الزوج باللعن وشهادات المرأة بالغضب**"(٦٨)

لعان چار شہادتیں ہیں جو قسموں کے ساتھ موکد ہوتی ہیں۔ شوہر کی گواہی لعنت کے ساتھ اور بیوی کی شہادت غضب کے ساتھ متعلق ہوتی ہے۔ اس کی صورت یوں ہوتی ہے اگر شوہر بیوی کو کسی اور شخص کے ساتھ زنا کا الزام لگائے یا اس کے ہاں پیدا ہونے والے بچے کا انکار کرے کہ یہ میرا بچہ نہیں تو پھر لعان ہو گا جس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے شوہر اس طرح چار قسمیں اٹھائے گا۔

خدا کی قسم یہ بچہ میرا نہیں یا خدا کی قسم یہ میری بیوی زانیہ ہے پانچویں بار یہ کہے گا کہ اگر میں اپنی قسم میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ اس طرح عورت بھی اپنے شوہر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ قسم اٹھائے گی کہ میں اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر کہتی ہوں کہ یہ اس قسم میں بلاشک جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ یہ کہے گی اگر مجھ پر زنا کی تہمت لگانے میں یہ سچا ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو۔ لعان کے بعد میاں بیوی کے درمیان طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔(٦٩)

چونکہ لعان کا تعلق قسم سے ہے۔ تو جس طرح قسم میں وکالت نہیں ہوتی اس طرح لعان میں بھی وکالت درست نہیں ہوگی۔ فقہاء کرام نے بھی اسے وکالت سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ الانصاف میں ہے۔

توکیل انسانوں کے تمام معاملات میں جائز ہے سوائے ظہار اور لعان کے۔ امام شربینی فرماتے ہیں۔

"فلایصح فی ایلاء ولعان وسائر الایمان" (۷۱)

وکالت ایلاء' لعان اور تمام اقسام کی قسموں میں جائز نہیں لہٰذا لعان وکالت سے متفقہ طور پر مستثنیٰ ہے۔

ایلاء

ایلاء کا لفظ آلی یولی ایلاء سے ہے جس کا معنی قسم اٹھانا ہے۔(۷۲) اصطلاح میں ایلاء کہتے ہیں۔

"ھو الحلف علی ترک قربانہا اربعۃ اشھر اواکثر" (۷۳)

شوہر کا اس بات پر قسم اٹھانا کہ چار ماہ یا اس سے زیادہ تک وہ اپنی بیوی کے پاس نہیں جائے گا۔ جیسے کوئی شخص کہے۔

"واللہ لااقربک اوقال واللہ لااقربک اربعۃ اشھر" (۷۴)

خدا کی قسم میں تیرے قریب نہیں جاؤں گا یا خدا کی قسم میں چار ماہ تک تیرے قریب نہیں جاؤں گا۔

یہ قسم مشروط بھی ہو سکتی ہے اور غیر مشروط بھی۔ اگر شوہر اس قسم کے بعد اس دوران اپنی بیوی کے پاس نہ گیا تو طلاق بائن واقع ہو گی اور اگر چار ماہ کے دوران اپنی بیوی سے قربت کر لی تو پھر اس پر کفارہ یمین لازم ہو گا۔

قسم اٹھانے والے کو مول' جس کے لیے قسم اٹھائی جائے اسے محلوف بہ اور جس بات پر قسم اٹھائی جائے اسے محلوف علیہ کہا جاتا ہے۔

ایلاء کو انگریزی میں Abandonment (for his swearing) کہتے ہیں۔

ایلاء میں چونکہ شوہر قسم اٹھاتا ہے لہٰذا دیگر اقسام کی طرح یہاں بھی توکیل نہیں ہو گی۔ ایلاء میں توکیل کی صورت یہ ہو گی کہ موکل اپنے وکیل سے کہے کہ تو میری طرف سے قسم اٹھا کہ خدا کی قسم میرا موکل چار ماہ تک اپنی زوجہ کے پاس نہیں جائے گا۔ وکیل کا یہ قسم اٹھانا موکل کے لیے غیر موثر ہو

قربت سے طلاق بائن واقع ہو گی۔

چونکہ ایلاء قسم سے متعلق ہے لہٰذا حلف کی طرح اس میں بھی وکالت جائز نہیں اسی بنا پر فقہاء نے اسے وکالت سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔(۷۵)

ظہار

ظہار کا لفظ ظہر سے ہے جس کا لغوی معنی ہے۔ غالب آنا' مدد کرنا' سواری اور پشت۔ اس کی جمع ظہور آتی ہے۔(۷۶)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کے متعلق فرمایا۔

"ووضعنا عنک وزرک الذی انقض ظھرک"(۷۷)

(ترجمہ) اور ہم نے آپ کا وہ بوجھ آپ سے اتار دیا جس نے آپ کی پیٹھ کو بوجھل کر دیا تھا۔

دوسرے مقام پر فرمایا گیا۔

"ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ"(۷۸)

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو سچے دین اور ہدایت کے ساتھ بھیجا تاکہ اس دین کو تمام ادیان پر غالب کر دے۔

فقہی اصطلاح میں ظہار کہتے ہیں۔

"تشبیہ زوجتہ او ماعبر بہ عنھا او جزء شائع منھا بعضو یحرم نظرہ الیہ من اعضاء محارمہ نسبا او رضاعا کامہ و بنتہ واختہ"(۷۹)

کسی شوہر کا اپنی بیوی کو یا بیوی کے کسی ایسے عضو کو جس عضو سے عورت کی تعبیر کی جاتی ہے کو اس عورت سے تشبیہ دینا جو باعتبار نسب یا رضاعت شوہر پر حرام ہو۔ جیسے اس کی ماں' اس کی بیٹی یا اس کی بہن وغیرہ۔

یعنی شوہر اپنی بیوی سے کہے کہ تو یا تیری پشت میرے لیے ایسی ہے جیسے میری ماں یا میری ماں کی پشت۔ ایسا کہنے سے ظہار واقع ہو جائے گا۔ قرآن مجید ظہار کا ذکر میں اس طرح کیا گیا ہے۔

والذین یظاھرون من نساءھم ثم یعودون لما قالوا فتحریر رقبۃ من قبل ان یتما سا ذلکم توعظون بہ واللہ بما تعملون خبیر۔ فمن لم یجد فصیام

شھرین متتابعین من قبل ان یتما سا فمن لم یستطع فاطعام ستین مسکینا

(۸۰)

اور وہ لوگ جو اپنی بیویوں سے ظہار کریں پھر اس بات سے رجوع کریں جو انہوں نے کہی تھی تو اس سے پہلے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں انہیں ایک غلام آزاد کرنا ہو گا اس سے تمہیں نصیحت کی جاتی ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے اور جو شخص غلام نہ پائے وہ دو ماہ تک متواتر روزے رکھے اس سے قبل کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں جو اس پر بھی قادر نہ ہو وہ ساٹھ مساکین کو کھانا کھلائے۔

ظہار کرنے والے کو مظاہر اور جس سے ظہار کیا جا رہا ہو یعنی عورت کو مظاہر بہ کہتے ہیں۔

وکالت کی مستثنیات میں سے ظہار بھی ایک استثناء ہے یعنی وکیل موکل کی طرف سے یہ کہے کہ میرے موکل کی بیوی اس پر ایسے حرام ہے جیسے اس کی ماں' بیٹی اور بہن وغیرہ۔

وکیل کا ایسا کہنا لغو جائے گا اور موکل پر کوئی کفارہ واجب الادا نہیں ہو گا۔

ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ ظہار(۸۱) میں وکالت اس لیے درست نہیں کہ یہ ایک منکر' ناپسندیدہ اور جھوٹ قول ہے جس کا کرنا شوہر کے لیے بھی درست نہیں۔

قرآن مجید میں بھی اسے منکر اور زور کہا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

"انھم لیقولون منکراً من القول و زوراً"(۸۲)

ظہار کرنے والے یقیناً ایک نامعقول اور جھوٹ بات کہہ رہے ہیں۔

علامہ الجزیری فرماتے ہیں کہ ظہار کے باب میں دو حکم ہیں:

ایک کا تعلق آخرت سے ہے یعنی ظہار وہ فعل ہے جو موجب عذاب آخرت ہے۔

دوسرے کا تعلق اس دنیا سے ہے کہ مظاہر اس کا کفارہ ادا کرے۔(۸۳)

چونکہ یہ فعل باعث سزا و عذاب ہے لہٰذا اس میں توکیل درست نہیں اس لیے فقہاء نے بھی اس میں توکیل نہ ہونے پر اجماع کیا ہے۔(۸۴)

رجعت

رجوع کا اصل معنی کسی چیز کے اپنے مبداء حقیقی کی طرف لوٹنے کے ہیں۔ خواہ وہ کوئی مکان ہو یا فعل ہو یا قول ہو۔ عام معنی میں یہ لفظ لوٹنے کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔(۸۵) اللہ تعالیٰ نے

"ولما رجع موسیٰ الی قومہ"(۸۶)

اور جب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی طرف لوٹے۔

اصطلاح میں رجوع سے مراد یہ ہے۔

"استدامة الملک القائم فی العدة"(۸۷)

مطلقہ عورت کی عدت کے زمانے میں ملکیتِ استمتاع کے باقی رکھنے کو رجعت کہا جاتا ہے جو ملکیتِ استمتاع قائم بالنکاح ہوتی ہے۔

یہ رجعت دو طلاقیں دینے کے بعد دوران عدت مرد کا حق ہے۔ عدت(۸۸) کے بعد یہ حق ختم ہو جاتا ہے۔

رجعت دو طرح سے ہو سکتی ہے۔

۱۔ قولاً: یعنی مرد زبان سے یہ کہہ دے کہ "راجعتک" میں نے طلاق سے رجوع کیا۔

۲۔ عملاً: یعنی مرد اپنی مطلقہ عورت سے مباشرت کرلے یا خواہش کے ساتھ چھولے۔(۸۹)

اول الذکر طریقے میں توکیل جائز ہے۔ کیونکہ اگر انعقاد نکاح میں وکالت جائز ہے تو زبانی طریقے سے نکاح قائم رکھنے میں بھی توکیل کیوں جائز نہ ہوگی۔ اس صورت میں وکیل اپنے موکل کی طرف سے اس کی مطلقہ عورت کو یہ کہے گا کہ آپ کے شوہر نے جو طلاق آپ کو دی ہے وہ اس سے رجوع کا پیغام دیتا ہے گویا وکیل سفیر کی حیثیت سے وکالت کے فرائض سرانجام دے گا۔

موخر الذکر طریقے میں توکیل درست نہیں کیونکہ خواہش کے ساتھ اپنی بیوی کو ہاتھ لگانا یا مباشرت کرنا اس میں نیابت درست نہیں۔

وہ علماء جنہوں نے رجعت کو وکالت سے مستثنیٰ قرار دیا ہے ان کے نزدیک موخر الذکر طریقے کی رجعت مراد ہے۔

علامہ ابواسحاق شیرازی فرماتے ہیں کہ رجعت میں توکیل سے متعلق دو اقوال ہیں۔

۱۔ لا یجوز التوکیل فیه کما لا یجوز فی الایلاء والظهار

۲۔ یجوز وهو الصحیح فانه اصلاح للنکاح فاذا جاز فی النکاح جاز فی الرجعة(۹۰)

ایک قول یہ کہ ایلاء اور ظہار کی طرح رجعت میں بھی توکیل جائز نہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ رجعت میں توکیل جائز ہے کیونکہ یہ نکاح کی اصلاح کرنے والی ہے۔ جب

متعلق ہے جب کہ دوسرا قول رجعت قولی سے متعلق ہے۔

امام شافعی کے نزدیک بھی قولی رجعت میں وکالت جائز ہے۔(۹۱)

قسم بین الزوجات

قسم "قاف پر زبر کے ساتھ" باب قسم یقسم کا مصدر ہے۔ قسم کا لغوی معنی ہے۔

"قسم الشئی جزء اوفرقه"(۹۲)

کسی چیز کو الگ اور حصوں میں کر دینا۔

قرآن مجید میں اس مادے کے متعدد الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ ایک مقام پر فرمایا گیا:

"اهم یقسمون رحمت ربک نحن قسمنا بینهم معیشتهم فی الحیاة الدنیا"(۹۳)

(ترجمہ) کیا وہ تمہارے رب کی رحمت کو تقسیم کرتے ہیں۔ ہم نے ان کے درمیان دنیوی زندگی میں ان کی روزی تقسیم کر رکھی ہے۔

فقہی اصطلاح میں قسم بین الزوجات سے مراد ہے۔

"العدل بین الزوجات فی البیتوتة ولوکتابیة مع مسلمة"(۹۴)

بیویوں کے درمیان خواہ وہ کتابیہ ہوں یا مسلمان شب گذاری میں مساوات کا لحاظ رکھنا' بایں طور کہ ان میں سے ہر ایک کے گھر میں رات کو اس طرح رہے جس طرح دوسری زوجہ کے ہاں رہتا ہو۔

قسم بین الزوجات میں توکیل کی یہ صورت ہوگی کہ کوئی شخص اس لیے وکیل مقرر کرے کہ اس کا وکیل اس کی ایک بیوی کے ساتھ اس طرح شب بسری کرے جس طرح موکل دوسری بیوی یا بیویوں کے ساتھ شب بسری کرتا ہے۔

چونکہ کسی شخص کا غیر کی بیوی کے پاس جانا حرام ہے خواہ وہ وکالتاً" ہو یا غیر وکالتاً"۔ لہٰذا اس میں توکیل جائز نہیں۔

اسی لیے علامہ ابن قدامہ نے المغنی میں کہا ہے۔

"لایصح التوکیل فی الشهادة---- ولا فی القسم بین الزوجات لانها یتعلق ببدن الزوج لامر لایوجد من غیره"(۹۵)

الزوجات کا تعلق بیوی کے بدن سے ہے اور یہ کسی غیر آدمی کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔

رضاعت

رضاعت کا لفظ رضع سے ہے جس کا معنی ہے ماں کا بچے کے منہ میں دودھ ڈالنا(۹۶) لغت میں رضاعت سے مراد دودھ کا چوسنا ہے خواہ انسان کی چھاتی سے چوسا جائے یا کسی جانور کے دودھ سے نیز اس میں وقت یا مدت کا کوئی تعین نہیں۔

فقہی اصطلاح میں رضاعت کہتے ہیں:

"مص شخص مخصوص وهو ان يكون رضيعا" فی موضع مخصوص و هو من ثدی انثی بنی آدم فی وقت مخصوص و هو مدة فی الرضاع قليلة و كثيرة سواء"(۹۷)

انسان کے کسی بچے کا کسی عورت کا دودھ چوسنا یا دودھ کا اس کے پیٹ میں مدت رضاعت(۹۸) کے دوران جانا اگرچہ تھوڑا ہو یا زیادہ رضاعت کہلاتا ہے۔

رضاعت کو انگریزی میں Fostery یا Sucking breast کہتے ہیں۔

رضاعت کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ان الرضاعة تحرم ماتحرم الولادة"(۹۹)

بے شک رضاعت سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو ولادت سے حرام ہوتے ہیں۔

رضاعت میں توکیل کی یہ صورت ہو گی کہ کوئی عورت دوسری عورت کو اس مقصد کے لیے وکیل مقرر کرے کہ وہ فلاں بچے کو اس کی طرف سے دودھ پلائے اور رضاعت کا تعلق دودھ پلانے عورت کی بجائے اس کی موکلہ سے ہو جائے۔

چونکہ ایسا نہ ممکن ہے رضاعت کا تعلق اسی سے قائم ہو گا جو عورت دودھ پلائے گی۔ لہٰذا رضاعت کو وکالت سے مستثنیٰ قرار دیا گیا۔

ابن قدامہ فرماتے ہیں۔

چونکہ دودھ سے ہڈیاں اور گوشت بڑھتا ہے اور یہ دودھ پلانے والی عورت کے ساتھ خاص ہے لہٰذا اس میں توکیل جائز نہیں۔(۱۰۰)

فصل پنجم

جنایات و عقوبات میں مستثنیات

لفظ جنایة کا لغوی و اصطلاحی مفہوم احکام توکیل جنایات کے ضمن میں بیان کر دیا گیا ہے۔
اسلام میں جنایات و عقوبات کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) قصاص (۲) حدود (۳) تعزیرات
جنایات کا تعارف باب پنجم کی فصل ہفتم میں گذر چکا ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جنایات میں اثبات اور استیفاء میں وکالت جائز ہے لیکن ایفاء قصاص اور ایفاء حدود میں وکالت جائز نہیں۔
ایفاء سے مراد مجرم کو سزا دینا ہے یعنی مجرم پر قصاص، حد اور تعزیر کا جاری کرنا۔ اس میں توکیل اس لیے درست نہیں کہ جنایت تو مجرم پر جاری کی جاتی ہے اور وہ موکل ہو گا نہ کہ وکیل۔ اگر اس معاملے میں وکالت جائز ہو تو اس شخص کو سزا مل جائے گی جس نے جرم نہیں کیا اور یہ بات قرآن مجید اور حدیث رسول کریم ﷺ کے خلاف ہے۔
قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

۱۔ **"ولا تزر وازرۃ وزر اخری"**(۱۰۱)
اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

۲۔ **"ومن یکسب اثما فانما یکسب علی نفسہ"**(۱۰۲)
اور جو شخص کوئی گناہ کرتا ہے تو وہ اپنے لیے کرتا ہے۔

۳۔ **"ولا تکسب کل نفس الا علیھا"**(۱۰۳)
ہر شخص جو کچھ کرتا ہے وہ اس کے ذمہ ہوتا ہے۔

۴۔ **"لکل امری منھم ما اکتسب من الاثم"**(۱۰۴)
ہر شخص کے لیے ان میں سے اتنا گناہ ہے جتنا اس نے کیا۔

حضور ﷺ نے بھی بعض احادیث میں یہ فرمایا کہ مجرم ہی سزا کا سزاوار ہوتا ہے اور وہ کسی دوسرے کو اپنا قائم مقام نہیں بنا سکتا۔
حضرت خشخاش العنبری کہتے ہیں کہ ایک بار میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور

میرے ساتھ میرا بیٹا بھی تھا تو آپ نے فرمایا:

۱۔ **"لاتجنی علیه ولا یجنی علیک"**(۱۰۵)

تیرے جرم میں نہ وہ سزاوار ہو گا اور نہ تو اس کی خطا میں سزاوار ہو گا۔

۲۔ آپ ﷺ نے خطبہ حجتہ الوداع میں ارشاد فرمایا۔

"الا لا یجنی جان الا علی نفسه"(۱۰۶)

خبردار جو جرم کرے گا وہ اپنی ذات پر ہی کرے گا۔

۳۔ آپ نے ایک بار انصار کو خطبہ دیتے ہوئے بلند آواز میں فرمایا۔

"الا لاتجنی نفس علی الاخری"(۱۰۷)

کوئی انسان دوسرے کے جرم میں سزا نہیں دیا جائے گا۔

حضرت شعبہؒ فرماتے ہیں کہ ان احادیث کا مطلب یہ ہے۔

"لایوخذ احد باحد" یعنی ایک شخص دوسرے کے جرم میں پکڑا نہیں جائے گا۔(۱۰۸)

ان آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ایفاء قصاص' ایفاء حدود اور ایفاء تعزیرات وکالت سے مستثنیٰ ہیں۔

فقہاء کے نزدیک حدود دو طرح کی ہیں۔

اول۔ وہ حدود جن میں خصومت یا جھگڑا کی ضرورت نہیں ہوتی جیسے حد زنا اور حد شرب خمر اور حد ارتداد وغیرہ۔

دوم۔ وہ حدود جن میں خصومت اور جھگڑنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جیسے حد قذف' حد سرقہ اور حد حرابہ وغیرہ۔

موخرالذکر حدود کے احکام باب پنجم کی فصل ہشتم میں بیان کیے جا چکے ہیں جب کہ اول الذکر حدود جن میں خصومت اور جھگڑے کی ضرورت نہیں ہوتی وہ وکالت سے مستثنیٰ ہیں۔ علامہ کاسانی فرماتے ہیں۔

"اما التوکیل باثبات الحدود فان کان حداً لایحتاج فیه الی الخصومت کحدا الزنا و شرب الخمر فلا یتقدر التوکیل فیه بالاثبات لانه یثبت عند القاضی بالبینة اوالاقرار من غیر خصومة"(۱۰۹)

جہاں تک اثبات حدود میں توکیل کا تعلق ہے تو وہ اگر ایسی حد ہے جس میں خصومت اور جھگڑا

ضروری ہیں جیسے حد زنا اور حد شرب خمر تو ان کے اثبات کے لیے وکیل کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ یہ قاضی کے ہاں خصومت اور جھگڑے کے بغیر گواہوں کی گواہی اور اقرار سے ثابت ہوتی ہیں۔ لہٰذا ان حدود کے اثبات کو بھی وکالت سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ تکملۃ المجموع میں امام سبکی فرماتے ہیں۔

"لایجوز التوکیل فی اثبات حدود اللّٰہ تعالیٰ لان الحق لہ وقد امرنا فیہ بالدرء"(۱۱۰)

ان حدود کے اثبات میں توکیل جائز نہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں اور اس کا حق ہیں ہمیں ان حدود کو شک سے معاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

لہٰذا فقہاء کے نزدیک زنا اور شراب نوشی کی حدود کے اثبات اور قصاص و دیگر حدود و تعزیرات کے ایفاء میں وکالت منع ہے۔

فصل ششم

امور محرمہ و اموال مباحہ

امور محرمہ سے مراد وہ امور ہیں جن کا ارتکاب قرآن مجید اور احادیث نبویہ کی روشنی میں ناجائز اور حرام ہو جیسے غصب' چوری' ڈاکہ وغیرہ۔

چونکہ امور محرمہ کا ارتکاب کسی بھی شخص کے لیے جائز نہیں لہٰذا ان امور کو ادا کرنے میں وکالت بھی درست نہیں۔

اس میں وکالت کی صورت ہو سکتی ہے کہ موکل اپنے مقرر کردہ وکیل سے یہ کہے کہ میں تمہیں فلاں مقام پر چوری کرنے کے لیے وکیل مقرر کرتا ہوں تم فلاں مقام پر جا کر چوری کرو اور مال میرے پاس لے آؤ۔

ایسے ہی اگر کوئی مسلمان کسی سے یہ کہے کہ میں تمہیں خنزیر یا شراب کی خرید و فروخت کے لیے وکیل مقرر کرتا ہوں تو یہ وکالت باطل ہو گی اس لیے کہ عقد وکالت کے کی بنیادی شرط یہ ہے کہ موکل فیہ امر حرام نہ ہو۔ لہٰذا یہ وکالت باطل ہو گی۔

ابن قدامہ فرماتے ہیں۔

"لایصح فی الغصب"(۱۱۱)

غصب کرنے میں وکالت درست نہیں۔

الاقناع میں ہے کہ وکالت گناہ کے امور میں جائز نہیں۔(۱۱۲)

علامہ دسوقی فرماتے ہیں **"ان الوکالۃ علی المعصیۃ باطلۃ"**(۱۱۳) یعنی گناہ کے امور میں وکالت باطل ہے۔

اموال مباحہ سے مراد وہ اشیاء ہیں جن کی عام بازار میں خرید و فروخت نہیں ہوتی۔ کون سی چیز کس مقام پر مباح ہے اس کا تعین عرف سے کیا جائے گا کیونکہ ایک مقام پر ایک چیز مباح ہوتی ہے اور اسی چیز کی دوسرے مقام پر بازار میں باقاعدہ خرید و فروخت ہوتی ہے جیسے عام علاقوں میں پانی کی خرید و فروخت نہیں ہوتی لیکن ریگستانی علاقوں میں پانی کی خرید و فروخت ہوتی ہے اسی طرح دریا کے

پاس رہنے والوں کے لیے ریت ایک مباح چیز ہے لیکن دریا سے دور علاقوں میں ریت بازار میں ٹن کے حساب سے فروخت ہوتی ہے۔

مباح چیز کی ملکیت کا اصول یہ ہے کہ

"جعل فی المباح سبب الملک الاستیلاء فمن استولی فھو المالک ولاینقل الملک الی غیرہ الا بوجہ شرعی کھبۃ وبیع"(۱۱۴)

کسی مباح چیز پر جو بھی قابض ہو جائے وہی مالک ہے اور دوسرے کی طرف اب اس کی ملک شرعی طریقوں سے ہی منتقل ہو سکتی ہے جیسے ھبہ اور بیع وغیرہ۔

لہٰذا اموال یا اشیاء مباحہ کا تعین عرف سے کیا جائے گا۔ لہٰذا وہ اشیاء جو عرف میں مباح ہوں وہ وکالت سے مستثنیٰ ہیں۔ فتاوی ہندیہ میں ہے کہ **"لا تصح الوکالۃ بالمباحات"(۱۱۵)**

اموال مباحہ جیسے عام جنگل سے لکڑیاں کاٹنا، گھاس کاٹنا اور چشموں وغیرہ سے پانی حاصل کرنے میں وکالت جائز نہیں۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ الجزیری، کتاب الفقہ، ۳/۱۷۸۔ ۱۷۹۔

۲۔ سبکی، تکملة المهذب، ۱۴/۱۱۲۔ ۱۱۳۔

۳۔ ابن قدامہ، المغنی، ۵/۹۰۔۹۱۔

۴۔ یحیٰی بن زکریا نووی، منھاج الطالبین، ۲/۲۱۹۔ ۲۲۰۔

خطیب الشربینی، مغنی المحتاج، ۲/۲۱۹۔ ۲۲۰۔

۵۔ مرادوی، الانصاف، ۵/۳۵۶۔ ۳۵۸۔

۶۔ ابن حزم، المحلی، ۸/۲۴۵۔

۷۔ السید البکری، اعانة الطالبین، ۳/۸۷۔

۸۔ مرغینانی، ہدایہ، ۳/۱۷۶۔

۹۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۶/۲۱۔

۱۰۔ برہان الدین محمود، المحیط البرہانی، ۶/۲۱۱۸۔

۱۱۔ مقدسی، الاقناع، ۲/۲۳۳۔

۱۲۔ ابو اسحاق شیرازی، المہذب، ۱/۳۴۸۔

۱۳۔ احمد رضا، متن اللغة "بذیل مادہ عقد" ۴/۱۵۷۔

۱۴۔ صمیم الاحسان، قواعد الفقہ، ص ۳۸۳۔

جرجانی، التعریفات، ص ۱۳۳۔

۱۵۔ اصفہانی، المفردات، ص ۲۶۔

۱۶۔ ابن حزم، المحلی، ۸/۲۴۵۔

۱۷۔ توبہ کا لغوی معنی رجوع کرنا ہے جب کہ اصطلاح میں توبہ سے مراد ہے "**ترک الذنب لقبحه والندم علی مافرط منه**" (اصفہانی، المفردات، ص ۶۴) یعنی گناہ کو گناہ سمجھ کر چھوڑ دینا، اپنی کوتاہی پر نادم ہونا اور دوبارہ نہ کرنے کا پختہ عزم کرنا۔

۱۸۔ بطرس بستانی، محیط المحیط "بذیل مادہ عبد" ص ۵۷۰۔

۲۰۔ ایضاً۔

۲۱۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی، دار الاشاعت، کراچی، ۱۹۸۵، ۵/۳۲۔

۲۲۔ حنیف گنگوہی، غایۃ السعایہ، ۶/۳۸۸۔

۲۳۔ ظفر احمد، اعلاء السنن، ۱۵/۳۳۵۔

۲۴۔ امام احمد، ۴/۱۲۶۔

۲۵۔ مرادوی، الانصاف، ۵/۳۵۸۔

الشربینی، مغنی المحتاج، ۲/۲۱۹۔

۲۶۔ ابن قدامہ، المغنی، ۵/۹۲۔

۲۷۔ سورۃ الملک، ۶۷/۲۔

۲۸۔ ابن ماجہ، (کتاب الصوم، باب من مات و علیہ صیام من نذر)، ص ۱۲۶۔

۲۹۔ ایضاً۔

۳۰۔ ظفر احمد، اعلاء السنن، ۱۵/۳۴۴۔

۳۱۔ القاموس المحیط، "بذیل مادہ لقط"، ۲/۳۸۳۔

۳۲۔ سورۃ یوسف، ۱۲/۱۰۔

۳۳۔ علاؤ الدین، الدر المختار، ص ۵۰۴۔

۳۴۔ احسن نانوتوی، غایۃ الاوطار، ۲/۶۱۹۔

۳۵۔ بطرس بستانی، محیط المحیط "بذیل، مادہ غنم" ص ۶۶۸۔

۳۶۔ رواس قلعہ جی، معجم لغۃ الفقہاء، ص ۳۳۵۔

۳۷۔ جیسے رسول اکرم ﷺ نے غزوہ بدر میں تین مہاجرین حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ اور حضرت سعید بن زیدؓ میں سے حضرت عثمانؓ کو حضرت رقیہؓ کی تیمارداری کے لیے، موخر الذکر دونوں صحابہ کو دس روز پیشتر قافلہ قریش کی خبر لانے کے لیے بھیج دیا اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کے بعد مدینہ آئے۔ پانچ انصار ابولبابہ بن عبد المنذرؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم موجودگی میں مدینہ کا حاکم مقرر کیا، عاصم بن عدی العجلانیؓ اور حارث بن الصمہؓ مقام روحا سے ضرب شدید کے باعث واپس کر دیے گئے اور مدینہ منورہ کے بالائی آبادی عالیہ

کام کے لیے بنو عمرو بن عوف کے پاس بھیجا۔ اور خوات بن جبیرؓ اثنائے راہ پتھر لگنے کے باعث مقام صفراء سے واپس کر دیئے گئے اور ان سب کو مال غنیمت سے حصہ دیا گیا (نور بخش توکلی، سیرت رسول عربی، مکتبہ رضویہ، کراچی، (ت۔ن)، ص ۸۲۔

۳۸۔ عبید اللہ بن مسعود، شرح وقایہ، (**باب المغنم وقسمته**)، ۳۴۹/۲۔

۳۹۔ مقدسی، الاقناع، ۲۳۳/۲۔

۴۰۔ سبکی، **تكملة المجموع**، ۹۶/۱۴۔

۴۱۔ القاموس المحیط، "بذیل مادہ شہد" ۳۰۵/۱۔

۴۲۔ احسن نانوتوی، **غاية الاوطار**، ۲۹۹/۳۔

۴۳۔ مرغینانی، ہدایہ، ۱۵۵/۳۔

۴۴۔ السید البکری، **اعانة الطالبين**، ۸۷/۳۔

۴۵۔ ابن قدامہ، المغنی، ۹۰/۵۔

۴۶۔ مرغینانی، ہدایہ، ۱۷۷/۳۔

۴۷۔ ابو زکریا نووی، منھاج الطالبین، ۲۲۰/۲۔

۴۸۔ شہادۃ علی الشہادۃ سے مراد یہ ہے کہ جب کوئی اصل گواہ کسی معذوری کی وجہ سے شہادت نہ دے سکے تو اس کی شہادت پر دوسرا شخص جسے فرع کہتے ہیں شہادت دے سکتا ہے اگر یہ دوسرا شخص بھی پہلے کی طرح معذور ہو جائے تو تیسرا شخص شہادت دے سکتا ہے۔ یہ شہادت حدود و قصاص کے مقدمات کے علاوہ باقی تمام مقدمات میں قابل قبول ہوتی ہے۔ شہادت علی الشہادۃ ان وجوہ کی بنا پر قائم کی جا سکتی ہے۔ جب اصل گواہ فوت ہو گیا ہو یا وہ اتنا بیمار ہو کہ گواہی نہ دے سکے یا اتنی دور مسافت پر ہو کہ اسے عدالت تک پہنچنے کے لیے تین دن سے زیادہ سفر کرنا پڑے یا وہ پردہ نشین عورت ہو جس کا گھر سے باہر نکلنا اور عدالت میں جا کر شہادت دینا ممکن نہ ہو۔

اس شہادت کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ فرع گواہ کہے گا "کہ میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ فلاں شخص نے مجھے اپنی شہادت پر شاہد بنایا ہے اور میں اس کی شہادت پر شہادت دیتا ہوں۔ (عبد المالک عرفانی، اسلامی قانون شہادت، ص ۱۰۴۔ امام قدوری، المختصر، ص ۲۵۱۔ مرغینانی، ہدایہ، ۱۷۰/۳)

پاکستان کے مروجہ قانون شہادت مجریہ ۱۹۸۴ء میں بھی شہادۃ علی شہادۃ کی اجازت ہے چنانچہ اس کا ذکر اس قانون کی دفعہ ۷۱ کی تیسری شرط میں ہے۔

اگر گواہ وفات پاچکا ہو یا دستیاب نہ ہو سکتا ہو یا شہادت دینے کے قابل نہ رہا ہو یا اس قدر تاخیر یا خرچ کے بغیر جو حالات کے تحت عدالت کے خیال میں نامناسب ہو پیش نہ کیا جاسکتا ہو تو فریق کو اس بات کا حق ہو گا کہ حدود کے مقدمات کے سوا شہادۃ علی الشھادۃ پیش کرے جس کے ذریعہ گواہ اپنی طرف سے شہادت دینے کے لیے دو گواہوں کو مقرر کر سکتا ہے۔ کتب فقہ میں اگرچہ اس کی صورتیں "اصل گواہ کی فوتیدگی اصل گواہ کی شدید علالت' اصل گواہ کا طویل مسافت کی بنا پر عدالت میں حاضر نہ ہو سکنا اور پردہ نشین عورت جسے مردوں کے سامنے آ کر شہادت دینے میں عذر ہو بیان کی گئی ہیں۔ اس شہادت میں بھی فرع نیابتا" نہیں بلکہ اصل گواہ بن کر شہادت دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فرع کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ شہادت کے وقت شہادت کا لفظ استعمال کرے اور وہ کہے کہ فلاں شخص نے مجھے اپنی شہادت پر فرع گواہ مقرر کیا ہے اور فلاں گواہی دی ہے۔ فرع گواہ صرف مرد ہو سکتا ہے عورت نہیں۔

(جسٹس محمد منیر' قانون شہادت' پی ایل ڈی پبلشرز' لاہور' ۱۹۹۲' ص ۱۷۹۔ ۱۸۲)

۴۹۔ لسان العرب' "بذیل مادہ قسم" ۱۲/۴۸۱۔

۵۰۔ سورۃ النمل' ۲۷/۴۹۔

۵۱۔ کاسانی' بدائع الصنائع' ۷/۲۸۶۔

۵۲۔ رواس قلعہ جی' معجم لغۃ الفقہاء' ص ۳۶۲۔

۵۳۔ دیت لغت میں ودی کا مصدر ہے جس کا لغوی معنی خون بہانا اور ہلاک کرنا ہے۔

(المفردات' ص ۵۱۸) فقہی اصطلاح میں دیت کہتے ہیں **"المال الذی ھو بدل النفس"** وہ مال جو جان کا بدلہ کہلاتا ہے۔ یہ مال قاتل مقتول کے ورثا کو ادا کرتا ہے۔ یہ قتل عمد کے سوا باقی قتل کی تمام اقسام میں ادا کی جاتی ہے یہ ایک سو اونٹ کی قیمت یا ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم ہے۔ (حنیف گنگوہی' معدن الحقائق' ۲/۳۹۱) پاکستان میں مروجہ زکاۃ آرڈیننس مجریہ ۱۹۸۰ء کے مطابق ۲۰۰ درہم یا ساڑھے باون تولے چاندی کا وزن ۶۱۲.۳۲ گرام' ۲۰ دینار یا ساڑھے سات تولے سونا کا وزن ۸۷.۴۸ گرام کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ اس طرح دس ہزار درہم چاندی کا وزن ۶۱۶.۳۰ کلو گرام ار ایک ہزار دینار سونے کا وزن ۴.۳۷۴ کلو گرام بنتا ہے۔

۵۴۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۷/۲۸۶۔
۵۵۔ ابن قدامہ، المغنی، ۵/۹۰۔
۵۶۔ المرادوی، الانصاف، ۵/۳۵۸۔
۵۷۔ احسن نانوتوی، غایۃ الاوطار، ۲/۳۷۳۔
۵۸۔ عمیم الاحسان، قواعد الفقہ، ص ۲۶۷۔
۵۹۔ سورۃ المائدہ، ۵/۸۹۔
۶۰۔ السید البکری، اعانۃ الطالبین، ۳/۸۷۔
۶۱۔ برہان الدین محمود، المحیط البرہانی، ۸/۲۱۶۸۔
۶۲۔ المنجد "بذیل مادہ نذر" ص ۸۰۰۔
القاموس المحیط، ۲/۱۴۰۔
۶۳۔ رواس قلعہ جی، معجم لغۃ الفقہاء، ص ۴۷۷۔
۶۴۔ سورۃ الحج، ۲۲/۲۹۔
۶۵۔ سورۃ الدھر، ۷۶/۷۔
۶۶۔ السید البکری، اعانۃ الطالبین، ۳/۸۷۔
۶۷۔ قاموس المحیط، ۴/۲۶۷۔
۶۸۔ سعدی ابوجیب، القاموس الفقہیہ، ص ۳۴۰۔
۶۹۔ قدوری، المختصر، ص ۱۸۵۔
۷۰۔ المرادوی، الانصاف، ۵/۳۵۶۔۳۵۸۔
۷۱۔ شربینی، مغنی المحتاج، ۲/۲۱۹۔۲۲۰۔
۷۲۔ المنجد "بذیل مادہ آل" ص ۱۶۔
۷۳۔ نسفی، کنزالدقائق، ص ۱۳۸۔
۷۴۔ مرغینانی، ہدایہ، ۲/۳۸۱۔
۷۵۔ ابن قدامہ، المغنی، ۵/۹۰، نووی، منہاج الطالبین، ۲/۲۲۰۔
المرادوی، الانصاف، ۵/۳۵۸۔

۷۶۔ المفردات، ص ۳۱۷۔۳۱۸۔

۷۷۔ سورۃ الانشراح، ۹۴/۲۔۳۔

۷۸۔ سورۃ الصف، ۶۱/۹۔

۷۹۔ عمیم الاحسان، قواعد الفقہ، ص ۳۶۸۔

۸۰۔ سورۃ المجادلہ ۵۸/۳۔۴

۸۱۔ اسلام میں ظہار کا کفارہ اس لیے مقرر کیا ہے کہ اسلام سے پہلے ظہار کے بعد بیوی شوہر پر طلاق کی طرح حرام ہو جاتی بلکہ وہ عورت ہمیشہ کے لیے اپنے شوہر اور دوسرے لوگوں پر بھی حرام ہو جاتی۔ اسلام نے ظہار سے میاں بیوی کے درمیان علیحدہ تو نہیں کی لیکن ظہار کو ایک ناپسندیدہ بات قرار دے دیا اور دوبارہ حقِ زوجیت کو ادا کرنا اس بات سے مشروط کیا کہ مظاہر قرآن مجید میں بیان کردہ ان کفارات میں سے ایک کفارہ ادا کرے۔ اگر شوہر کفارہ ادا نہ کرے اور بیوی کا مطالبہ ہو کہ وہ کفارہ ادا کرے تو بیوی عدالت سے رجوع کر سکتی ہے۔ جج اسے کفارہ ادا کرنے کا یا پھر طلاق دینے کا حکم دے گا۔ (الجزیری، کتاب الفقہ (اردو)، ۴/۹۰۲)

۸۲۔ ابن قدامہ، المغنی، ۵/۹۱۔

۸۳۔ سورۃ المجادلہ، ۵۸/۲۔

۸۴۔ الجزیری، کتاب الفقہ، ۴/۹۲۹۔

الشربینی، مغنی المحتاج، ۲/۲۲۰۔

المرادوی، الانصاف، ۵/۳۵۸۔

۸۵۔ المفردات، ص ۱۸۸۔

۸۶۔ سورۃ الاعراف، ۷/۱۵۰۔

۸۷۔ عمیم الاحسان، قواعد الفقہ، ص ۳۰۴۔

۸۸۔ عدت کالغوی معنی شمار کرنا ہے فقہی اصطلاح میں عدت سے مراد وہ مقررہ مدت ہے جو نکاح کے ختم ہو جانے کے لیے مقرر کی گئی ہے۔ عام حالات میں مطلقہ کی عدت تین حیض ہیں جب کہ عورت کا خاوند فوت ہونے پر اس کی عدت چارہ ماہ دس دن ہے۔ وہ عورت جسے حیض نہ آتا ہو اس کی عدت تین ماہ ہے (جزیری، کتاب الفقہ، ۴/۹۴۵)

۸۹۔ عبیداللہ بن مسعود، شرح وقایہ، ۲/۱۹۰۔

۹۰۔ ابو اسحاق شیرازی' المھذب' ۱/۳۴۸۔

۹۱۔ الجزیری' کتاب الفقہ' (اردو)' ۴/۸۰۴۔

۹۲۔ المنجد "بذیل مادہ قسم" ص ۶۲۸۔

۹۳۔ سورۃ الزخرف' ۴۳/۳۲۔

۹۴۔ الجزیری' کتاب الفقہ' ۴/۲۳۷۔

۹۵۔ ابن قدامہ' المغنی' ۵/۹۱۔۹۲

۹۶۔ المنجد' "بذیل مادہ رضع" ص ۲۶۵۔

۹۷۔ سمرقندی' فتاوی النوازل' ص ۱۲۶۔

۹۸۔ مدت رضاعت کے بارے حضرت عبداللہ عباسؓ سے روایت ہے کہ دو سال کی مدت میں رضاعت موثر ہوتی ہے' اگرچہ دودھ کو ایک ہی بار کیوں نہ چوسا ہو۔ (امام مالک' کتاب الرضاع' باب رضاعة الصغیر' ص ۵۳۵) ایک دوسری روایت میں حضور ﷺ نے فرمایا۔ " ان الرضاعة لاتحرم الاما کان دون الحولین" رضاعت صرف دو سال کی عمر میں موثر ہوتی ہے (ترمذی' ابواب الرضاع' باب ماجاء ان الرضاعة لاتحرم الافی الصغر دون الحولین' ۱/۱۵۷) بیہقی میں ہے "لایحرم من الرضاع الا ماکان فی الحولین (بیہقی' ۷/۴۶۲)

۹۹۔ بیہقی' (کتاب الرضاع' باب یحرم من الرضاع مایحرم من الولادة) ۷/۴۵۱۔

۱۰۰۔ ابن قدامہ' المغنی' ۵/۹۱۔

۱۰۱۔ سورۃ الانعام' ۶/۱۶۴' سورۃ بنی اسرائیل' ۱۷/۱۵۔
سورۃ الفاطر' ۳۵/۱۸' سورۃ الزمر' ۳۹/۷۔

۱۰۲۔ سورۃ النساء' ۴/۱۱۱۔

۱۰۳۔ سورۃ الانعام' ۶/۱۶۵۔

۱۰۴۔ سورۃ النور' ۲۴/۱۱۔

۱۰۵۔ ابن ماجہ' (ابواب الدیات' باب لا یجنی احد علی احد)' ص ۱۹۱۔

۱۰۶۔ امام احمد' ۴/۱۴۱۔
ترمذی' (ابواب التفسیر' باب تفسیر سورۃ توبہ)' ۲/۱۳۵۔
ابن ماجہ' (ابواب المناسک باب الخطبہ یوم النحر)' ص ۲۱۹۔

۱۰۷۔ نسائی، کتاب القسامۃ، باب ہل یوخذ احد بجریرۃ غیرہ، ۲/۲۵۰۔

۱۰۸۔ نسائی، کتاب القسامۃ، باب ہل یوخذ احد، ۲/۲۵۰۔

۱۰۹۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۶/۲۱۔

۱۱۰۔ سبکی، تکملۃ المھذب، ۱۴/۹۸۔

۱۱۱۔ ابن قدامہ، المغنی، ۵/۹۱۔

۱۱۲۔ مقدسی، الاقناع، ۲/۲۳۳۔

۱۱۳۔ دسوقی، حاشیہ الدسوقی، ۳/۳۸۰۔

۱۱۴۔ احمد رضا خاں، فتاوی رضویہ، رضا فاونڈیشن، جامعہ نظامیہ، لاہور، ۱۹۹۱ء، ۲/۵۱۲۔ ۵۱۳۔

۱۱۵۔ فتاوی ہندیہ، ۳/۵۶۴۔

المراجع و المصادر

(عربی کتب)

۱. القرآن الحکیم۔

۲. ابن ابی الدم قاضی شهاب الدین الشافعی، (م ٦٤٢ھ)، کتاب ادب القضاء، تحقیق، ڈاکٹر محمد مصطفی الزحیلی، دارالفکر، بیروت، ١٩٨٢ء۔

۳. ابن ابی شیبه ابوبکر عبدالله بن محمد، (م ٢٣٥ھ)، المصنف فی الاحادیث والآثار، ادارة القرآن والعلوم الاسلامیه، کراچی، ١٩٨٦ء۔

٤. ابن الاثیر مجدالدین علی بن محمد الجزری، (م ٦٣٠ھ) اسد الغابه، تحقیق، علی محمد مفوض و عادل احمد و عبدالموجود، دارالکتب العلمیه، بیروت، ١٩٩٤۔

٥. ایضاً، النهایه فی غریب الحدیث والاثر، مؤسسته اسماعیلیان، ایران، ١٣٦٤ھ۔

٦. ابن الاخوة محمد بن محمد القرشی، (م ٧٢٩ھ) معالم القربه فی احکام الحسبه، الفنون ، کیمرج، ١٩٣٧ء۔

۷. ابن بزاز محمد بن محمد بن شهاب، (م ٨٢٧ھ)، فتاوی بزازیه، علی هامش، فتاوی ہندیه، نورانی کتب خانه، پشاور، (ت۔ن)۔

۸. ابن بسام علی بن محمد، (م ٩١٤ھ) نهایة الرتبه فی طلب الحسبه، بغداد، ١٩٦٨ء۔

۹. ابن تیمیه ابوالعباس تقی الدین، (م ٧٢٨ھ)، مجموع فتاوی، مرتبه، عبدالرحمٰن بن محمد، سعودی عرب، ١٣٩٨ھ۔

۱۰. ایضاً، منتقی الاخبار، دارالفکر، بیروت، ١٩٧٩ء۔

۱۱. ابن جریر محمد بن جریر ابوجعفر طبری، (م ٣١٠ھ)، جامع البیان فی تفسیر القرآن، دارالمعرفة، بیروت، ١٩٨٠ء۔

۱۲. ابن حجر احمد بن علی عسقلانی، (م ٨٥٢ھ)،الاصابه فی تمییز الصحابه، مکتبه الکلیات الازہریه، قاہره، ١٩٧٧ء۔

۱۳. ایضاً، فتح الباری لشرح البخاری، دارالنشر الکتب الاسلامیه، لاهور، ١٩٨١ء

١٥. ابن حزم ابو محمد علی بن احمد، (م ٨٥٢ھ)، المحلی، دارالآفاق الجدیدہ، بیروت، (ت۔ ن)۔

١٦. ابن درید ابوبکر محمد بن حسن الازدی البصری، (م ٣٢١ھ)، کتاب جمهرة اللغة، مکتبہ المثنی، بغداد، (ت۔ ن)۔

١٧. ابن رشد ابوالولید محمد بن احمد القرطبی، (م ٥٩٥ھ)، بدایة المجتهد و نهایة المقتصد، فاران اکیڈیمی، لاهور، (ت۔ن)۔

١٨. ابن سعد محمد بن سعد، (م ٢٨٩ھ)، الطبقات الکبری، دارصادر، بیروت، (ت۔ ن)۔

١٩. ابن سیده علی بن اسماعیل اللغوی، (م ٤٥٨ھ)، المحکم والمحیط الاعظم، المکتبه التجاریه، مکه مکرمه، ١٩٥٩ء۔

٢٠. ابن شحنه ابوالولید ابراهیم بن ابوالیمن محمد، (م ٨٨٢ھ)، لسان الحکام فی معرفة الاحکام، یلیه، معین الاحکام لعلی بن خلیل طرابلسی، مطبعة مصطفی البابی، مصر، ١٩٧٣ء۔

٢١. ابن عابدین محمد امین آفندی، (م ١٢٥٢ھ)، ردالمختار علی الدرالمختار، مکتبه رشیدیه، کوئٹه، ١٤١٢ھ۔

٢٢. ابن عبدالبرابوعمر یوسف بن عبدالله، (م ٤٦٣ھ)، الاستیعاب فی معرفة الاصحاب، بهامش، الاصابه لابن حجر دارصادر، بیروت، ١٣٢٨ھ۔

٢٣. ابن العربی ابوبکر محمد بن عبدالله، (م ٥٤٣ھ) احکام القرآن، تحقیق، علی محمد البجاوی، دارالمعرفة، بیروت، ١٩٧٢ء۔

٢٤. ابن قدامه موفق الدین عبدالله مقدسی، (م ٦٢٠ھ)، المغنی، مکتبه ریاض الحدیثه، ریاض، ١٩٨١ء۔

٢٥. ابن قیم الجوزیه شمس الدین ابوعبدالله محمد بن ابی بکر، (م ٧٥١ھ)، الطرق الحکمیه السیاسة الشریعه، مطبعة آداب المصریه، (ت۔ ن)۔

٢٦. ابن کثیر عمادالدین ابوالفداء، (م ٧٧٤ھ)، التفسیر القرآن، سهیل اکیڈیمی، لاهور، ١٩٧٢ء۔

کارخانہ کتب، کراچی، ۱۳۸۱ھ۔

۲۸. ابن منظور جمال الدین محمد بن مکرم، (م ۷۱۱ھ)، لسان العرب، دارصادر، بیروت، ۱٤۰۰ھ۔

۲۹. ابن نجیم زین الدین بن ابراھیم حنفی، (م ۹۷۰)، الاشباہ و النظائر، بیروت، ۱۹۸۳ء۔

۳۰. ایضاً، البحرالرائق شرح کنزالدقائق، مکتبہ حامدیہ، کوئٹہ، (ت۔ن)۔

۳۱. ابن ھشام ابو محمد عبدالملك، بن ھشام، (م ۲۱۳ھ)، السیرة النبویہ، تحقیق، مصطفی السقاً و اخری، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۳٦ء۔

۳۲. ابن ھمام کمال الدین محمد بن عبدالواحد، (م ۸٦۱ھ) فتح القدیر، المکتبہ الرشیدیہ کوئٹہ، (ت۔ن)۔

۳۳. ابوداود سلیمان بن اشعث، (م ۷۲۵ھ)، سنن ابی داود، ولی محمد کارخانہ کتب، کراچی، ۱۳٦۹ھ۔

۳٤. ابوزھرة محمد المصری، الجریمة والعقوبة فی الفقہ الاسلامی، دارالفکر، بیروت، (ت۔ن)

۳۵. احمد بن حنبل امام (م ۲٤۱ھ)، المسند، دارصادر، بیروت، (ت۔ن)

۳٦. احمد ابراھیم بك، (م ۱۹٤۵ھ)، کتاب المعاملات الشرعیة المالیہ، ادارة القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی، (ت۔ن)۔

۳۷. احمد حمد دکتور، نظریة النیابة فی الشریعة والقانون، دارلقلم، کویت، ۱۹۸۱ء۔

۳۸. احمد رضا شیخ، معجم متن اللغة، دارمکتبہ الحیاة، بیروت، ۱۹٦۰ء۔

۳۹. ارسلان محمد شھیر، القضاء والقضاة دراسة علمیة وادبیہ، دارالارشاد للطباعة والنشر، بیروت، ۱۹۷۹ء۔

٤۰. امین الدین محمد شافعی السید، (م ۸۹٤ھ)، جامع البیان، دارالنشر الکتب الاسلامیہ، گوجرانوالہ، ۱۹۷٦ء۔

٤۱. بخاری محمد بن اسماعیل، (م ۲۵٦ھ)، الجامع الصحیح، نور محمد، کراچی، ۱۹٤۸ء۔

قائداعظم لائبریری، لاهور، نمبر، ۲۵۶۰۱۱، ب ۴۹۱م.

۴۳. بطرس بستانی، (م ۱۸۸۳ء)، محیط المحیط، مکتبه لبنان، بیروت، ۱۹۷۷ء.

۴۴. بغوی حسین بن مسعود، (م ۵۱۶ھ)، شرح السنة، المکتبه للاسلامی، بیروت، ۱۹۸۳ء.

۴۵. البکری السید ابوبکر عثمان، بن السید محمد شطاء الدمیاطی، اعانة الطالبین، داراحیاء التراث العربی، بیروت، (ت. ن).

۴۶. بلاذری احمد بن یحیٰی، (م ۲۷۹ھ)، انساب الاشراف، تحقیق، الشیخ محمد باقر، مؤسسة الاعلمی للمطبوعات، بیروت، ۱۹۷۶ء.

۴۷. البهوتی منصور بن یونس، (م ۱۰۵۱ھ)، کشاف القناع عن متن الاقناع، عالم الکتب، بیروت، ۱۹۸۳ء.

۴۸. بیضاوی ناصر الدین ابی سعید عبدالله بن عمر شیرازی، (م ۷۹۱ھ)، انوارالتنزیل،(تفسیربیضاوی)، مصطفی البابی الحلبی، مصر، ۱۹۵۵ء.

۴۹. البیهقی احمد بن حسین بن علی، (م ۴۵۸ھ)، السنن الکبری، دارالفکر، بیروت، (ت. ن).

۵۰. ترمذی ابوعیسٰی محمد بن موسی، (م ۲۷۹ھ)، جامع الترمذی، مکتبه رحیمیه، دیوبند، ۱۹۵۲ء.

۵۱. تقی عثمانی محمد بن محمد شفیع مفتی، تکملة فتح الملهم شرح صحیح مسلم لشبیر احمد عثمانی، مکتبه دارالعلوم، کراچی، ۱۴۰۷ھ.

۵۲. تهانوی محمد اعلی، (م ۱۱۹۱ھ)، کشاف اصطلاح الفنون، سهیل اکیڈیمی، لاهور، ۱۹۹۳ء.

۵۳. جرجانی السید شریف علی بن محمد الحنفی، (م ۸۱۶ھ)، التعریفات، المکتبه الحمادیه، کراچی، ۱۹۸۳ء.

۵۴. الجزیری عبدالرحمن بن محمد عوض، (م ۱۹۴۱ء)، کتاب الفقه علی مذاهب الاربعة، المکتبه التجاریه الکبری، دارالفکر، بیروت، ۱۹۶۹ء.

۵۵. جصاص ابوبکر احمد بن علی رازی، (م ۳۷۰ھ)، احکام القرآن، دارالکتاب

٥٦. جوہری ابونصر اسماعیل بن حماد، (م ١٠٠٣ھ)، تاج اللغة و صحاح العربیه، المطبعة المصریه، مصر، ١٩٧٩ء۔

٥٧. حاجی خلیفه مصطفی بن عبدالله، (م ١٠٦٧ھ)، کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون، مکتبه المثنی، بیروت، ١٩٤١ء۔

٥٨. حاکم محمد بن عبدالله نیشاپوری، (م ٤٠٥ھ)، المستدرك علی الصحیین، دارالمعرفة، بیروت، (ت۔ن)۔

٥٩. حداد یمنی ابوبکر بن علی بن محمد، (م ٨٠٠ھ)، الجوہره النیره علی المختصر القدوری، مکتبه امدادیه، ملتان، (ت۔ن)۔

٦٠. خازن علی بن محمد بن ابراهیم بغدادی، (م ٧٤١ھ)، لباب التاویل فی معانی التنزیل، المعروف تفسیر خازن، دارالمعرفة للطباعة والنشر، بیروت، (ت۔ن)۔

٦١. خالد الاتاسی محمد مفتی حمص، شرح المجله الاحکام العدلیه، مکتبه اسلامیه، کوئٹه، ١٤٠٣ھ۔

٦٢. خزرجی صفی الدین احمد بن عبدالله، (م ٩٢٣ھ)، خلاصه تذهیب تهذیب الکمال فی اسماء الرجال، المکتبه الاثریه، سانگله ہل، (ت۔ن)۔

٦٣. خطیب بغدادی ابوبکر احمد بن علی، (م ٤٦٣ھ)، تاریخ بغداد، المکتبه السلفیه، مدینه منوره، (ت۔ن)۔

٦٤. دارقطنی علی بن عمر، (م ٣٨٥ھ)، سنن الدارقطنی، السید عبدالله ہاشم یمانی، المدینه المنوره، ١٩٦٦ء۔

٦٥. دسوقی شمس الدین الشیخ محمد، (م ١٢٣٠ھ)، حاشیه الدسوقی علی الشرح الکبیر، داراحیاء الکتب العربیه، بیروت، (ت۔ن)۔

٦٦. الذهبی شمس الدین ابوعبدالله محمد بن احمد، (م ٧٤٨ھ) تذکرة الحفاظ، دارالفکر، مکه مکرمه، ١٣٧٤ھ۔

٦٧. رازی فخرالدین ابوعبدالله محمد بن عمر، (م ٦٠٦ھ)، التفسیر الکبیر، دارالکتب علمیه، طهران، (ت۔ن)۔

٦٨. راغب حسین بن محمد اصفهانی، (م ٥٠٢ھ)، المفردات فی غریب القرآن،

٦٩. رواس قلعه جی و حامد صادق قنیجی، معجم لغة الفقهاء، (عربی و انگریزی)، ادارة القران والعلوم الاسلامیه، کراچی، ١٤٠٤ه.

٧٠. زبیدی محمد مرتضی محب الدین، (م ١٢٠٥ه)، تاج العروس من جواہر القاموس، المطبقه الخیریه، مصر، ١٣٠٦ه.

٧١. زمخشری محمود بن عمر، (م ٥٣٨ه)، الفائق فی غریب الحدیث، دارالمعرفة، بیروت، (ت. ن).

٧٢. ایضاً، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل، دارالکتاب العربی، بیروت، لبنان، (ت. ن).

٧٣. زیلعی فخرالدین عثمان بن علی، (م ٧٤٣ه)، تبیین الحقائق لشرح کنزالدقائق، مکتبه امدادیه، ملتان، (ت. ن).

٧٤. زین الدین عبدالرحمن، (م ٨٠٦ه)، التقیید والایضاع شرح مقدمه لابن صلاح، ناشر، دارالعلوم حقانیه، اکوڑه خٹك، ١٩٦٩ء.

٧٥. السبکی تقی الدین امام ابوالحسن علی، (م ٧٥٦ه)، تکملة المجموع شرح المهذب، المکتبه السلفیه، مدینه منوره، (ت. ن).

٧٦. السرخسی شمس الدین، (م ٤٨٣ه)، المبسوط، دارالمعرفة، بیروت، (ت. ن).

٧٧. سعدی ابوجیب، القاموس الفقهیه ، دارالفکر، بیروت، ١٩٨٢ء.

٧٨. سعید لبنانی، اقرب المورد فی فصح العربیه، منشورات مکتبه ایت الله العظمی، قم، ایران، ١٤٠٣ه.

٧٩. سمرقندی ابواللیث، (م ٣٧٣ه)، فتاوی النوازل، بلوچستان بك ڈپو، کوئٹه، ١٩٨٥ء.

٨٠. السنهوری عبدالرزاق دکتور،مصادر الحق فی الفقه الاسلامی، داراحیاء التراث العربی، بیروت، (ت. ن).

٨١. ایضاً، الوسیط فی شرح القانون المدنی، دارالنهضة قاہرہ، ١٩٦٤.

٨٢. السید سابق، فقه السنة، دارالکتاب العربیه، بیروت، ١٩٧١ء.

٨٣. الشافعی ابوعبدالله محمد بن ادریس، (م ٢٠٤ه)، کتاب الام، دارالمعرفة

٨٤. الشربینی شیخ محمد بن احمد الخطیب شافعی، (م ٩٧٧هـ)، مغنی المحتاج، دارالفکر، بیروت، (ت۔ ن)۔

٨٥. الشعرانی المواہب عبدالوہاب بن احمد الشافعی، (م ٩٧٣هـ)، المیزان الکبری، دارالفکر، بیروت، (ت۔ ن)۔

٨٦. شمس الدین محمد بن ابوالعباس احمد بن حمزہ، (م ١٠٠٤هـ)، نہایۃ المحتاج الی شرح المنہاج، دارالفکر، بیروت، ١٩٨٤ء۔

٨٧. شوکانی محمد بن علی بن محمد، (م ١٢٥٠هـ)، نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار، انصار السنۃ المحمدیہ، لاہور، (ت۔ن)۔

٨٨. شیبانی محمد بن حسن امام، (م ١٨٩هـ) الجامع الصغیر، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی، (ت۔ ن)۔

٨٩. ایضاً، الجامع الکبیر، دارالمعارف النعمانیہ، لاہور، ١٩٨١ء۔

٩٠. ایضاً، کتاب الاصل (المبسوط)، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی، (ت۔ ن)۔

٩١. شیرازی ابواسحاق ابراہیم بن علی یوسف فیروز آبادی، (م ٤٧٦هـ)، المہذب فی فقہ مذہب امام شافعی، دارالمامون، مصر، (ت۔ ن)۔

٩٢. صفدی صلاح الدین خلیل بن ایبک، (م ٧٦٤هـ)، کتاب الوافی بالوفیات، دارنشر فرانز، دارصادر، بیروت، ١٩٧٤ء۔

٩٣. طاہر بن عبدالرشید، خلاصۃ الفتاوی، امجد اکیڈیمی، لاہور، ١٣٩٧هـ۔

٩٤. طحطاوی احمد بن محمد بن اسماعیل (م ١٢٣١هـ)، حاشیہ الطحطاوی علی الدرالمختار، داراالمعرفۃ للطباعۃ والنشر، بیروت، ١٩٧٥۔

٩٥. عبدالرحمن ابراہیم عبدالعزیز، القضاء و نظامہ فی الکتاب والسنۃ، جامعہ ام القری، مکہ مکرمہ، ١٩٨٤ء۔

٩٦. عبدالرحمن مبارکپوری، (م ١٩٣٣ء)، تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی، ادارۃ الحکیم ذکی احمد امروھوی، ١٣٥٢هـ۔

٩٧. عبدالرزاق امام، (م ٢١١هـ)، المصنف، منشورات المجلس العلمی، بیروت،

۹۸۔ عبیداللہ بن مسعود (م ۷٤۷ھ) شرح الوقایہ، سعید کمپنی، کراچی، (ت.ن).

۹۹۔ عثمانی ظفر احمد تھانوی، (م ۱۳۲۹ھ)، اعلاء السنن، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی، (ت. ن).

۱۰۰۔ عظیم آبادی شمس الحق محمد، (م ۱۳۲۹ھ)، عون المعبود لشرح سنن ابی داود، دارالفکر، بیروت، ۱۹۷۹ء.

۱۰۱۔ علاؤالدین محمد حنفی بن علی بن محمد، (م ۱۰۸۸ھ)، الدرالمختار، ناشر قاضی ابراھیم، بمبئی، (ت. ن).

۱۰۲۔ عمیم الاحسان مجددی، قواعد الفقه، الصدق پبلشرز، کراچی، ۱٤۰٦ھ.

۱۰۳۔ عوده عبدالقادر، التشریع الجنائی الاسلامی، موسسة الرسالة، بیروت ۱۹۸۱ء.

۱۰٤۔ عینی بدرالدین، ابومحمد محمود بن احمد، (م ۸۵۵ھ) البنایه المعروف عینی لشرح بدایه، المکتبه الامدادیه، ملتان، (ت. ن).

۱۰۵۔ ایضاً، عمدة القاری لشرح الصحیح البخاری، دارالفکر، بیروت، (ت. ن).

۱۰٦۔ غزالی ابو محمد محمود بن احمد، (م ۵۰۵ھ)، احیاء علوم الدین، مطبقه العامره الشریفه، مصر، ۱۳۲٦ھ.

۱۰۷۔ فرابیدی خلیل بن احمد، (م ۱۷۵ھ) کتاب العین، منشورات دارالھجرة، قم، ایران، ۱٤۰۵.

۱۰۸۔ فیروز آبادی مجدالدین محمد بن یعقوب شیرازی، (م ۸۱۷ھ)، تنویر المقیاس المعروف تفسیر ابن عباس، فاروقی کتب خانه، ملتان، (ت. ن).

۱۰۹۔ ایضاً، القاموس المحیط، دارالمامون، مصر، (ت.ن).

۱۱۰۔ قاضی خان فخرالدین حسین بن منصور، (م ۵۹۲ھ)، فتاوی قاضی خان، حافظ کتب خانه، کوئٹه، ۱۹۹۰ء.

۱۱۱۔ قدوری احمد بن محمد، (م ٤۲۸ھ)، المختصر قدوری، سراج دین پبلشرز، لاھور، (ت. ن).

۱۱۲۔ قرضاوی یوسف، فقه الزکاة، مؤسسة الرسالة، بیروت، ۱۹۸۱ء.

۱۱۳۔ قرطبی ابوعبدالله محمد بن احمد بن ابی بکر، (م ٦۷۱ھ)، (تفسیر) جامع

۱۱٤۔ قسطلانی ابوالعباس شہاب الدین احمد بن محمد، (م ۹۳٤ھ)، ارشاد الساری لشرح الصحیح البخاری، المطبعة الکبری الامیریه، بولاق، مصر، ۱۳۰٤ھ۔

۱۱۵۔ قفال الشاشی سیف الدین ابی بکر محمد بن احمد، (۵۰۷ھ)، حلیة العلماء فی معرفة مذاهب الفقهاء، دارالباز، مکتبه الرسالة الحدیثه، مکه مکرمه، ۱۹۸۸ء۔

۱۱٦۔ کاسانی ابوبکر علاؤ الدین بن مسعود، (م ۵۸۷ھ) بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، سعید کمپنی، کراچی، (ت۔ ن)۔

۱۱۷۔ مالك بن انس امام، (م ۱۷۹ھ) المؤطا، میر محمد کتب خانه، کراچی، (ت۔ ن)۔

۱۱۸۔ المرادوی علاؤ الدین علی بن عثمان حنبلی، (م ۸۸۵ھ)، الانصاف فی معرفة الراجح من الخلاف، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۵٦ء۔

۱۱۹۔ مرغینانی برہان الدین علی بن ابی بکر، (م ۵۹۳ھ)، الهدایه، محمد علی کارخانه کتب، کراچی، (ت۔ ن)۔

۱۲۰۔ مسلم بن حجاج ابوالحسن، (م ۲٦۱ھ)، الجامع الصحیح، مطبعة علیمی، دہلی، ۱۳٤۸ھ۔

۱۲۱۔ مقدسی ابوالنجاء شرف الدین موسی، (م ۹٦۸ھ)، الاقناع فی فقه امام احمد بن حنبل، دارالمعرفة للطباعة والنشر، بیروت، (ت۔ ن)۔

۱۲۲۔ ملا احمد جیون بن ابوسعید، (م ۱۱۳۰ھ) نورالانوار، سعید کمپنی، کراچی، ۱۳٦۷ھ۔

۱۲۳۔ مودودی ابوالاعلی، (م ۱۹۷۹ء)، نظریة الاسلام و ہدیه فی السیاسة والقانون والدستوز، مؤسسة الرسالة، بیروت، ۱۹٦۹ء۔

۱۲٤۔ نابلسی علی بن خلیل ابوالحسن الطرابلسی الحنفی (م ۸٤٤ھ)، معین الاحکام فیما یتردد بین الخصمین من الاحکام، مطبعة مصطفی البابی، مصر، ۱۹۷۳ء۔

۱۲۵۔ نباہی الشیخ ابوالحسن بن عبدالله بن الحسن الاندلسی، (م ۷۹۳ھ)، تاریخ القضاة الاندلس، تحقیق، لجنة احیاء التراث العربی فی دارالآفاق الحدیثه، دارالافاق الحدیثه، بیروت، ۱۹۸۰ء۔

۱۲٦۔ نسائی ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب، (م ۳۰۳ھ)، سنن نسائی، قدیمی کتب

١٢٧۔ نسفی عبداللہ بن احمد بن محمود، (م ٧١٠ھ)، تفسیر نسفی المعروف تفسیر مدارک، دارالکتاب العربی، بیروت، (ت۔ ن)۔

١٢٨۔ ایضاً، کنزالدقائق، المکتبہ العربیہ، کراچی، ١٣٤٨ھ۔

١٢٩۔ نسفی نجم الدین بن حفص، (م ٥٣٧ھ)، طلبة الطلبہ فی اصطلاحات الفقہیہ، دارالقلم، بیروت، ١٩٨٦ء۔

١٣٠۔ نظام شیخ، و جماعة، فتاویٰ ہندیہ، نورانی کتب خانہ، پشاور، (ت۔ ن)۔

١٣١۔ نووی ابو زکر یا یحیی بن شرف، (م ٦٧٦ھ)، المجموع شرح المہذب، مع تکملہ شرح المہذب لسبکی، المکتبہ السلفیہ، مدینہ منورہ، (ت۔ ن)۔

١٣٢۔ ایضاً، منہاج الطالبین بذیل مغنی المحتاج لشربینی، دارالفکر، بیروت، (ت۔ ن)۔

١٣٣۔ نویری شہاب الدین احمد بن عبدالوہاب، (م ٧٣٣ھ)، نہایة الارب فی فنون الادب، دارالکتب مصریہ، قاہرہ، ١٩٢٦ء۔

١٣٤۔ وکیع محمد بن خلف، (م ٣٠٦ھ) اخبار القضاة، عالم الکتب، بیروت، (ت۔ ن)۔

١٣٥۔ وھبة الزحیلی الدکتور، التفسیر المنیرفی العقیدہ والشریعة والمنہج، دارالفکر، بیروت، ١٩٩١ء۔

١٣٦۔ ایضاً، الفقہ الاسلامی وادلة، دارالفکر، بیروت، ١٩٨٤ء۔

١٣٧۔ الھیثمی حافظ نورالدین علی بن ابی بکر، مجمع الزوائد و منبع الفوائد مکتبہ القدسی، القاہرہ، ١٣٥٢ھ۔

معاجم مجلات

١۔ مجلہ الاحکام العدلیہ، نور محمد کتب خانہ، کراچی، (ت۔ ن)۔

٢۔ مجلہ الاحکام العدلیہ (ترجمہ، عبدالقدوس ہاشمی)، محکمہ اوقاف پنجاب، لاہور، ١٩٨١ء۔

٣۔ المنجد فیہ اللغة والاعلام، دارالمشرق، بیروت، ١٩٧٣ء۔

٤۔ دائرہ معارف اسلامیہ، (اردو) پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ١٩٧٨ء۔

اردو کتب

۱۔ ابن الاثیر، اسد الغابہ، مترجم عبدالشکور فاروقی، مکتبہ نبویہ، لاہور، ۱۴۰۷ء۔

۲۔ ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، مترجم، حکیم احمد حسین، نفیس اکیڈیمی، کراچی، ۱۹۷۷ء۔

۳۔ احسن نانوتوی، خرم علی، غایۃ الاوطار شرح الدر المختار، ایچ۔ ایم۔ سعید کمپنی، کراچی، ۱۳۹۸۔

۴۔ احمد حسن صدیق ارشد اور غلام مرتضیٰ آزاد، حدود و تعزیرات، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۸۲ء۔

۵۔ احمد رضا خاں، فتاویٰ رضویہ، سنی دار الاشاعت، فیصل آباد، ۱۹۷۴ء۔

ایضاً، رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ، لاہور، ۱۹۹۱ء۔

۶۔ احمد یار خاں، مراۃ شرح مشکوۃ المصابیح، نعیمی کتب خانہ، گجرات، (ت۔ن)۔

۷۔ امجد علی، بہار شریعت، شیخ غلام علی، لاہور، (ت۔ن)۔

۸۔ بولائتھو ہیکٹر، پاکستان کا بانی محمد علی جناح، ترجمہ زبیر صدیقی، "تیسرا ایڈیشن" مرکزی اردو بورڈ، لاہور، ۱۹۸۱ء۔

۹۔ پرویز غلام احمد، لغات القرآن، ادارہ طلوع اسلام، لاہور، ۱۹۸۴ء۔

۱۰۔ تنزیل الرحمٰن جسٹس ڈاکٹر، مجموعہ قوانین اسلام، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۹۱ء۔

۱۱۔ جمیل جالبی ڈاکٹر، قومی انگریزی اردو لغت، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۲ء۔

۱۲۔ حنیف گنگوہی، طلوع النیرین شرح ہدایہ اخرین، المکتبہ الاشرفیہ، لاہور، (ت۔ن)۔

۱۳۔ ایضاً، معدن الحقائق، شرح کنز الدقائق، المکتبہ الاشرفیہ، لاہور، ۱۹۸۸ھ۔

۱۴۔ خلیل احمد محدث سہارنپوری، فتاویٰ مظاہر العلوم المعروف فتاویٰ خلیلیہ، ترتیب و تدوین، سید محمد خالد، مکتبہ الشیخ، کراچی، ۱۴۰۳ء۔

۱۵۔ خلیل الرحمٰن نعمانی و دیگر، المعجم (اردو عربی لغات)، دار الاشاعت، کراچی، ۱۹۷۴ء۔

۱۶۔ رشید احمد مفتی لدھیانوی، احسن الفتاوی، قرآن محل، کراچی، (ت۔ن)۔

۱۷۔ ساجد الرحمٰن صدیقی ڈاکٹر، اسلام کا فوجداری نظام، ترجمہ التشریع الجنائی الاسلامی، لعبد القادر عودہ، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۸ء۔

۱۸۔ شاہ محمد مسعود، فتاویٰ مسعودی، مرتبہ، ڈاکٹر مسعود احمد، سرہند پبلی کیشنز، کراچی، ۱۹۸۷ء۔

۱۹۔ شاہ ولی اللہ، ازالۃ الخفاء، مترجم، اشتیاق احمد، قدیمی کتب خانہ، کراچی، (ت۔ن)۔

۲۰۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی، دار الاشاعت، کراچی، ۱۹۸۵ء۔

۲۱۔ عبدالرحمٰن جزیری، کتاب الفقہ، مترجم، منظور احمد عباسی، محکمہ اوقاف پنجاب، لاہور، ۱۹۷۷ء۔

۲۲۔ عبدالرحمٰن منشی، کچہری کی دنیا، کاروان ادب، ملتان، ۱۹۷۸ء۔

۲۳۔ عبدالعزیز محدث دہلوی، فتاویٰ عزیزیہ، سعید کمپنی، کراچی، ۱۹۶۹ء۔

۲۴۔ عبدالواحد ڈاکٹر و مجلس منتظمہ، ربوا اور مضاربت، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۸۳ء۔

۲۵۔ عرفانی عبدالمالک، اسلام کا قانون شہادت، قانونی کتب خانہ، لاہور، ۱۹۸۰ء۔

۲۶۔ عزیز الرحمٰن عثمانی، فتاویٰ دار العلوم دیوبند، مکتبہ امدادیہ، ملتان، (ت۔ن)۔

۲۷۔ غلام رسول رضوی، تفہیم بخاری، جامعہ رضویہ، فیصل آباد، (ت۔ن)۔

۲۸۔ کرم حیدری، ملت کا پاسبان، قائد اعظم اکیڈیمی، کراچی، ۱۹۹۱ء۔

۲۹۔ کرم شاہ پیر، تفسیر ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۱۳۹۹ء۔

۳۰۔ محمد دین ملک، رہنمائے وکالت، ایلین برادوڈ، ٹمپل روڈ لاہور، ۱۹۸۸ء۔

۳۱۔ محمد ذکی، اشراق نوری ترجمہ المختصر قدوری، سعید کمپنی، کراچی، ۱۴۱۲ء۔

۳۲۔ محمد شفیع مفتی، تفسیر معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی، ۱۹۷۸ء۔

۳۳۔ محمود احمد غازی، ادب القاضی، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۸۳ء۔

۳۴۔ نور بخش توکلی، سیرت رسول عربی، مکتبہ رضویہ، کراچی، (ت۔ن)۔

۳۵۔ وحید الزمان شرح ابی داود، نعمانی کتب خانہ، کراچی، ۱۹۸۷ء۔

۳۶۔ ھیکل محمد حسین، حیات محمد، ترجمہ، ابو یحییٰ امام خان نوشیروی، علم و عرفان پبلشرز، لاہور ۱۹۹۹ء۔

رسائل واخبار

۱۔ سہ ماہی منہاج، مرکز تحقیق، دیال سنگھ لائبریری، لاہور
جلد اول، شمارہ نمبر ۴۔ اکتوبر ۱۹۸۳ء۔
جلد سوم، شمارہ نمبر ۲۔ اپریل ۱۹۸۵ء۔
جلد پنجم، شمارہ نمبر ۱۔۲، جون ۱۹۸۸ء۔

۲۔ نقوش، رسول نمبر، شمارہ نمبر ۱۳۰، ادارہ فروغ اردو، لاہور، جنوری، ۱۹۸۵ء۔

3- PLD. Journal, Vol. XXXIX, 5/1987-

4- The Suprene Court Monthly Review. Vol. XVII, Lahore, 1984.

۵۔ روزنامہ اوصاف، اسلام آباد، ۲۹ مارچ ۱۹۹۸ء۔

ایکٹس اینڈ رولز

۱۔ شرح مجموعہ تعزیرات پاکستان، محمد شفیع باجوہ، ناشر، احسان الحق قریشی، لاہور، ۱۹۸۹ء۔

۲۔ قانون دادرسی، راجہ سید اکبر خاں، پی ایل ڈی پبلشرز، لاہور، ۱۹۹۲ء۔

۳۔ قانون شہادت، جسٹس محمد منیر، پی ایل۔ڈی، پبلشرز، لاہور، ۱۹۹۲ء۔

۴۔ قانون معاہدہ، ضمیر الدین سہروردی، مکتبہ فریدی، کراچی، ۱۹۸۷ء۔

۵۔ قانون معاہدہ، ایم۔اے۔ملک، پی ایل ڈی پبلشرز، لاہور ۱۹۹۱ء۔

1- Constitution of Pakistan, 1973, Lahore, Kausar Brothers, 1986.

2- The Contract Act, 1872, with Exhaust commentary By. M.A. Mannan, Lahore. P.L.D. Publishers,(N.D.)-

3- The Contract Act 1872 by Shaukat Mahmood and Nadeem Shaukat Lahore, Legal Resench, Center, 1988.

4- Bar Council Act, 1973, by, Syed Ali Abid, Lahore, Kausar Brothers. 1993.

5- A Hand Book of Supreme Count Rules, 1980, by M.A Farooqi, Lahore, P.L.D Publishers, 1989.

6- The Pakistan Supreme Court Rules. (Amended Act, 1980), by M.G. Hussain, Lahore, Shan Book corporation, (N.D.)-

7- The Legal Practitioners and Bar. Council Act with Rules, 1973 by S.A. Khan, Lahore, Mansoor Book House, (N.D.)-.

8- Law and Parctice of Incom Tax, 1982-83.by
Mian Zahur-ud-din, Lahore,
Pakistan Law Book Agency (N.D.)-

9- Mogha on the Law of Pleading with Proceding by Sardar Muhammad Iqbal Moukal, Lahore, Law Publishing company, 1997.

Encyclopedias

1- Encyclopedia Americana, Grolies In corproated, U.S.A, 1980.

2- Everymans' Encyclopedia, Londen, J.M.Dent and sons, Ltd., 1978.

3- The New Encyclopedia of Britannica, London, London, University of chicago, 1973.

4- The New Webester,s Dictionary English Language, Bernordi Cayne and others, Lexicon Publishers, U.S.A., 1987.

5- Stiengass F., Arabic English Dictionary, Lahore, Sang-e-Meel Publications, 1979.

6- Websters Encyclopedic Unabridged Dictionary English Language, Germany Book company, Avend New Jersey. U.S.A., 1989.

ADVOCACY IN ISLAM

SUMMARY OF THE THESIS FOR
PH.D IN ISLAMIC CULTURE

Researcher
Mahfooz Ahmad
Moh. Faizabad, Bhulair Road,
Sangla Hill, Distt Sheikhupura.

Supervisor
Muhtermah Prof. Dr. Mumtaz Bhutto,
Dean Faculty of Islamic Studies,
Sindh University, Jamshoro.

DEPARTMENT OF COMPARATIVE RELIGION
AND ISLAMIC CULTURE

**The University of Sindh Allama I.I. Kazi
Campus Jamshoro (Hyderabad)**

2000

JUSTIFICATION AND SCOPE OF PROPOSED TOPIC

Among the existing religions which came into being with the human race, divine or non-divine, the religion Islam enjoys the supremacy that it ranges all aspects of human life comprehensively by providing perfect laws.

Advocacy is that aspect of human life the need of which, man excessively feels due to his engagements, disease, journey and humility. Keeping in view this question, advocacy is considered a profession of paramount importance and honour.

Islam offers a complete code for mankind based on this requirement. Whereas, in Europe this system set going in 18th century A.D. Advocacy system of Islam is extensively wide, which except a few exception (Believes, Corporal prayers, Zihar, Lian lela, Evidence, Swear, and Plunder etc.) dominating all aspects of life (Enmities and penal, Buying and Selling Family system, Worships, and Civil matters). Furthermore, detailed dictates are available for overcoming all aspects of advocacy, while modern concept of advocacy is limited to punishment and commercial transactions. If it is to be said that modern concept of advocacy is practical shape of two sides of Islamic systems of Advocacy, them it will not be improper. As such following subjects can be discussed in this thesis for stream lining to anaylitical approach.

In that topic, in which following subjects are included in particular.

1. Advocacy system of Islam;
2. Modern concept of Advocacy;
3. Demerits of present system of Advocacy;
4. Characteristics of Islamic system of Advocacy;

In the light of above mentioned subjects, the following advantages can be obtained.

1. To bring close the modern Advocacy and the Islamic system of Advocacy;
2. To bring Advocacy in practice based on Islamic principles.;
3. Helpful to deserver in achieving their rights;
4. For criminal in inflicting punishment;
5. Prompt decision of cases;
6. Getting rid of unnecessary enlargement and delaying of cases;
7. To decrease crimes in Islamic society.

Keeping in view the requirements and advantages.

"AN ANALYTICAL STUDY OF ADVOCACY IN ISLAM"

The topic calls for the need of research at PH.D level. The research made on this topic can be helpful in Pakistan for establishment of Islamic system of Justice. And in Pakistan Society in addition to penal buying and selling advocacy can bring practical change in other sphere and aspects of life in accordance with Islamic rules.

This thesis has been arranged in seven chapters in accordance with the research.

CHAPTER 1

This chapter is based upon the meanings and legality of wakalat/advocacy. It comprises five sections. The first section deals with literal and terminological shades of advocacy, while the second one goes into its Quranic and Hadith interpretation. The third section describes advocacy practised before Islam. The fourth is about the Quran,

CHAPTER 2

This chapter is entitled "Kinds and Forms of Advocacy". This chapter consists of four sections. Kinds of advocacy are described in the first section. The forms of advocacy have been explained in second section. In the third section advocacy and will, delegation, contractor-ship, message communication have been compared and contrasted. The fourth section discusses advocacy as profession for the sake of livelihood.

CHAPTER 3

This chapter describes reasons, elements, parts, conditions and order of advocacy. This chapter is divided into three sub-chapters. In the first sub-chapter reasons of advocacy are mentioned. Elements and parts of advocacy are highlighted in the second sub-chapter. The third sub-chapter deals with the conditions and order of advocacy.

CHAPTER 4

This chapter comprises orders of advocacy. This chapter consists of seven sections. In the first section the general principal of advocacy have been discussed. The second deals with orders of Uqood-e-Tamleqat, (selling, buying, marriage, lease, gift and receiving of debt). The third section discusses Uqood-ul-Isqatat, (divorce, Khula, Payment of debt and forgiveness of retaliation). The fourth section is about Uqood-ul-Musharkat, (partnership, agricultural partnership and muzarbat). The fifth section consists of Uqood-u-Tuseeq Watameen wal hifz, (guaranty, transfer of debt, mortage,

Kaffarat, (financial prayers, vows and atonements for sins) and the seventh section is related to Janayat-u-Uqoobat (Qisas, Hadood and Tazirat).

CHAPTER 5

This chapter is about the exceptions of advocacy. It consists of the six sections. First section contains believes and faith. The second describes the exceptions of worships (corporal). In the third section are discussed exceptions dealings or affairs (booty, oath, qisaamat, evidence). Fourth sectin relates to exceptions of matters of marraige (lian, ila, zihar, rajaat, razaat). The fifth section is about exceptions of Jinayai-u-aqoobat (ifa-e-qisas wal had and Isbat-e-Had (Shurb-e-khamar and zina). In the sixth section exceptions of prohibited affairs and permissible goods are explained.

CHAPTER 6

This chapter deals with rights of the advocate. It consists of the four sections. Section one discusses the right of the advocate and appointment of another lawyer by the advocate. In the second section the role of the advocate has been highlighted in case of nomination of two advocates by the client, or nomination one advocate by two or more than two client. Third section deals with the differences between the client and the advocate. The fourth and last section is about the forms and reasons of dissolution of advocacy.

CHAPTER 7

Advocacy in the modern age, conclusions and suggestions have been discussed in this chapter, which has six sections. Section one contains the history, forms, duties and powers of the advocate in civil and criminal cases. Section second discusses the role of advocate/agent in buying and selling matters. In the third section a comparative

made. The fourth section discusses the role of the advocate in the prevalent judicial system. Section five deals with the Islamic principles of advocacy. Section six deals with the conclusions derived from the research and suggestions about how to benefits from the research and how to create harmony between the Islamic and modern system of advocacy.

Last but not the least I pray to almighty Allah to bless this the humble effort of mine which is academic and research oriented.

Mahfooz Ahmad
Associate Professor (Islamiat),
Govt., Taleem-ul-Islam College,
Chanab Nagar, (Rabwa) Distt. Jhang

Date 3-11-2002

Dr. Mahfooz Ahmad
Associate Professor, (Islamiat)
G. C. University, Faisalabad.

1. The preparation of the thesis is based mostly on the guidance of my supervisor (Muhterma Prof. Dr. Mumtaz Bhutto. Dean feculty of Islamic stuides, Jamia Sindh, Jamshoro.

2. Original sources but in case of non availability of original sources the secondary sources have been relied upon.

3. In addition to that some authentic Scholars/Lawyers have also been consulted.

4. In this thesis with the keep of basic sources of dictionary, advocacy will be detained in term and dictionary, further more the theme and justification of advocacy will be brought to light by taking advantage of the Holy Quran and books of Hadith. From the original and secondary books of four sects detailed orders will be taken down. The concept of modern advocacy will be written with the help of law books, acts, rules and encyclopedias.

5. In addition to books, journals and newspapers have also been consulted.

6. In this thesis the Harward footnote and reference system has been followed. The footnotes and reference have been given inserted in the end of every chapter.

7. Important and big libraries will be utilized and every topic will be judged impeccably.

8. Relevant bibliography has also been maintained at the end.

CHAPTER NO. 1

MEANING AND LEGALITY OF WAKALAT

Meaning of Wakalat:

In Arabic language the word "wakalat" denotes delegation of power, humility, deputation, security and protection, trust, confidence and obligation. The word wakalat is composed of the letter "وکل" So wakil is intensive (sifat mushabbah) and is used as subject and object. Its plural is wukala "وکلاء" In Arabic Jari "جری" and muhami "محامی" are its substitute words. In English deputy, proxy, agent, advocate, attorney, lawyer, representative and counsel are the words used in this meaning.

The word wakalat is read in two pronunciations, one is zabar on waw "بفتح الواؤ" and the second is zer under waw "بکسرالواؤ" The later style is now obsolete. The word "wakalat" is used with two prepositions, one is "ل" and the second is "علیٰ" As is said "توکلت لفلان" I am under responsibility of such and such person.

Allah Taala said in Surat Talaq:

"ومن يتوكل على الله فهو حسبه"(3/65)

Whoever trusts in Allah, He is sufficient for him;

Terminological meanings:

The Islamic Jurisprudents have expalined several conventional meanings of wakalat. Few exemples are as given below:

(i) According to Imam Sarkhasi (D. 483 H.) delegation of powers to somebody, so that he may use his authority in disposing off goods material and other responsibilities, is called wakalat.

(iii) Allama Khatib Sharbini (D. 927 H.) describes that wakalat means to entrust one's material goods and proxyable duty to someone, so that he may act on behalf of his client during his life period.

(iv) Allama Ala-u-din Hanafi (D. 1088 H.) states in Durr-e-Mukhtar that wakalat means to appoint a person for a lawful and known purpose because of facility of luxury and of some personal disability.

The gist of all above is that the wakalat is a contract in which a person delegates his power to another person or a group delegates power to another group to act on his or their behalf to settle the known, lawful and proxyable matter during the life time because of luxury and personal disability for special and general matters.

In English Wakalat is called advocacy, or to be attorney and agent in the suit.

For the root wakal "وکل" thirteen different words have been used seventy time in The Holy Quran. In addition to its literal meaning, this word is used in the sense of preventer, "مانع" sustainer "رب" watcher "مسلط", evidence "شهيد" Protector "رقيب" guarantor "كفيل" savior "محامی" lord "متصرف" and messenger "مرسل" in The Holy Quran.

In Hadith the words for wakal have been also used several time in the sense of trust, delegate, guarantee, send and as deputy etc.

Advocacy before Islam:

First of all in Islam advocacy or Wakalat and the details of its relevant orders have been formed. Before Islam the concept of advocacy existed in different forms and meanings.

Mustafa (may the blessing and mercy of Allah be upon him) once pointed out three persons who prayed to Allah by thinking about their doing of noble deeds which because the cause of opening of entrance of a cave. According to Hadith one of those persons prayed as;

My Allah! I employed a labourer to shell or husk the rice. When the labourer completed his assignment, I desired to give him due wages. But the labourer refused to accept the same and slipped away. I invested this money in a trade and out of its profit I bought some buffaloes and a slave. Then the labourer met me after a long time and demanded his wages. I said that those buffaloes and slave were his. So he took those buffaloes and slave and went away.

In this Hadith though the established system of advocacy is not explained yet one point becomes clear that the rice dealer got the commercial benefits from the labourer's money as his representative or agent. That is the way the rice dealer returned all things to the labour.

Similarly on the time of fixation of Hajar-e-Aswad, the responsibility performed by the Hazrat Muhammad (may the blessing and mercy of Allah be upon him) on behalf of the Quraish leaders is also a kind of advocacy.

Quran, Hadith and Advocacy:

The following verses of The Holy Quran prove lawfulness of advocacy.

1. And if you fear a breach between the two, then appoint a judge from his people and a judge from her people. (Surat Nisa/35).

and those whose hearts are made to incline (to truth) and the (ransoming of) captives and those in debts and in the way of Allah. (Surat Tauba/60).

So the Zakat collector officials collect and distribute zakat in the capacity of deputies.

3. (One of the Ashabi-Kah'af said:) Now and send one of you with this silver (coin) of yours to the city, then let him see which of them has purest food, so let him bring you provision from it.

(Surat-ul-Kahaf/19)

In addition to the above mentioned verses the justificatoin of wakalat is supported by verse No. 55 and 83 of Surat Yousaf, Ayat No. 11 Surat Sajdah and Ayat No. 105 of Surat Nisa.

During his life time Hazrat Muhammad (may the blessing and mercy of Allah be upon him) delegated powers several times to other persons to act on his behalf.

In their respective collection of Hadith under the title of Kitab-ul-Wakalat, Imam Bukhari, Imam Abu Daud, Imam Dar Qutni, Imam Behqi and Imam Bagĥvi have quoted several "ahadith" about advocacy. These ahadith relate particularly to purchase and sale matters, to collection of revenue and alms. They also relate to matrimonial matters with Hazrat Mamoonah, Hazrat Umm-e-Salmah and Umm-e-Habibah, and also protection of Zakat fund, distribution of qurbani meat, receiving and payment of debt and implementation of Hadood Punishments. Also several ahadith are recorded about advocacy in Sahih Muslim, Sunan-e-Nisai and Musnad Imam Ahmad bin Hanbal.

Some companions of Holy Prophet (may the blessing and mercy of Allah be upon him) also practically followed this concept of Islamic advocacy in some matters in their lives.

divorced his wife Fatima bint-e-Qais.

2. Hazrat Maan bin Yazeed appointed a deputy for distribution of Alms (Sadqat)

3. Hazrat Usman appointed Hazrat Ali for the implementaton of punishment for drinking (Hadd-eKhamr) and Hazrat Ali appointed Hazrat Hasan and Hazrat Abdullah bin Jafar for this purpose.

4. For litigation purpose Hazrat Ali appointed his brother Hazrat Aqeel.

5. Hazrat Umar Farooq appointed Hazrat Anas to sell a pot on his behalf.

6. Hazrat Abdullah bin Umar appointed a representative for the payment of debt.

Ijma and Wakalat:

Wakalat is the matter which is justified by the Quran, Hadith, by general agreement (Ijma) and Qiyas. All The Islmaic Jurisprudent's agree on The Justification of Wakalat as is mentioned by Ibn-Abdideen in Radd-ul-Mukhtar by Jazeeri in Kitab-ul-Fiqh; by Khateeb Sherbini in Mughni-ul-Muhtaj, by Ibn-I-Rushad in Bidayat-ul-Mujtahid, by Bahooti in Kashshaf-ul-Qinaa and by Ibn Najaim in Al Bahr-ur-Raiq.

The Muslim Jurisprudents in their Fiqah books have mentioned various kinds and forms of advocacy for example:

1. General and special advocacy;
2. For limited period and for unlimited period advocacy;
3. Independent and bonded advocacy;
4. Temporary and permanent advocacy;
5. Known and unknown advocacy;
6. Lawful and unlawful advocacy;
7. Voluntary and professional advocacy etc.

In his book Lisan-ul-Hukkam Allama Ibn Shanah has stated kinds of advocacy from another point of view.

1. Appointment of one person as wakil by another person.
2. Appointment of one person by two persons.
3. Appointment of two person by one person.
4. Appointment of two person by two persons.

Ibn Shanah described that all these forms of advocacy are lawful.

In the fiqah books there are some other terms also that are similar to wakalat. They are will "وصیت" notation "حواله" guaranty "کفاله" contractor ship "مقاوله" delegation "تفویض" and message communication "ارسال"

different in meaning.

There is much difference between wakalat and messengership. In advocacy the advocate acts with his own responsibility whereas the messenger is only spokesman.

In advocacy the advocate acts with his own responsibility whereas the messenger is only the spokesman.

In the same way in contractorship the contractor is not the deputy of the master but he acts according to the agreed upon terms of contract. Contractership is based on payment of money and is not dissolved on the death of the master. On the other hand advocacy can be done without payment and comes to end immediately after the death of the client. Contractorship is for executed material matter and not for non-material matters whereas advocacy can be done for both matters.

Since advocacy is the basic requirement of so many people, therefore, many people took to it as a profession. In the consensus (Ijma) of theologians (faqaha) it is lawful to adopt it as a profession. Veracity of this can be quoted from the version of Imam Bukhari in Tarjamat-ul-bab of Kitab-ul-wakalat which he has given in his Sahih in the following words:

"باب الوكالة فى الوقف ونفقة و ان يطعم صديقاله وياكل بالمعروف"
1

That is: It is lawful to have or appoint an attorney in trusted wealth and maintenance and it is lawful for the wakil to use that wealth himself and make his friend use it too through some known and familiar methods.

Advocacy has clearly been allowed in books of Fiqah. In biography books Akhbar-ul-Quazt, by Muhammad bin Khalaf waqia (D. 306 H) "Tareekh-i-Baghdad" by Abu Bakar Ahmad bin Ali Khateeb Baghdadi (D. 463 H), "Al wafi bil wafyat" by Salah-ud-

have been described quite clearly that there were professional lawyer such as:

1. Ahmad bin Saeed Wakil. (D. 370 H).

2. Ahmad bin Rizq-u-Ullah bin Muhammad (D. 504 H)

3. Muhammad bin Ahmed Al-Muqri Al Wakil (D. 591 H)

4. Muhammad bin Hiba-T ullah bin Kamil (D. 607 H)

5. Ahmad bin Hussain Al Wakil.

REASONS, ELEMENTS, PARTS, CONDITIONS AND ORDER OF ADVOCACY

REASONS

About the circumstances in which a man can appoint an attorney, religious laws differ with one another. According to Imam Abu Hanifah besides criminal cases appointing of an advocate is due without the prior agreement and consent of the opposite party in every due case. Whereas in criminal cases appointment of an advocate without the consent and agreement of the opponent party is not due. According to other religious laws an advocate can be appointed unconditionally in all due cases and affairs. Although, in Shariat, it is due to appointment of an advocate without any excuse but even then, according to Fuqaha due to following cases and affairs, a party can nominate an advocate without the consent of the other:

1. Inability to protect, and travel.
2. To have no knowledge and abundance of wealth.
3. Engrossment or business.
4. Incapacity and insecurity.
5. Captivity or imprisonment.
6. Observance of Perdah.
7. Luxury and any other disability.

ELEMENTS

Elements mean those basic elements which complete the contract of advocacy, missing any one of these, contract of advocacy can not be perfect. Here are four elements:

2. Adovocate (Wakil)

3. Case or affair (Mukkal fie)

4. Grammatical form of advocacy (Sigha-e-Wakalat)

1. WAKIL

An advocate or attorney who is nominated for advocacy.

2. MUKKAL

Client or appointee of an attorney or an advocate.

3. MUKKAL FIE

A case or object for which an attorney is nominated.

4. SIGHA-E-WAKALAT

Words through which contract of advocacy is settled.

PARTS OR PILLARS

By parts and pillars of advocacy we mean the compulsory parts for the conduction of contract of advocacy between attorney and client. Here are the parts:

1. Offer 2. Acceptance

OFFER

Offer means to through an offer for advocacy the offer should be in literal, common well-known words and apt legally. If there stand some differences between literal and common or well known meaning, common meaning would be preferable. This way, if there is special mention of case or affair in offer, advocacy stands approved in

proof, offer would be falsified. For offer, it is essential to use past or present participles in speech.

ACCEPTANCE

Acceptance means to accept that offer by the advocate. The expression of acceptance on behalf of the advocate can be through some saying, action and hint. Moreover acceptance can be made immediately and with some delay. For acceptance, it is essential to use past participle in speech.

If contract of advocacy stands with some due lawful condition in offer or acceptance, on the accomplishment of the condition advocacy stands approved.

CONDITIONS

Conditions mean those conditions which are pertaining to the elements of advocacy, their accomplishment is essential for the accuracy of contract of advocacy.

1. Conditions pertaining to client are such as that:

He should be wise or in senses, adolescent, should have power, eligibility and authority over case or affair. Advocate should be informed about the contract of advocacy. He should not be restrained and an apostate. For client it is not a condition to be muslim, for in common affairs, however, it is essential for him to be muslim in certain affairs such as:

Oppointing authority should be muslim in the cases of prayer etc.

2. Conditions pertaining to advocate are almost the same.

Besides this the condition pertaining to the advocate is that he should have power and authority and knowledge about case or affair and contract of advocacy.

However she cannot be appointed as advocate in case which a woman cannot do and for which she is not eligible, such as:

Wife becomes advocate of her husband to divorce herself and a woman cannot be a deputy for performing Haj-i-badal alone.

3. Conditions pertaining to mukkal fie are that it should not be from some forbidden and unlawful source, should be clear and known, should not be pertaining to the forgiveness of retaliation (Qisas) Punishment of adultery and defamation (Hadd-e-Qazaf), articles of faiths (Imaniyat), physical or corporal prayers, purity (Taharat badnia), Penitence (Tauba), booty (Ghanimat), evidence (Shahadat), oath (half), vow, (Nazar) mutual cursing (Lian) and abandonment (for his swearing) Eila. Uttering something which has the effect of a divorce (Zihar), revertion from divorce (Rajaat) and suckling (Razaat).

4. Conditions pertaining to words of advocacy are that words should be either in past participle or in present and their meaning should be clear.

ORDER OF ADVOCACY

After the completion of contract of advocacy the imposition and initiation of all the powers as entrusted to the advocate by client would be right. After the contract of advocacy done between two persons, like other cases/affairs, the observance of these is essential for the both sides. If the advocate does not act in accordance with the instructions of client or he transgresses the limits, client does not stand bound to his contract. However, the disobedience in favour of client would stand acceptable. If an advocate goes against the direction of the client, the latter may or may not accept those contracts in such circumstances. The advocate would be responsible if client suffers some damage through this opposition.

ORDERS OF ADVOCACY

Orders of advocacy mean orders pertaining contracts and cases/deeds in which advocacy is due and lawful. Orders in books of fiqha are present pertaining to the following contracts:

1. Uqood-e- Tamleeqat

Uqood-e-Tamleeqat mean those contracts in which possession of some parts over something in proved such as:

Selling and buying, marriage lease or rent (Ijarah), donation or gift (hiban) and receiving of debt.

2. Uqood-ul-Isqatat

Uqood-ul-Isqatat mean such contracts in which one party has to withdraw from his own right such as:

Divorce: divorce at the instance of the wife who pays a compensation (Khula), payment of debt or financial liability and forgiveness of retaliation (Uaffaw-Unil-Qisas) etc.

3. Uqood-ul- Musharkat

Uqood-ul-Musharkat mean those contracts in which two parties make a contract on grounds of partnership such as:

Partnership (Shirakat) partnership of capital and labour on same specific terms or sleeing partnership, (muzarbat) and agricultural partnership or crop sharing, (muzarat) etc.

Aqood-u-Tuseeq watameen wal hifz mean those contracts which are orders pertaining to honesty and protection of items such as: guaranty (Kifalah), transfer of debt or bill of exchange (hiwalah) mortgage (rehan) deposit (wadiat) and simple loan or borrowing of utilities (aariyyat).

5. Janayat-u-Uqoobat

Janayat-u-Uqoobat mean those cases in which orders are about proofs and fulfilment of retaliation (Isteefa-e-Qisas), haddood punishments and general punishment (tazirat).

6. Ibadat, Manzoorat and Kaffarat

Ibadat, manzoorat and kaffarat are such deeds in whcih orders about financial prayers, vow and atonements or expiation for sins (kaffarat) have been described.

EXCEPTIONS

Where there are justification for advocacy in Islam, there are also some exceptions or exemptions. By exemptions we mean those affairs in which advocacy is prohibited such as:

Doctrine (aqaid) and belief (Imaniyat) corporal worships, in affairs, picked up goods to preserve for its owner (Luqtah) booty (ghanimat) evidence (shahdat) compurgation (by oath) (qisamat), oath (half) vow (nazar), in matters of marriage mutual cursing or demned (Lian), abandoment "for his swearing" (lelan) uttering something which has the effect of a divorce or injurious assimilation (of wife to mother) (Zihar) return from divorce or remarrying (Rajaat), fostery or sucking breast (Razaat) equality in staying for the night between wives (Qisam Bain-z zojat). In punishments and torments (Jinayat-u-uqubaat) of proofs and fulfilment of retaliation (Istifa-i-Qisas) and those penalties (Hudoods) where there is no need of any suit such as prostitution or adultery (Had-i-Zina) and drinking (Had Shurb-i-Khamer), prohibited affairs and permissible affair (Amoor-i-Mubaha) these affairs have been exmpted from the advocacy.

RIGHTS OF ADVOCATE

Rights of advocate mean those rights which an attorney or an advocate gets from his client in Mukkal fie after the contract of advocacy is made. In this regard, a basic rule is that every contract in which there is no need of relating to any contract on behalf of client, in it if an advocate directs towards himself, contract stands right and complete. In such case rights go infavour and disfavour of the advocate.

An advocate is bound to act like client in such rights such as:

Buying and selling, receiving of amount and debt, handing over the sold item and right of possession.

On those cases and affairs in which an advocate is like a messenger or conveyer such as:

Marriage, divorce at the instance of woman on payment (Khula), compromise on intentional murder. In these contracts all rights switch back to the client whether those rights are infavour or in disfavour of client. Advocate has also the right to use these items in case of dealing provided with avoiding any misuse of items. The advocate owes to pay penalty in case of misuse of things and their disfiguration.

SECOND ADVOCACY

The advocate has also the right of second advocacy provided the advocate claims to have general advocacy or he should have been given the right of second advocacy clearly. If client has not given the right of second advocacy he cannot appoint second advocate. However in unavoidable circumstances, the advocate in spite of the refusal and prohibition of client has a right to nominate the second advocate such as:

likewise if case or affair is not according to the choice and dignity of the advocate, if the advocate or deputy nominates the second advocate himself without the prior permission of client he has a right to dissolve him.

Difference between advocate and Client

Difference between two humans is something natural, but the difference between client and advocate is sometime intentional and sometime it occurs in understanding some case. According to Fuqaha, difference between advocate or agent and client and principal can occur due to the following reasons:

On getting The Mukkalfie bogus, on showing disobedience of wakil of The Mukkal, on showing slackness in protecting belonging, difference in the use of Mukkal fie, difference in returning of mukkal fie to mukkal and differcne in quality proofs of advocacy.

Ibn Rushed has divided these forms of difference in three following types:

1. Difference in proofs of advocacy

This difference occurs because of two reasons:

some one rejects advocacy of some one or discard of advocacy in affairs.

2. Difference concerning Mukkal fie

As difference in price of sale, difference in the buying of fixed or unfixed articles, wastage of Mukkal fie difference in the use and return of Mukkal fie.

It means the difference between client and agent in price of buying and sale of articles, difference in the buying and sale in cash or credit, difference in the thing with some defect.

Appointing of two advocates

If client appoints two advocate/agent to do some assignments, if those cases are of such type requiring some opinion from both of them, such as buying of some things, to do Khula or such matter as showing ownership, such as entrusting the case of the wife to some one, or to give authority of divorce, then or an advocate cannot deal a case without seeking the opinion of second advocate. However, case needing no opinion such as to buy a thing on fixed price, returning trust, in such case if an advocate or agent does advocacy in the absence of other advocate, the act would be due and reasonable.

If two persons appoint a person as agent such as for buying an unfixed articles, in this case it would be essential for the agent to clarify for that client who has bought a certain thing.

Dismissal of advocate

Advocacy is concerned with personal and optional contracts. As the Islamic Shariah allows independently to select and appoint two or more than two persons for this purpose, similarly it allows the parties to dissolve the contracts as they will. The Islamic Jurisprudents have metnioned three situations for the termination of the advocacy:

1. Both the client and advocate can withdraw from the advocacy without reason.

3. The advocate cannot deviate from the advocacy without the permission of the client.

The first situation arises when the contract of advocacy involves the client and the advocate only.

The second situation arises when the contract of advocacy involves the other party or person besides the advocate or if the contract deals with the perishable items like vegetables fruits, etc.

The third situation deals with contravention matter. In this situation if the advocate withdraws himself then he has to compensate for the loss.

The termination of advocacy may occur under the following circumstances.

1. Ex-Parte dismissal of the partner or self withdrawal.
2. On the completion of entrusted case.
3. On the death of advocate or the client.
4. One of the two parties gets insane.
5. A party turns apostate and flees to the enemy country (Dar-ul-harb)
6. If The Mukkal fie is dispossessed by the client.
7. If The Mukkal fie is destroyed or changed.
8. Inability of the advocate to do his job or duty, or the performance of the job by the client himself.
9. Intentional disobedience of the advocate or attorney pertaining to instructions of the client.

A fundamental condition of termination or dissolution of advocacy that both parties (client and advocate) must inform each other to this effect.

ADVOCACY IN MODERN AGE, CONCLUSIONS AND SUGGESTIONS

Advocacy In Modern Age:

Islam has given a comprehensive concept of attorneyship which covers many fields of life. This concept exists in the modern age with little variations.

Attorneyship is divided into two kinds in this age.

1. Advocacy in criminal and civil cases.
2. Attorney ship in business.

According to Webster's dictionary the meaning of advocate is this:

1. One who pleads the cause of another in a court of law; a counsel or counselor; he is a learned lawyer and an able advocate.
2. One who defends, vindicates, or espouses a cause by argument; one who is friendly to; an upholder; a defender as; an advocate of peace or of the oppressed.

In the sixteenth century in Britain a person who practiced civil and canon laws was called "chiefly", later this term was used for the Royal advocate. The New Encyclopedia Britannica defines: As a technical term, advocate is used mainly in those legal systems that are derived from The Roman law. In England those who practised before the courts of civl and canon law were called advocates. (1/114)

In America the legal practioner is called attorney, lawyer, or council. The Judicial Criminal lawyers are divided into two categories in Pakistan.

2. Private Advocate.

The Govt. Attorney means a lawyer who represents Government right from the lower courts to the higher courts.

They are appointed by the Government under the following titles.

1. Deputy District Attorney
2. District Attorney
3. Assistant Advocate General
4. Advocate General
5. Deputy Attorney General
6. Attorney General

Deputy Attorney and District Attorney are selected by the Provincial Public Service Commission, Assistant Advocate General and Advocate General are appointed by the provincial Government and Deputy Attorney General and the Attorney General are appointed by the President of Pakistan.

Private Lawyer

It means a lawyer who by profession practices law in the courts after fulfilling the requisite conditions. They are divided into four categories.

1. General lawyer

It is essential for this advocate that he should be a citizen of Pakistan and should have resided in Pakistan for at least one year. He must be 21 having B.A, LLB

lawyer can advocate or plead a case in any subordinate court in the Province.

2. Income Tax Lawyer

This lawyer deals with the income tax or the payments of other taxes. In addition to the above mentioned qualifications be must possess a Diploma in Taxation Law or B.Com Degree. The Central Board of Revenue issues the license to this lawyer for practice.

3. Advocate High Court

A lawyer can advocate the case in The High Court if he has pracised law in the lower court for the two years and is also a member of Pakistan Bar Council. This lawyer can appear in High Court, Labour Court and all the courts or tribunals in Pakistan except the Supreme Court of Pakistan.

4. Supreme Court Advocate

In the Supreme Court there are three categories of advocates.

(i) Supreme Court Advocate

He should be a High Court Advocate, should be a citizen of Pakistan and should be duly registered with The Pakistan Bar Council.

(ii) Senior Advocate of Supreme Court

An advocate is not allowed to sign role as senior advocate of Supreme Court unless has been for not less than ten years enrolled as an advocate in High Court. Those two types advocates of Supreme Court are entitled with the right to practice through out Pakistan and to appear and plead before any court or tribunal in Pakistan.

An advocate of five years standing in The Supreme Court shall be qualified to be registered as an advocate-on-Record, on making an application to this effect.

A senior or other advocate shall not appear or plead unless he is instructed by an Advocate-on-Record.

Attorney ship in business

An attorney appointed for sale and purchase is called agent in the modern language.

Agent mean a person employed to do any act for another or to represent another in dealing with third person. The person for whom such act is done or who is so represented is called the principal.

There are some kinds of agent: Factor, Delcredere, Agent, Broker, Auctioner and Commission Agent.

It is a condition for a client that any person who is of the age of maturity according to the law to which he is subject, and who is of sound mind may employ an agent.

For the appointment of any agent are the same conditions as those for the client.

Client can appoint wakil (agent) by the following ways:

1. An authority is said to be expressed when it is given by words spoken or written.
2. An authority is said to be implied when it is inferred from the circumstances of the case. Similarly, in emergency the authority to do something is called authority for the time of need or necessity.

client and the agent want to terminate or dissolve the authority before time, the one who dissolves will pay penalty to the other. It is necessary while dissolving the contract, that they should intimate each other about it.

Prevalent Judicial System and The role of the advocates

In the prevalent judicial system though the role of the advocates is controversion, yet the importance of their role cannot be denied. Anyhow it is the responsibility of the advocate to give advice to his client outside the court and plead his case before the court until the client dismisses him.

An advocate cross questions the evidence and the facts in every case. He tries to prove the extant of truth behind the facts, tries to prove the crime of the accused, restores the right, and proves the innocence of the non-guilty. Cross questioning of facts and evidence help the judge to arrive at the right decision.

As everybody does not have the knowledge of the legal complications, so the lawyer is the right person to represent his client's point of view in the most effective manner, because of these reasons the lawyers play an indispensable role in the prevalent judicial system.

Islamic Principles of advocacy

Islam lays out the following principles for advocacy.

1. Establishment of the right and abnegation from lies during the advocacy.
2. Advocate should not be entirely arguer or disputer.
3. He should be intelligent and hardworking and should be authority in his field.
4. Arguments should be precise brief and comprehensive during the advocacy.
5. Should abstain from exposing the draw-backs of somebody without reasons.

Modern concept of advocacy

This research differentiates the Islamic concept of advocate and the modern concept of advocacy as follows:

1. Islamic concept of advocacy is based on Quran, Hadith and General agreement (Ijma), where as British Law is the source of modern concept of advocacy.
2. Islamic concept of advocacy is as old as history of Islam, whereas the modern concept of advocacy emanated from the 16th century Britain.
3. Islamic concept of advocacy is very wide that covers all aspects or fields of life, whereas the modern concept of advocacy deals with judicial and business matters.
4. The conditions of advocacy both in Islamic and modern system are identical but there is variation also.
5. In both Islamic and Modern concept of advocacy the profession of advocacy is allowed and considered lawful.
6. The Islamic concept of advocacy leaves positive effects on the society, the crimes decrease as the criminal is duly punished where as the modern concept usually produces negative effects.
7. In The Islamic concept of advocacy only relevant facts are discussed and cross questioned whereas in the modern concept irrelevant facts and unnecessary matters are discussed and the case is unnecessarily prolonged.

Conclusions:

This research draws following conclusions:

this system, widened it and extended it to all aspects of human life.

2. In Islam the system of advocacy is proved by Quran, Hadity, Ijma and Qiyas.

3. That advocacy is considered lawful which is based on the Islamic principles.

4. During advocacy the advocate and client possess their respective rights.

5. Several matters pertaining to law of advocacy are found in the Fiqah books of Islam.

6. Modern advocacy is based on two aspects of Islamic concept of advocacy (criminal and civil matters and business matters).

7. Adoption of legal profession is allowed and justified.

8. As compared with the Islamic concept, the modern concept of advocacy contains draw backs.

9. Advocacy helps The Qazi or The Judge to arrive at the right decision.

Suggestions:

To create harmony and to improve both Islamic and Modern concepts of advocacy the following suggestions are put forth:

1. The Islamic concept of advocacy should be popularised so that maximum people should have knowledge of it and be able to solve their problems through this concept.

2. The Islamic Principles of business advocacy should be included among the commerce subjects.

provided to the commercial and financial institutions, so that they conduct business based on these principles.

4. Relevant inscription or epitaph from Quran and Hadith should be fixed on the walls and suitable places in the bar rooms and in the offices of the chambers of commerce etc. for example the following verses

"ولاتاكلوا اموالكم بينكم بالباطل"

(Surat-ul-Baqrah/188)

And do not swallow up your property among yourselves by false means.

"ولاتكن للخائنين خصيما"

(Surat-un-NIsa/105)

And be not an adovate on behalf of the treacherous.

6. Special programmes about the Islamic concept of advocacy should be telecast and broadcast through the electronic media.